حضرت

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

اور ان کے خلفاء

جدید ایڈیشن مع اضافہ باب سوم

ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمن

مجلسِ نشریاتِ اسلام
۱۔کے۔۳۰۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

پاکستان میں جملہ حقوق طباعت واشاعت
بحقِ فضلِ ربی ندوی محفوظ ہیں

نام کتاب	حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفا
تصنیف	ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن
طباعت	شکیل پرنٹنگ پریس کراچی
اشاعت	۱۹۹۰ء
ضخامت	۳۷۰ صفحات

ٹیلیفون
۶۲۱۸۱۷

ناشر
فضل ربی ندوی
مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی ۱۸

فہرست

باب اوّل

پیش لفظ ۶
دیباچہ ۷
۱۔ شیخ العرب والعجم حضرت شیخ امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ ۱۰
۲۔ قطب الارشاد حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۲۸
۳۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۳۸
۴۔ مولانا خلیل الرحمٰن مہاجر مکیؒ ۵۰
۵۔ مولانا فتح محمد تھانویؒ ۶۰
۶۔ علامہ سید عبدالرحمٰن کاندھلویؒ ۶۲
۷۔ حضرۃ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ ۶۴
۸۔ شاہ شرف الدین احمدؒ ۶۷
۹۔ منشی محمد قاسم نیانگریؒ ۶۸
۱۰۔ حافظ محمد سعد اللہ ہزارویؒ ۷۰
۱۱۔ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہیؒ ۷۱
۱۲۔ مولانا حیدر حسن خان ٹونکیؒ ۷۵
۱۳۔ مولانا شرف الحق دہلویؒ ۸۰
۱۴۔ مولانا سید احمد حسن امروہویؒ ۸۶
۱۵۔ مولانا احمد حسن کانپوریؒ ۹۰
۱۶۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ۹۲
۱۷۔ حضرت مولانا شاہ وارث حسنؒ ۱۰۵
۱۸۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ ۱۱۱
۱۹۔ مولانا قادر بخش سہرامیؒ ۱۱۴
۲۰۔ مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ ۱۱۶
۲۱۔ مولوی عبدالسمیع بیدل رامپوریؒ ۱۱۹
۲۲۔ مولانا انوار اللہ حیدرآبادیؒ ۱۲۴
۲۳۔ مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مرادآبادیؒ ۱۲۵
۲۴۔ شاہ بدر الدین پھلواریؒ ۱۲۸
۲۵۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواریؒ ۱۳۲
۲۶۔ مولانا نیاز احمدؒ ۱۴۰
۲۷۔ مولانا نور محمد شاہ پوری پنجابیؒ ۱۴۱
۲۸۔ مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھویؒ ۱۴۳
۲۹۔ مولانا شاہ افضل بخاری اکبرآبادیؒ ۱۴۴
۳۰۔ حضرۃ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ۱۴۵
۳۱۔ مولانا اسعد اللہ ندوی ۱۶۸
۳۲۔ حضرت مولانا شفیع الدین نگینویؒ ۱۶۹

۳۳۔ مولانا فدا حسین دربھنگویؒ	۱۷۱	۴۳۔ مولانا قاضی محی الدین خان مرادآبادیؒ	۲۳۱
۳۴۔ مولانا حکیم عبدالحی الحسنی لکھنویؒ	۱۷۴	۴۴۔ قاضی مرتضیٰ حسین حیدرآبادی	۲۳۲
۳۵۔ حاجی سید محمد عابد حسین دیوبندیؒ	۱۷۹	۴۵۔ مولانا حکیم ضیاءالدین بن غلام محی الدین رامپوریؒ	۲۳۴
۳۶۔ شاہ محمد حسین الٰہ آبادیؒ	۱۸۳	۴۶۔ سید ابوالقاسم سیفسوی فتحپوریؒ	۲۳۶
۳۷۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ	۱۸۹	۴۷۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	۲۳۸
۳۸۔ حضرت مولانا عبداللہ شاہ صاحب جلال آبادیؒ	۱۹۴	۴۸۔ حضرت حاجی محمد انور دیوبندیؒ	۲۶۱
۳۹۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ	۲۰۸	۴۹۔ حضرت مولانا قاضی محمد اسماعیل منگلوریؒ	۲۶۲
۴۰۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی صدیقیؒ	۲۱۸	۵۰۔ مولانا حکیم حافظ محمد یوسف صاحب تھانویؒ	۲۶۳
۴۱۔ حضرت مولانا محب الدین ولایتیؒ	۲۲۹	۵۱۔ مولانا سید امیر حمزہؒ	۲۶۴
۴۲۔ مولانا عنایت اللہ مالویؒ	۲۲۹	۵۲۔ مولانا کرامت اللہ دہلوی	۲۶۷

باب دوم

اس میں آپ سے بیعت ہونے والوں اور استفادہ کرنے والوں کا ذکر ہے۔

۱۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ	۲۷۰	۱۰۔ منشی سید ابوسعید لکھنویؒ	۲۹۳
۲۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ	۲۷۴	۱۱۔ مولانا عبدالحکیم کیرانویؒ	۲۹۴
۳۔ مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوریؒ	۲۷۸	۱۲۔ مولانا حافظ وحیدالدین رامپوریؒ	۲۹۵
۴۔ حضرت شاہ رفیع الدین دیوبندیؒ	۲۸۱	۱۳۔ مولانا سید کوثر علی نگینویؒ	۲۹۶
۵۔ مفتی غلام سرور لاہوریؒ	۲۸۵	۱۴۔ شیخ محمد بن غلام رسول سورتیؒ	۲۹۷
۶۔ مولانا محمد اعظم حسین صدیقی خیرآبادیؒ	۲۸۷	۱۵۔ حافظ مرزا الٰہی بخشؒ	۲۹۸
۷۔ مولانا نور احمد امرتسریؒ	۲۸۹	۱۶۔ حافظ حسام الدین رامپوریؒ	۲۹۹
۸۔ مولانا عبدالرحمٰن سہارنپوریؒ	۲۹۱	۱۷۔ مولانا عبدالغنی میرٹھیؒ	۳۰۰
۹۔ حافظ نامدار خانؒ	۲۹۳		

باب سوم

۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی	۳۰۱	۸۔ حافظ رمضان اعظمی	۳۵۸
۲۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی	۳۲۷	۹۔ قاضی فضل الرحمٰن سہارنپوری	۳۵۹
۳۔ مولانا عبدالواحد بنگالی	۳۴۳	۱۰۔ مولانا سخاوت علی انبیٹھوی	۳۶۱
۴۔ مولانا بدرالدین پھلواری	۳۴۵	۱۱۔ مولانا منور علی	۳۶۲
۵۔ سید تجمل حسین بہاری	۳۴۹	۱۲۔ مولانا عبدالغفار	۳۶۳
۶۔ میر سید دائم علی	۳۵۲	۱۳۔ عبدالحیؒ چاٹگامی	۳۶۴
۷۔ محمد ادریس نگرامی	۳۵۲	۱۴۔ مولانا محمد علی مونگیری	۳۶۵

پیش لفظ

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ اور ان کے خلفاء پر مشتمل یہ جدید ایڈیشن بھی ہمارے محترم اور فاضل دوست مولانا فضل ربی صاحب ندوی کے اہتمام سے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی سے شائع ہوا ہے پہلے ایڈیشن میں حضرت حاجی صاحب کے ۵۲ خلفاء اور ۱۷ خواص کا تذکرہ تھا۔ اب اس تازہ ایڈیشن کے باب سوم میں ۱۴ حضرات کا مزید اضافہ ہے۔ ان چودہ حضرات میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا تذکرہ سہو کتابت کی وجہ سے شامل نہیں ہو سکا تھا جس کا تدارک بہر حال ضروری تھا۔ باقی ۱۳ حضرات کے تذکرے جو اس عرصۂ تحقیق میں معلوم ہوئے وہ بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح یہ ایڈیشن ۶۶ خلفاء اور ۱۷ خواص کے تذکروں پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو بھی قبولیت سے نوازیں اور ہمیں اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشیں۔ آمین

(ڈاکٹر قاری) فیوض الرحمٰن

باسمہ سبحانہٗ

دیباچہ

(از سید نفیس الحسینی)

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ (م ۱۳۱۷ھ) کا شمار برصغیر پاک و ہند ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ مقبولیت و محبوبیت عطا فرمائی۔ آپ کی ذاتِ گرامی بلند منزلت علماء و مشائخ کا مرجع تھی۔

حضرت حاجی صاحب بڑے عالی نسبت بزرگ تھے۔ آپ کے شیوخِ طریقت امیر المؤمنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید قدس سرہٗ (ش ۱۲۴۶ھ) سے نسبت و بیعت کا شرف رکھتے تھے۔ خود حضرت حاجی صاحب کو نہایت صغر سنی کے عالم میں حضرت سید صاحب کی گود کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ یہ ۱۲۳۵ھ کی بات ہے جبکہ حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے عالی مقام حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) کے فرمان وارشاد سے دوآبے کا دورہ کیا تھا۔ اس مبارک سفر میں تھانہ بھون یا نانوتہ کے مقام پر ایک کمسن بچہ بھی حصولِ برکت و سعادت کے لیے حضرۃ سید صاحبؒ کی گود میں دیا گیا۔ آپ نے اسے بیعت تبرک میں قبول فرمایا۔ حضرت حاجی صاحب بچپن کے اس متبرک واقعے کو اپنی مجلس میں بیان فرمایا کرتے تھے: مولانا صادق الیقین راوی ہیں:

"فرمایا: میں تین سال کا تھا کہ سید صاحبؒ کی آغوش میں دیا گیا اور انھوں نے مجھ کو بیعت تبرک میں قبول فرمایا۔"

(شمائم امدادیہ ص ۵۳، امداد المشتاق ص ۱۴)

یہ ایک عجیب قدرتی اتفاق ہے کہ اسی مبارک سفر میں چند ہی روز بعد سہارنپور میں حضرت حاجی صاحب کے دادا پیر حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ اور پیر و مرشد حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانویؒ بھی حضرت سید احمد شہیدؒ کی بیعت و اجازت سے شرف اندوز ہوئے

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی بیعت سر حلقۂ مجاہدین حضرت مولانا سید نصیر الدین دہلوی قدس سرہ (م ۱۲۵۶ھ) سے تھی۔ وہ بھی حضرت سید صاحب کی تحریک جہاد کے رکن رکین تھے، بلکہ حضرت سید صاحب کی شہادت کے بعد انھوں نے تحریک جہاد کو از سر نو زندگی بخشی۔ نواب وزیر الدولہ والئ ٹونک لکھتے ہیں:-

"سید صاحب کی شہادت کے بعد خلقِ خدا کی ہدایت، شریعت کے احیار کا کاروبار بے آب و تاب ہو رہا تھا۔ خدا کی رحمت سے مولانا سید نصیر الدین کی بدولت اس کاروبار میں بے اندازہ رونق اور جِلا پیدا ہو گئی۔"

(وصایا الوزیر۔ جلد اول ص۶۳)

الحاصل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بنفسِ نفیس، آپ کے مرشدِ اول حضرت مولانا سید نصیر الدین دہلویؒ، مرشدِ ثانی حضرت میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانویؒ اور پھر آپ کے دادا پیر حضرت حاجی عبد الرحیم شہید ولایتی رحمہم اللہ تعالیٰ سب کے سب امیر المومنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید قدس سرہٗ کے حلقۂ عقیدت و ارادت اور سلسلۂ بیعت و ارشاد سے وابستہ ہیں۔

این سلسلۂ طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

یہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہید قدس سرہٗ ہی کی نسبتِ باطنی کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور ان کے شیوخ کرام و خلفاء عظام کے سینوں میں جذبۂ جہاد موجزن رہا۔ حضرت حاجی صاحب اپنے مرشدِ اول مولانا سید نصیر الدین دہلویؒ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہونا چاہتے تھے لیکن والد ماجد کی بیماری و وفات اور پھر اسی دوران میں حضرت پیر و مرشد کی شہادت سے ارادہ موقوف ہو گیا۔

آخر، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اسلافِ کرام و بزرگانِ کرام کی سنت جہاد ادا کرنے کا وقت آگیا۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے تھانہ بھون اور شاملی کے میدانوں میں علمِ جہاد بلند کیا۔ مجاہدین میدانِ جنگ میں غالب تھے کہ تقدیر نے پانسہ پلٹ دیا۔ انگریزی فوج کے غلبہ کے بعد حضرت حاجی صاحب نے مکہ معظمہ کو ہجرت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کو حرمین شریفین میں بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی۔

آپ کی عظمت و شہرت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا۔ اطرافِ عالم سے خلقِ خدا انبوہ در انبوہ آپ کے حلقۂ فیض و ارشاد میں داخل ہوئی۔ انوار العاشقین میں ہے:

"متاخرین چشتیہ صابریہ میں، باوجود قیام مکہ معظمہ کے کہ وہاں حاضر ہو کر شہرت کا ہونا نادر ہے، حضرت ممدوح کے برابر مشائخ میں سے کسی کو اس درجہ شہرت نہیں ہوئی۔" (ص۸۷)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ بلاشبہ شیخ العرب والعجم تھے اور بالاجماع امامِ وقت اور سرآمد روزگار شیخ طریقت تسلیم کیے گئے۔ آپ کے خلفاء کرام بھی رجالِ عظیم اور اپنی اپنی جگہ مقبولِ عام تھے۔ انھوں نے برصغیر پاک و ہند کو شریعت محمدیہ اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انوار و برکات سے معمور کر دیا۔ بالخصوص آپ کے خلفاء اعظم قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہما کے ذریعے اس سلسلے کے فیوض برصغیر کے حدود سے نکل کر دنیا کے کونے کونے تک پہنچے۔ مسلمانوں کے سوادِ اعظم نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور سعادتِ دنیوی و نجات اخروی کی راہ پائی۔

حضرت حاجی صاحبؒ اور ان کے خلفاء کرام کا طرۂ امتیاز ان کا مسلک حق و اعتدال ہے۔ انھوں نے مسلمانوں میں فرقہ بندی کے تصورات کو ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھا اور اتحاد بین المسلمین کے لیے عمر بھر کوشاں رہے۔ ان کا نصب العین کافرگری نہیں مومن گری تھا۔ انھوں نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عشق و محبت اور باہمی الفت و یگانگت کا درس دیا۔ لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا نے ان سے خشیت الٰہی اور حبِ نبوی کی نعمت بے بہا اور دولتِ لازوال پائی۔ بلاشبہ ان مقبولانِ بارگاہِ خداوندی نے اس دور میں اپنے علم و عمل سے صوفیائے متقدمین اور علماء سلف صالحین کی یاد تازہ کر دی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

زیر نظر کتاب "حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفاء" میرے محب مخلص جناب ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن صاحب کی عمدہ تالیف ہے۔ انھوں نے نہایت درجہ محنت سے یہ کتاب لکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو مشکور فرمائے اور ان کے لیے زادِ آخرت بنائے۔ آمین

احقر نفیس الحسینی
۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ

شیخ العرب والعجم حضرت شیخ امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ

"شیخ" عارف الکبیر امداد اللہ بن محمد امین تھانوی مہاجر مکی ان اولیائے عارفین میں سے تھے، جن کی تعریف و توصیف میں سب زبانیں متفق ہیں۔

۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ یوم شنبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ فارسی رسائل پڑھے حصن حصین اور مثنوی مولانا روم مولانا قلندر بخش جلال آبادی سے پڑھیں۔ پھر دہلی پہنچے اور حضرت مولانا سید نصیر الدین نواسہ حضرت مولانا رفیع الدین محدث اور شاگرد و داماد حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں اور ان سے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا۔ ان کی شہادت کے بعد واپس "تھانہ بھون" آ گئے۔ پھر وہاں ایک عرصہ تک رہے۔ پھر "لوہاری" پہنچے او وہاں شیخ نور محمد جھنجھانویؒ کی خدمت میں عرصہ تک رہے اور ان سے بھی خلافت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر معرفت کے دروازے کھول دیئے اور انہیں راسخ علمار کی صف میں لا کھڑا کیا۔ چنانچہ اپنے مرشد کے ارشاد پر سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں لگ گئے۔

۱۲۷۴ھ میں مسلمان انگریز حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ سہارنپور اور مظفر نگر کے علمار اور صلحا کی ایک جماعت جس کے ساتھ دیگر صالح مسلمان بھی شامل تھے، نے انگریز کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور ان سب نے شیخ امداد اللہ کو اپنا امیر بنا لیا۔ ضلع مظفر نگر کے ایک گاؤں شاملی کے میدان میں یہ جماعت انگریز حکومت کے مقابل ہوئی۔ اس میں حضرت

حافظ محمد ضامنؒ نے شہادت پائی۔ انگریز کے قدم مستحکم ہو گئے اور اس نے پکڑ دھکڑ شروع کر دی۔ علمائے ربانیین پر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہونے لگی اور کام کا میدان ہند میں تنگ ہونے لگا۔ بعض احباب کچھ عرصہ روپوش رہے اور بعض نے ہجرت کی ٹھان لی۔ شیخ امداد اللہؒ نے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کو ترجیح دی۔ ۱۲۷۶ھ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ پھر "صفا" میں اقامت پذیر ہوئے۔ پھر "حارۃ الباب" میں زندگی کی آخری گھڑیوں تک رہے۔ بہت عرصہ تک دیگر اولیاء کی طرح فقر و فاقہ اور عسرت میں رہے۔ مگر اس حال میں بھی صابر و شاکر جس حال میں اللہ رکھے اس پر راضی، یہاں تک کہ حالات نے پلٹا کھایا اور اللہ تعالیٰ نے عسر کو یسر اور تنگی کو فراخی میں تبدیل کر دیا۔ قلب و قالب سے مجاہدوں اور عبادتوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہمیشہ ذکر و فکر اور مراقبہ میں رہنے لگے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دی۔

بڑے بڑے علما، اور مشائخ استفادہ کے لئے مائل ہوئے اور آپ سے معرفت کا درس لیا اور اسی معرفت و یقین کو آگے پہنچایا۔ اللہ نے ان کی تربیت اور طریقت میں ایسی برکت دی کہ اس کے انوار تمام اطرافِ عالم میں پھیل گئے۔ طریقہ چشتیہ صابریہ کی تجدید کی اس میں بڑے بڑے علمار اور فضلار داخل ہوئے۔

ان سے اللہ نے ایک خلق کو نفع دیا، جس کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ ان میں سب سے بڑے شیخ قاسم، شیخ رشید احمد، مولانا یعقوب، مولوی احمد حسن، مولوی محمد حسین اور مولوی اشرف علی ہیں اور یہ سب اپنی اپنی جگہ شیوخ ہو گئے اور ان سے ایک خلق نے فائدہ حاصل کیا۔

وسیع المشرب تھے۔ تعصب اور تشدد سے بہت دور۔ مثنوی مولانا روم سے بے حد لگاؤ تھا۔ اس کا درس بھی دیتے تھے اور اپنے احباب کو اس کی تلقین بھی کرتے تھے کہ اسے پڑھا جائے اور اس میں غور و فکر کی جائے۔

ان کی چند عمدہ تصانیف بھی ہیں، جو سب کی سب محبت الٰہی، معرفت اور تصوف میں ہیں۔ ان میں "ضیاء القلوب (فارسی میں)" "ارشادِ مرشد"۔ "گلزارِ معرفت" "تحفۃ العشاق" "جہادِ اکبر"، "غذاء روح" اور "دردنامہ غمناک" سب کی سب اردو میں ہیں اور ان میں اکثر نظم میں ہیں۔

۱۲ جمادی الاخرہ ۱۳۱۷ھ بروز چہار شنبہ مکہ مکرمہ میں وصال ہوا اور "معلاۃ" میں شیخ رحمت اللہ کے قریب دفن کئے گئے۔ [1]

مولانا محمد زکریا لکھتے ہیں: "حضرۃ فاروقی النسب اور حنفی المذہب، طریقت و معرفت کے امام تھے۔ حضرۃ کی ولادت ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء بروز شنبہ بمقام قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ یہ قصبہ سہارنپور سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ حضرۃ کے ننہال کا وطن ہے۔ حضرۃ کی عمر تین سال کی تھی کہ حضرۃ سید احمد شہیدؒ کی آغوش میں دے دئے گئے اور حضرۃ نے بیعت تبرک سے نوازا۔ حضرۃ کی عمر ابھی سات ہی برس کی تھی کہ حضرۃ کی والدہ بی بی حسینی بنت حضرۃ شیخ علی محمد صدیقی نانوتوی نے انتقال فرمایا۔ ابتداء ہی سے حضرۃ کے قلب میں حفظِ قرآن کا ایک شوق اور ولولہ تھا۔ اس لئے باوجود کسی دوسرے کے زور نہ ہونے کے خود اپنے شوق سے حضرۃ نے کلام مجید حفظ فرمایا۔ ۱۲۴۹ھ میں جبکہ حضرۃ کی عمر سولہ سال کی تھی مولانا مملوک علی صاحب کے ہمراہ دہلی کے سفر کا اتفاق ہوا۔ وہاں مشائخ وقت سے علومِ ظاہری کی تحصیل شروع فرمائی اور کچھ ابتدائی کتب فارسی و عربی صرف و نحو ہونے پائی تھیں کہ علومِ باطنیہ کی طرف کشش ہوئی۔ قبل اس سے کہ علومِ ظاہری سے فراغت ہو دوسرے علوم کی طرف انجذاب ہوا اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضرۃ نے شیخِ وقت مولانا نصیر الدین صاحب نقشبندیؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اذکارِ نقشبندیہ اخذ فرمائے۔ حضرۃ شیخ، شیخ المشائخ شاہ محمد آفاق صاحبؒ

---

[1] مولانا حکیم عبد الحی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد دکن: ۱۹۷۰ء ج ۸، ص ۷۱ تا ۷۲ (عربی سے اردو)

کے خلیفہ اور مسندِ وقت شیخ الحدیث شاہ محمد اسحٰق صاحب کے شاگرد اور داماد تھے۔ حضرۃ حاجی صاحبؒ کو چند روز ہی شیخ کی خدمت میں رہنے کی نوبت آئی تھی کہ شیخ کی طرف سے خرقہ و اجازت سے مشرف ہوگئے۔ اب چونکہ صفائے قلب اور انوار کی کثرت ہوگئی تھی۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف حضرۃ مولانا محمد قلندر صاحب محدّث جلال آبادی سے شروع فرمائی اور حصن حصین اور فقہ اکبر حضرۃ مولانا عبد الرحیم صاحب نانوتوی سے۔ یہ ہر دو حضرات مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے ارشد تلامذہ سے تھے۔

ایک خواب کی بناء پر حضرۃ میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ سے بیعت ہوگئے۔ کچھ ہی دن حضرۃ شیخ کی خدمت میں حلقہ نشیں رہے تھے کہ خرقۂ خلافت سے مشرف ہوگئے۔ حضرۃ نے اجازت کے بعد ایک آخری امتحان فرمایا اور مجازِ خلیفہ سے دریافت کیا کہ کیا چاہتے ہو تسخیر یا کیمیا؟ حضرۃ یہ سخت امتحانی فقرہ سن کر رونے لگے اور عرض کیا کہ "محض محبوبِ حقیقی کی خواہش ہے۔ دنیا کی کوئی چیز نہیں چاہیئے۔ روحانی باپ نے یہ فقرہ سنا اور لاڈلے بیٹے کی اس علو ہمتی پر آفرین فرمائی اور بغلگیر فرما کر بے حد دعائیں دیں۔ یہ سلسلۂ فیض جاری تھا کہ ۱۲۶۹ھ میں روحانی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

علماء کی جماعت میں سب سے اول حضرۃ اقدس فخر المحدثین مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے غالباً ۱۲۶۳ھ میں بیعت کی اور اس کے کچھ دنوں بعد حضرۃ اقدس فخر المتکلمین مولانا محمد قاسم نانوتوی بانیٔ دار العلوم دیوبند نور اللہ مرقدہٗ نے بیعت کی۔ اجازت بھی حضرت گنگوہی کو پہلے ہے اور حضرۃ نانوتویؒ کو بعد میں۔ ان دونوں کا بیعت ہونا تھا کہ علماء کا رجوع شروع ہوا اور حضراتِ ذیل مولانا عبد الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ، مولوی محمد حسن صاحب پانی پتی، حضرۃ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی مدرس اول مدرسہ دیوبند، حافظ محمد یوسف صاحب ابن حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی، مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوریؒ،

مولانا فیض الحسن صاحب "ادیب سہارنپوری" وغیرہ اکابر حضرات داخل سلسلہ ہوئے۔

۱۸ رمضان المبارک ۱۲۸۲ھ کو بی بی خدیجہ بنت حاجی شفاعت خاں رامپوری سے بعوض ساٹھ ریال مہر پر نکاح کیا۔ اکثر یہ شعر ورد زبان رہتا تھا۔[1]

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم ہم سر من پیدا مکن

بالآخر چوراسی سال تین ماہ بیس روز اس عالم تاریک کو منور فرما کر ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء بروز چہار شنبہ بوقتِ آذانِ صبح محبوب حقیقی سے واصل ہوئے اور اہلِ دنیا کو مفارقت کا داغ دیا۔ جنت المعلّٰی میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ثم المکی بانی مدرسہ صولتیہ کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔

تصانیف | ۱۔ حاشیہ مثنوی مولانا روم۔ یہ مثنوی رومی پر فارسی زبان میں حاشیہ ہے۔ اعلیٰ حضرۃ کی حیات میں اس کے صرف ۲ حصے طبع ہو سکے۔ باقی بعد میں طبع ہوئے۔ ۲۔ غذائے روح ۔ یہ ۱۲۶۴ھ میں تحریر کی گئی۔ ۳۔ جہادِ اکبر۔ یہ رسالہ ۱۲۶۸ھ میں تالیف ہوا ہے۔ ۴۔ مثنوی تحفۃ العشاق۔ یہ ۱۲۸۱ھ میں لکھی گئی۔ ۵۔ رسالہ درد غمناک۔ ۶۔ ارشادِ مرشد۔ سنہ تالیف ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۳ھ۔ ۷۔ ضیاء القلوب (فارسی) ۱۲۸۲ھ میں مکہ مکرمہ میں تحریر فرمائی۔ اس کتاب کا تاریخی نام "مرغوب دل" ہے۔ ۸۔ وحدۃ الوجود۔ ۹۔ فیصلہ ہفت مسئلہ۔ ۱۰۔ گلزارِ معرفت۔ اعلیٰ حضرۃ کی یہ تالیفات اب کلیاتِ امدادیہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔[1]

مولوی رحمان علی لکھتے ہیں: "مولانا حاجی امداد اللہ، علوم ظاہر و باطن کے جامع ہیں چشتیہ،

[1] مولانا محمد زکریا: تاریخ مشائخ چشت: کراچی، ۱۳۹۶ھ ص ۲۴۳ تا ۲۵۲ (سے اقتباس)

صابریہ، قدوسیہ، چشتیہ نظامیہ قدوسیہ، قادریہ قدوسیہ، نقشبندیہ مجددیہ قدوسیہ، سہروردیہ قدوسیہ اور کبرویہ قدوسیہ۔ سلاسل میں جناب فیض مآب قبلہ حقیقت و کعبہ معرفت حضرۃ میاں جیو شاہ نور محمد جھنجھانوی سے خلافت حاصل ہے۔ بہت سے مشہور علماء مثلاً مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمد قاسم نانوتوی اور مولانا مرشدنا حافظ حاجی محمد حسین محب اللّٰہی مہاجر الہ آبادی حضرۃ حاجی صاحب کے مرید ہوئے اور سب کی دلی مرادیں حاصل ہوئیں چنانچہ انہوں نے ضیاء القلوب میں وصایا کے تحت ارشاد فرمایا ہے

"جو شخص کہ اس فقیر سے محبت، عقیدت اور ارادت رکھتا ہے وہ مولوی رشید احمد اور مولوی محمد قاسم کو جو علوم ظاہری و باطنی کے تمام کمالات کے جامع ہیں، فقیر (حاجی صاحب) کی بجائے بلکہ مجھ سے بلند درجہ پر سمجھے۔ اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس ہو گیا کہ وہ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہو گیا۔ ان کی صحبت کو غنیمت سمجھیں کہ ان جیسے حضرات اس زمانہ میں نایاب ہیں اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہیں۔"

حق یہ ہے کہ وہ (حاجی صاحب) اس زمانہ میں یادگارِ سلف ہیں۔ غدر کے زمانہ میں ہنگامہ سے چھٹکارا پاکر مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے اور اس بابرکت مقام پر ہر چھوٹا بڑا ان ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ہمیشہ حرم شریف میں مثنوی مولانا روم کا درس دیتے ہیں۔ غذائے روح، ضیاء القلوب، تحفۃ العشاق، جہادِ اکبر، ارشادِ مرشد اور دردِ غمناک ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔

مولوی محمد یعقوب نانوتوی، حافظ محمد یوسف تھانوی، مولوی کرامت علی انبالوی اور مولوی محمد ابراہیم اجراوری ان کے خلفائے مجاز ہیں۔ نیز یہ فقیر جامع الاوراق (مولوی رحمان علی) بھی مولانا و مرشدنا حافظ محمد حسین الہ آبادی کے توسط سے حضرۃ کے خدام میں داخل ہے اور ہر سلسلہ میں بیعت و اجازت حاصل ہے۔[1]

[1] رحمان علی: تذکرہ علماء ہند۔ کراچی ص ۱۲۲، ۱۲۳

علامہ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"صابریہ سلسلہ کا مرکز اس دور (اٹھارویں صدی) میں امروہہ بنا۔ وہاں حضرۃ شاہ عضدالدین (م ۱۱۷۲ھ) حضرۃ شاہ عبدالهادی (م ۱۱۹۰ھ) اور حضرۃ شاہ عبدالباری (م ۱۲۲۶ھ) نے تزکیۂ نفس اور تجلیۂ باطن کی وہ محفلیں گرم کیں کہ فضائیں تک جگمگا اٹھیں۔ شاہ عبدالباری کے خلیفہ حاجی سید عبدالرحیم فاطمی (م ۱۲۴۶ھ) شیخ کی مجلس سے دین کا ایسا درد لے کر اٹھے کہ جب تک زندہ رہے، احیاء سنّت کے لئے کوشاں رہے۔ جب حضرۃ سید احمد شہیدؒ نے جہاد کی تیاری کی تو ان کے ساتھ ہو گئے اور بالاکوٹ کے میدان میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کے خلیفہ میاں جی نور محمد جھنجھانوی (م ۱۲۵۹ھ) کے دامن تربیت سے ایک ایسا شخص اٹھا جس نے صابریہ سلسلہ کو عروج کی انتہائی منزل پر پہنچا دیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے فیوض ہندوستان تک ہی محدود نہیں رہے۔ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی ان کے اثرات پہنچے۔

حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحبؒ ۱۲۳۲ھ میں تھانہ بھون میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد حجاز چلے گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دل و دماغ کی بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا اور وہ انیسویں صدی کی تین عظیم الشان تحریکوں کا منبع و مخرج تھے۔

۱۔ مسلمانوں کی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے جو تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی جس نے بالآخر دیوبند کی شکل اختیار کی۔ ان ہی کے خلفاء و مریدین کی پُرخلوص جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ)، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور حاجی محمد عابد صاحبؒ ان کے خلفاء تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا محمد قاسم کے جانشین تھے۔ انہی بزرگوں کی کوششوں سے دینی تعلیم کا چرچا ہوا۔

۲۔ باطنی اصلاح و تربیت کے لئے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں

دو بزرگوں کی کوششیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حاجی صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ نصف صدی سے زیادہ انہوں نے ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کی زندگی کے مختلف گوشوں میں اصلاح کا کام کیا۔ لیکن مولانا تھانویؒ کی تحریک میں وہ وسعت اور گہرائی نہ پیدا ہو سکی، جو مولانا محمد الیاسؒ کی دینی تحریک کو حاصل ہوئی۔

مولانا محمد الیاسؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید تھے، جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عنایت فرمایا تھا، اس کی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی۔ گزشتہ صدی میں کسی بزرگ نے انہیں چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاسؒ نے کیا تھا۔

۳۔ انیسویں صدی کی تیسری اہم تحریک آزادئ وطن کی تھی۔ اس سلسلہ میں خود حاجی صاحب اور ان کے منسلکین نے جو کار ہائے نمایاں انجام دیئے وہ ہندوستان کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ غدر کے زمانہ میں تھانہ بھون کا انتظام حاجی صاحبؒ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور خود دیوانی اور فوجداری کے مقدمات فیصل فرماتے تھے۔ آزادی وطن کے جس جذبے نے حاجی صاحبؒ کے قلب و جگر کو گرمایا تھا وہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے پہلو میں ایک شعلہ بن گیا تھا۔ وہ اور ان کے رفقاء اور تلامذہ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لئے جن مصائب کا سامنا کیا، تاریخ ہند کا کوئی دیانتدار مؤرخ ان کو بھلا نہ سکے گا۔"[۱]

امداد صابری لکھتے ہیں:

"حضرۃ امداد اللہ صاحبؒ کو آج بھی علمائے کرام کا ہر طبقہ جانتا ہے اور ان سے عقیدت رکھتا ہے۔ حاجی صاحبؒ نے ہر زمانے میں ہر خیال کے عالم سے فیوضِ روحانی کا سکہ منوا لیا تھا۔ ہندوستان

۱۔ علامہ خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، لاہور: بلا تاریخ ص ۲۳۳، ۲۳۴

کا ہو یا عرب ممالک کا ہو، تقریباً اس دور میں ہر مستند عالم آپ کا مرید تھا۔ چنانچہ حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرۃ مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حضرۃ مولانا محمود حسن، حضرۃ مولانا محمد افضل صاحب بخاری اکبرآبادی، حضرۃ مولانا کرامت اللہ صاحب دہلوی، حضرۃ مولانا شرف الحق دہلوی، حضرۃ مولانا سید امیر حمزہ، حضرۃ مولانا محب الدین مکی، مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی، مولانا عبد السمیع رامپوری بلالؔ، مولانا احمد حسن کانپوری وغیرہ آپ کے مریدوں میں شمار کیے جاتے تھے[1]۔"

حضرۃ مشتاق احمد انبیٹھویؒ لکھتے ہیں:

"حضرۃ حاجی (امداد اللہ مہاجر مکی) صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء بے شمار ہر دیار و امصار میں ہیں۔ متاخرین چشتیہ صابریہ میں (باوجود قیام مکہ معظمہ کے کہ وہاں حاضر ہو کر شہرت کا ہونا نادر ہے) حضرۃ ممدوح کے برابر مشائخ میں سے کسی کو اس درجہ شہرت نہیں ہوئی۔ منجملہ آپ کے خلفاء کے حضرۃ بقیۃ السلف حجۃ الخلف مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرۃ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرۃ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ مسلم علماء اور صلحاء گزرے ہیں۔

حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء بھی آجکل بزرگ اور عالم باعمل مانے جاتے ہیں جیسے حضرۃ مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی صدر مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند اور حضرۃ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی صدر مدرسہ مظاہر علوم، حضرۃ مولانا عبد الرحیم رائپوریؒ، حضرۃ مولانا صدیق احمد صاحب انبیٹھوی اور حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی کے صاحبزادے حضرۃ مولانا حکیم مسعود احمد صاحب خاص گنگوہ میں مولانا کے جانشین اور اوراد و قات کے پابند ہیں۔ راقم الحروف ان سے مل کر خوش ہوتا ہے اور جس طرح حضرۃ مولانا رشید احمد صاحب اس عاجز کے ساتھ نوازش و کرم سے پیش آتے تھے، اسی طرح حکیم صاحب کمال شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ یہ حضرات

---

[1] امداد صابری: تذکرۂ شعرائے حجاز اردو: دہلی۔ ص ۱۳۴، ۱۳۵

تو مولانا کے خلفاء ہیں۔ مگر جناب مولوی شاہ ظہور احمد انبیٹھوی کو جو نسبت روح مقدس حضرۃ مولانا سے یہ عاجز راقم الحروف پاتا ہے وہ فنافی الشیخ کے درجہ سے کم نہیں۔ لہٰذا یہ بدرجہ اولیٰ خلافت کے لائق ہیں۔ بارک اللہ فی عمرہم وصلاحہم۔ حاجی وارث حسن صاحب بھی حضرۃ مولانا رشید احمد صاحب کے عمدہ خلفاء میں ہیں اور مشائخانہ طریقہ اور لباس صوفیانہ رکھتے ہیں۔

حضرۃ مکرمی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے عالم و جاہل دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے روایات صحیحہ اور مضامین عالیہ نہایت آسان عبارت میں بیان فرماتے ہیں۔ بڑے قادر الکلام ہیں زبردست مصنف ہیں۔ صدہا کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔"[1]

شاعری مناجات کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

الٰہی یہ عالم ہے گلزار تیرا عجب نقشِ قدرت نمودار تیرا
عجب رنگ بے رنگ ہر رنگ میں ہے یہ ہے صنعت کا اظہار تیرا
تو اول تو آخر تو ظاہر تو باطن تو ہی تو ہے یا کہ ہے آثار تیرا
جہاں لطفِ گل ہے وہیں خارِ گل ہے ہر گل خار میں گل میں ہے خار تیرا
خوشی غم میں رکھی اور غم خوشی میں عجب تیری قدرت عجب کار تیرا
دوائے رضا کیا کروں میں الٰہی کہ دارو بھی تیری اور آزار تیرا
یہ کوتاہی اپنی نظر کی ہے یا رب ترے نور کو سمجھیں اغیار تیرا
نہیں وہ جگہ اور نہیں وہ مکاں ہے کہ جس جا نہیں ذکر اذکار تیرا
نظر کو اٹھا کر جدھر دیکھتا ہوں تجھے دیکھتا ہوں نہ اغیار تیرا
الٰہی میں ہوں بس خطاوار تیرا مجھے بخش، ہے نام غفار تیرا

---

[1] مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی: انوار العاشقین: حیدرآباد دکن ۱۹۱۴ء ص ۶۲ تا ۶۸ (سے اقتباس)

الٰہی بتا چھوڑ سرکار تیری — کہاں جائے اب بندہ لاچار تیرا
مرض لا دوا کی دوا کس سے چاہوں — تو شافی ہے میرا میں بیمار تیرا
الٰہی میں سب چھوڑ گھر بار اپنا — لیا ہے پکڑ اب تو دربار تیرا
ہوں ظلماتِ عصیاں سے حسنات روشن — جو ہو ابرِ رحمت نمودار تیرا
کہاں میرے عصیاں، کہاں تیری رحمت — کہاں خس، کہاں بحرِ ذخار تیرا
فنا ہو گیا جو تیری دوستی میں — تو ہے یار اس کا، وہ ہے یار تیرا
الٰہی مجھے ہوش دے اب تو ایسا — رہوں میں سدا مست و میخوار تیرا
نہیں دونوں عالم سے کچھ مجھ کو مطلب — تو مطلوب، میں ہوں طلبگار تیرا
ذرا آپ اپنے میں امداد آ تو — کہ ہے کون تو کیا ہے گفتار تیرا
اٹھا غم، رکھ امید امدادِ حق سے — تجھے غم کیا ہے اے غمخوار تیرا

آپ کے نعتیہ کلام کے چند نمونے ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

کر کے نثار آپ پہ گھر بار یا رسولؐ — اب آ پڑا ہوں آپ کے دربار یا رسولؐ
عالم نہ متقی ہوں نہ زاہد نہ پارسا — ہوں امتی تمہارا گنہگار یا رسولؐ
اچھا ہوں یا برا ہوں غرض جو کچھ ہوں سو ہوں — پر ہوں تمہارا تم مرے مختار یا رسولؐ
کس طرح آ میں کروں خدمت میں حالِ عرض — ہوں خجلتِ گناہ سے سرشار یا رسولؐ
ذات آپ کی تو رحمت و الفت ہے سر بسر — میں گرچہ ہوں تمام خطاوار یا رسولؐ
کر دیجیئے نہ میرے فعلِ بد پر نگاہ تم — کیجو نظر کرم کی بس اک بار یا رسولؐ
جس دن تم عاصیوں کے شفیع ہو کے پیش حق — اس دن نہ بھولنا مجھے زنہار یا رسولؐ
لیجو خدا کے واسطے اس دن مری خبر — عصیاں کا میرے جب کھلے انبار یا رسولؐ

تم نے بھی گر نہ لی خبر اس حالِ زار کی — اب جا کہاں بتاؤ یہ ناچار یا رسولؐ
دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپ کا — کیا غم ہے گرچہ ہوں میں بہت خوار یا رسولؐ
کیا ڈر ہے اس کو لشکرِ عصیاں و جرم سے — تم سا شفیع ہو جس کا مددگار یا رسولؐ
گھیرا ہے ہر طرف سے مجھے درد و غم نے آہ — اب زندگی بھی ہو گئی دشوار یا رسولؐ
ہر آستانہ آپ کا امداد کی جبیں — اور اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسولؐ

۲

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یا رسول اللہ — مجھے دیدار ٹک اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ
کرو روئے منور سے مری آنکھوں کو نورانی — مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہ
اٹھا کر زلفِ اقدس کو ذرا چہرہ مبارک سے — مجھے دیوانہ اور وحشی بناؤ یا رسول اللہ
شفیعِ عاصیاں ہو تم وسیلہ بے کساں ہو تم — تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ
پیاسا ہے تمہارے شربتِ دیدار کا عالم — کرم کا اپنے اک پیالہ پلاؤ یا رسول اللہ
خدا عاشق تمہارا اور ہو محبوب تم اس کے — ہے ایسا مرتبہ کس کا سناؤ یا رسول اللہ
کرم فرماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم — ہمارے جرم و عصیاں پر نہ جاؤ یا رسول اللہ
جہازِ امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں — بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ
مشرف کر کے مجھ کو کلمہ طیب سے اپنے تم — پھر اب نظروں سے اپنی مت گراؤ یا رسول اللہ
پھنسا ہوں بےطرح گردابِ غم میں ناخدا ہو کر — مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ
اگرچہ ہوں نہ لائق، ان کے پر امید ہے تم سے — کہ پھر مجھ کو مدینے میں بلاؤ یا رسول اللہ
حبیبِ کبریا ہو تم امام انبیاء ہو تم — ہمیں بہر خدا حق سے ملاؤ یا رسول اللہ
شراب بےخودی کا جام اک مجھ کو پلا کر اب — دوئی کے حرف کو دل سے مٹاؤ یا رسول اللہ
بہت بھٹکا پھرا میں وادیٔ فرقت میں جوں وحشی — کرم فرماؤ اب تو مت پھراؤ یا رسول اللہ

مشرف کرکے دیدارِ مبارک سے مجھ اک دم — مرے غم دین و دنیا کے بھلاؤ یا رسول اللہ
پھنسا کر اپنے دامِ عشق میں امدادِ عاجز کو — بس اب قیدِ دو عالم سے چھڑاؤ یا رسول اللہ

۳

کہے ہے شوقِ نبی یہ آکر چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا رہبر چلو مدینے چلو مدینے
صبا بھی لانے لگی ہے اب تو نسیمِ طیبہ نسیمِ طیبہ
کہے ہے شوق اب ہوا میں اڑ کر چلو مدینے چلو مدینے
خدا کے گھر میں تو رہ چکے بس عمر بھی ہوئی ہے آخر
مریں گے اب تو نبی کے در پر چلو مدینے چلو مدینے
شہر شہر کیوں پھرے ہے مارا جو دونوں عالم کی چاہیے دولت
تو سر قدم ہو کر ورد یہ کر چلو مدینے چلو مدینے
یہ جذبِ عشقِ محمدی ہیں دلوں کو امت کے کھینچتے ہیں
کہے ہے ہر دل جو ہو کے مضطر چلو مدینے چلو مدینے
جو کفر و ظلم و فساد و عصیاں ہر اک شہر میں ہوئے نمایاں
تو دینِ اسلام اٹھے یہ کہہ کر چلو مدینے چلو مدینے
رجب کے ہوتے ہیں جب مہینے بھرے ہیں شوقِ نبی سے سینے
صدا یہ سکے ہیں کو بکو ہے چلو مدینے چلو مدینے
ہلاکت امداد اب تو آئی جو فوجِ عصیاں نے کی چڑھائی
نجات چاہو تو اے برادر چلو مدینے چلو مدینے

۴

مرا طالعِ خفتہ جاگے یقیں ہے — اگر خواب میں منہ دکھائے محمدؐ
میں اس پر فدا جان اور دل سے قرباں — مرا جان و دل سب فدائے محمدؐ
محمدؐ کی مرضی ہے مرضی خدا کی — خدا کی رضا ہے رضائے محمدؐ
خجل ہو کے خورشید کا رنگ فق ہے — اگر منہ سے پردہ اٹھائے محمدؐ
نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا یقیں ہے — ہوا ہے یہ سب کچھ برائے محمدؐ
عطا کر الٰہی تو اس کی تمنا — کہ ہے رنج بھی خاکپائے محمدؐ [1]

۵

سبز و شاداب گلستانِ تمنا ہووے — کاش مسکن مرا صحرائے مدینہ ہووے
ہند میں گرم تپش یوں دلِ مضطر ہے مدام — دام میں جیسے کوئی مرغ تڑپتا ہووے
مجھ کو بھی روضۂ اقدس کی زیارت ہو نصیب — زہے قسمت جو سفر سوئے مدینہ ہووے
جب کہیں قافلے والے کہ مدینہ کو چلے — شوق میں پھر تو مرا اور ہی نقشا ہووے
ننگے پاؤں وہیں ہو جاؤں میں اٹھ کر ہمراہ — تن میں جامہ بھی نہ سر پہ ہو کہ برہنہ ہووے
یوں چلوں خاک اڑاتا ہوا صحرا صحرا — جیسے جنگل میں بگولا کوئی اڑتا ہووے
گرم جولاں رَوِشِ برق ہو شاداں خنداں — پاؤں پر پاؤں مرا شوق میں پڑتا ہووے
کانٹے تلووں میں چبھیں برگِ گلِ تر سمجھوں — خاک جو اڑ کے پڑے آنکھوں میں سرما ہووے
ایسی صورت سے درِ شاہِ عرب پر پہنچوں — حال جیسے کسی ناچیز گدا کا ہووے
گرد آلودہ بدن خاک ملے چہرہ پر — اک تہ بند پھٹا سا کوئی کرتا ہووے
خار پاؤں میں چبھے بال ہوں سر کے بکھرے — فکرِ سوزن ہو نہ کچھ شانہ کا سودا ہووے

---

[1] حاجی امداد اللہ مہاجر مکی : کلیاتِ امدادیہ و گلزارِ معرفت : کراچی : ص ۲۰۶

باندھ کر ہاتھ کروں عرض بصد عجز و نیاز — خدمتِ شاہ میں جیسے کوئی بردا ہووے
یہ غلام آپ کا حاضر ہے قدم بوسی کو — وصل کا آج اشارہ شہؐ والا ہووے
مری بیتابی و مسکینی پہ رحم آئے ضرور — خود درِ حجرہؐ والائے نبیؐ وا ہووے
دوڑ کر سر قدمِ پاک پہ رکھ دوں اپنا — دھیان کس کو ادب و بے ادبی کا ہووے
کبھی چوموں کبھی آنکھوں سے لگاؤں وہ قدم — خاکِ پا آپ کی ان آنکھوں کا سرما ہووے
گوہرِ اشک نثارِ قدمِ پاک کروں — جز تہی دستی جو کچھ اور نہ تحفا ہووے
اور جب رُوئے مبارک کی تجلی دیکھوں — جلوۂ طور بھی آنکھوں میں تماشا ہووے
سن کے اس شوق کو کہتے ہیں ملائک بھی عجب — فضلِ حق سے تری حاصل یہ تمنا ہووے

۶

اے رسولِ کبریا فریاد ہے — یا محمدؐ مصطفیٰؐ فریاد ہے
آپ کی اُلفت میں میرا یا نبیؐ — حال یہ ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل — اے مرے مشکل کشا فریاد ہے
چہرۂ تاباں کو دکھلا دو مجھے — تم سے اے نورِ خدا فریاد ہے
گردن و پاؤ سے مری زنجیر طوق — یا نبیؐ کیجئے جدا فریاد ہے
قیدِ غم سے اب چھڑا دیجئے مجھے — یا شہؐ ہر دو سرا فریاد ہے

آپ کی فرقت نے مارا یا نبیؐ — دل ہوا غم سے دہ پارہ یا نبیؐ
طالبِ دیدار ہوں دکھلائیے — روئے نورانی خدارا یا نبیؐ
حق تعالیٰ کے تمہیں محبوب ہو — کون ہے ہمسر تمہارا یا نبیؐ
دردِ ہجراں کے سبب مجھ سے کیا — صبر و طاقت نے کنارا یا نبیؐ

باغِ جنت سے ہے افضل لاکھ بار — مجھ کو وہ کوچہ تمہارا یا نبیؐ
مرتے دم گر دیکھ لوں روئے شریف — زندگی ہووے دوبارا یا نبیؐ
لیجئے در پر بلا، کب تک پھروں — دربدر یاں مارا مارا یا نبیؐ
چین آتا ہے مرے دل کو تمام — نام لیتے ہی تمہارا یا نبیؐ

اگرچہ بے خود و مستم و لے ہشیار می گردم
بباطن سشاہ کونینم بظاہر خوار می گردم
چوں دیدم روئے خویش را بہر جائے بہر رنگے
ازیں در بحر و بر و کوچہ و بازار می گردم
عجب بے خود و مستم کہ طرفہ ماجرا این است
کہ دل دارے ببر دارم پئے دل دار می گردم
مرا نافع نخواہد شد نصیحت ناصحا ہرگز
کہ سودائیش بسر دارم نہ من بے کار می گردم
بیا نورِ محمدؐ کن دلِ امدادؔ را روشن
کہ عکس نور بے کیفم پئے انوار می گردم [1]

---

[1] امدادِ صابری : تذکرۂ شعرائے حجاز اردو : دہلی ؛ بلا تاریخ ص ۱۵۲

حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح اور ان کے خلفاء

۱- مولانا رشید احمد گنگوہی رح
۲- مولانا محمد قاسم نانوتوی رح
۳- مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح
۴- مولانا اشرف علی تھانوی رح
۵- مولانا احمد حسن امروہوی رح
۶- مولانا محی الدین خاطر رح
۷- مولانا جلیل احمد رح
۸- مولانا حاجی سید محمد عابد رح دیوبندی
۹- مولانا منظور احمد رح
۱۰- مولانا نور محمد رح
۱۱- مولانا عبد الواحد بنگالی رح
۱۲- مولانا محمد یعقوب نانوتوی رح
۱۳- مولانا محمود حسن شیخ الہند رح
۱۴- مولانا محمد افضل بخاری اکبرآبادی رح
۱۵- مولانا کرامت اللہ دہلوی رح
۱۶- مولانا شرف الحق رح دہلوی
۱۷- مولانا سید امیر حمزہ رح
۱۸- مولانا محب الدین مکی رح
۱۹- مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی رح
۲۰- مولانا عبد السمیع رامپوری بیدل رح
۲۱- مولانا احمد حسن کانپوری رح
۲۲- مولانا عبد اللہ انصاری انبیٹھوی رح
۲۳- مولانا حافظ عبد الرحمن امروہوی رح
۲۴- مولانا فدا حسین دربھنگوی رح
۲۵- مولانا سید ابو القاسم ہنسوی فتحپوری رح
۲۶- مولانا حیدر حسن ٹونکی رح
۲۷- مولانا انوار اللہ حیدرآبادی رح
۲۸- مولانا سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی رح
۲۹- مولانا قاضی محمد اسماعیل منگلوری رح
۳۰- مولانا فتح محمد تھانوی رح
۳۱- مولانا قادر بخش سہسرامی رح
۳۲- مولانا شفیع الدین نگینوی رح
۳۳- مولانا حافظ محمد یوسف تھانوی رح
۳۴- مولانا محمد ابراہیم اجراڑوی
۳۵- حافظ محمد سعد اللہ ہزاروی
۳۶- مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواری
۳۷- مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مرادآبادی رح

۳۸- مولانا منشی محمد قاسم نیانگری رح
۳۹- مولانا فیض الحسن ادیب سہارنپوری رح
۴۰- مولانا بدر الدین پھلواروی رح
۴۱- مولانا حکیم ضیاء الدین سہارنپوری رح
۴۲- مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی رح
۴۳- مولانا خلیل الرحمن مہاجر مکی رح
۴۴- مولانا حافظ محمد احمد قاسمی رح
۴۵- مولانا محمد شفیع اورنگ آبادی رح
۴۶- مولانا عنایت اللہ ملاوی رح
۴۷- مولانا صفات احمد غازی پوری رح
۴۸- مولانا شاہ وارث حسن رح
۴۹- مولانا سید عبد الرحمن کاندھلوی رح
۵۰- مولانا شاہ شرف الدین احمد
۵۱- سید اصغر حسین دیوبندی رح
۵۲- مولانا محمد حسن پانی پتی
۵۳- مولانا محی الدین میسوری
۵۴- مولانا نور محمد (شاید نور احمد)
۵۵- مولانا حکیم زاہد حسن امروہوی
۵۶- شیخ عبد الفتاح لاذقیہ
۵۷- مولانا سید حسین احمد مدنی رح
۵۸- مولوی نیاز احمد جانشین حضرۃ حاجی صاحب -
۵۹- مولانا منور علی مہتمم مدرسہ امدادیہ دربھنگہ
۶۰- اسعد آفندی
۶۱- قاضی مرتضیٰ حسین عاجز حیدرآبادی مہاجر مکی رح
۶۲- مولانا محمد علی مونگیری رح بانی ندوۃ العلماء لکھنو- م ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء
۶۳- مولانا کرامت علی صاحب انبالوی (احوال و آثار شیخ العرب والعجم ص۳۳)
۶۴- مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری رح
۶۵- مولانا سخاوت علی انبیٹھوی رح (احوال و آثار ص۳۳)
۶۶- مولانا عبد الحی چاٹگامی (م ۱۳۴۹ھ) (" ")
۶۷- مولانا شاہ عبد اللہ جلال آبادی (م ۱۳۲۲ھ) (" - ")
۶۸- مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی لکھنوی ناظم ندوۃ العلماء (سابقاً)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

"شیخ، امام، علامہ، محدث رشید احمد بن ہدایت احمد بن پیر بخش بن غلام حسین بن غلام علی بن علی اکبر بن قاضی محمد اسلم انصاری حنفی رامپوری ثم گنگوہی ـــــ محققؒ عالم اور مدقق فاضل تھے۔ صدق، عفاف، توکل، شہامت اور دین پر استقامت میں ان جیسا ان کے زمانہ میں کوئی نہ تھا۔

۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ کو اپنے ننھیال کے ہاں گنگوہ میں پیدا ہوئے۔ اصلاً قصبہ رامپور ضلع سہارنپور کے تھے۔ فارسی کے رسائل اپنے ماموں محمد تقی اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولوی محمد بخش رامپوری سے پڑھیں، پھر دہلی کا سفر کیا اور کچھ اسباق قاضی احمد الدین جہلمی سے پڑھے، پھر شیخ مملوک علی نانوتوی کی خدمت میں پہنچے اور اکثر درسی کتابیں ان سے پڑھیں اور کچھ مفتی صدرالدین دہلوی سے بھی۔ حدیث اور تفسیر کا اکثر حصہ شیخ عبدالغنی اور کچھ احمد سعید بن ابی سعید دہلوی سے پڑھا۔ یہاں تک کہ معقول و منقول میں اپنے معاصرین سے بڑھ گئے اور پھر واپس گنگوہ آئے اور اپنے ماموں محمد تقی کی دختر خدیجہ سے شادی ہوئی، پھر ایک سال میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر طریقت کی تحصیل شیخ اجل امداد اللہ بن محمد امین تھانوی سے کی۔ ان کی خدمت میں رہ کر پھر گنگوہ میں صدارتِ تدریس پر فائز ہوئے۔ اسی دوران ۱۲۷۶ھ میں انگریز حکومت کے خلاف کام کرنے کی پاداش میں

چھ ماہ تک مظفر نگر کی جیل میں رکھے گئے۔ جب کافی ثبوت نہ ملا تو بری کر دیئے گئے۔ پھر ایک زمانہ تک درس و تدریس اور افادہ کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۲۸۰ھ میں حجاز گئے اور اپنے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے ملے، حج کیا پھر مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ وہاں اپنے استاذ شیخ عبدالغنی سے بھی ملے۔ پھر ہند واپس آکر تدریس میں مشغول ہوگئے۔

دوبارہ ۱۲۹۴ھ میں حجاز کا سفر کیا۔ اس مرتبہ آپ کے ہمراہ نیک لوگوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ ان میں مولانا محمد قاسم، شیخ محمد مظہر، شیخ یعقوب، شیخ رفیع الدین، شیخ محمود حسن دیوبندی، مولانا احمد حسن کانپوری اور دیگر حضرات شامل تھے۔ اپنے والدین میں سے کسی ایک کے لئے حج کیا اور پھر ۲۰ روز تک مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ اپنے شیخ عبدالغنی سے ملے اور پھر مکہ مکرمہ واپس آکر پورا ایک مہینہ حضرت حاجی امداد اللہؒ کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کرتے رہے۔ پھر واپس آکر گنگوہ میں تدریس جاری رکھی۔

۱۲۹۹ھ میں پھر حجاز گئے اور اپنے والدین میں سے کسی ایک کے لئے حج کیا۔ مدینہ منورہ گئے، اپنے شیوخ سے مل کر واپس ہند آگئے اور پھر گنگوہ سے ایک دو بار کے علاوہ کبھی کہیں نہیں گئے۔ حجاز کے تیسرے سفر سے قبل فقہ، اصول، کلام حدیث اور تفسیر سبھی علوم کی تدریس کرتے تھے۔ حجاز سے آخری حاضری کے بعد اپنے اوقات صحاحِ ستہ کی تدریس کے لئے فارغ کر لئے۔ ایک سال میں یہ تمام حدیثؒ کی کتابیں پڑھانے کا معمول تھا۔ پہلے ترمذی شریف پڑھاتے۔ اس میں متن اور اسناد کی تحقیق میں پوری توجہ فرماتے۔ پھر ابوداؤد اور صحیح بخاری و مسلم، النسائی، ابن ماجہ کا درس دیتے تھے۔ تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی۔ پھر بھی چند تصانیف تصفیۃ القلوب امداد السلوک، ہدایۃ الشیعۃ، زبدۃ المناسک، ھدایۃ المعتدی، سبیل الرشاد، براہین قاطعہ

اور اختلافی مسائل میں بعض رسائل۔ آپ کے مکتوبات کا بھی ایک مجموعہ آپ کے احباب نے جمع کیا ہے اور فتاویٰ کا مجموعہ تین جلدوں میں ہے۔ آپ کے تلمیذ رشید مولانا محمد یحییٰ ابن اسماعیل کاندھلوی نے جامع ترمذی کے درس میں آپ کے افادات کو لکھ کر "کوکب الدری" کے نام سے طبع کرایا اور اپنی تعلیقات کے ساتھ "لامع الدراری" کے نام سے چھپوایا۔

آپ تقویٰ، اتباع سنت، شریعت پر استقامت، بدعات کے استیصال سنت کے پھیلانے اور شعائر اسلام کے بلند کرنے اور دین کے معاملہ میں کسی کی پروانہ کرنے میں اللہ کی نشانی تھے۔ علم وعمل، مریدین کی تربیت اور تزکیۂ نفوس کی ریاست ان پر منتہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے شاگرد اور خلفاء دیئے کہ اس زمانہ میں ان جیسوں کا وجود بہت کم تھا۔ وہ بھی دین کے معاملہ میں آپ کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

آپ کے کبار خلفاء میں شیخ خلیل احمد سہارنپوری، شیخ محمود حسن دیوبندی، شیخ عبد الرحیم رائے پوری اور شیخ حسین احمد فیض آبادی مدنی ہیں اور مشہور ترین شاگردوں میں شیخ محمد یحییٰ کاندھلوی، شیخ ماجد علی الہانوی اور شیخ حسین علی الوانی اور دیگر حضرات ہیں۔ جمعہ کے دن اذان کے بعد ۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ کو آپ کا وصال ہوا۔[1]

مولانا محمد میاں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ کے رفیق اور مخلص دوست تھے۔ زمانہ طالب علمی سے ساتھ ہوا جو آخر تک قائم رہا۔

---

[1] مولانا حکیم عبد الحی۔ نزہۃ الخواطر، حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۱۴۸ تا ۱۵۲ (ع بی سے اردو)

حجۃ الاسلام علم کلام کے امام ہیں اور حضرۃ امام ربانی فقہ وحدیث کے۔ آپ نے مسائل فقہیہ کو احادیث پر منطبق کر کے درس حدیث کا ایک ایسا طرز قائم فرمایا جو یقیناً بے نظیر اور بہت زیادہ ضروری تھا۔"

حضرۃ علامہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری فرمایا کرتے تھے:

"امام ربانی نہ صرف مذاہب ابو حنیفہ کے ماہر تھے۔ بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو چاروں مذہبوں کا ماہر ہو۔"

یہ دونوں بزرگ ۱۸۵۷ء میں حضرۃ حاجی صاحب (امداد اللہ) کے وزیر اور تحریک کے روح رواں تھے۔ انتظامی تحریک پر امام ربانی گرفتار کئے گئے۔ مگر درحقیقت یہ قدرت کا کرشمہ تھا کہ اس تمام سرگرمی کے باوجود خداوند عالم نے نجات دلا دی۔ ابھی مقدمہ پیش تھا کہ عام معافی کا اعلان ہو گیا۔ تاہم چھ ماہ تک حوالات یا جیل خانہ میں رہنا پڑا۔

جب دار العلوم دیوبند کی تحریک شروع ہوئی تو آپ اس کے سربرآوردہ رکن تھے۔ حضرۃ حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم) کے مشیر خاص تھے۔ ان کی وفات کے بعد دار العلوم کے سرپرست مقرر کئے گئے۔[1]

مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی لکھتے ہیں،

"آپ دار العلوم کے بانیوں میں ہیں اور سربراہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

<u>۱۔ دینی خدمات</u>: علم حدیث، فقہ اور تصوف سے بہت زیادہ شغف رہا۔ ہزارہا انسانوں نے آپ سے استفادہ حاصل کیا۔ آپ نے علماء کی دینی تربیت فرمائی اور انہیں دین کے بارے میں اتنا راسخ اور مستحکم بنا دیا کہ ان افراد پر کوئی بھی فتنہ اثر انداز نہ ہو سکا۔

---

[1] مولانا سید محمد میاں "علمائے حق" مراد آباد۔ ستمبر ۱۹۴۶ء حصہ اول ص ۸۲ تا ۸۳

۲۔ **سیاسی خدمات** ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں حضرت نانوتویؒ کے دوش بدوش قائدانہ حصہ لیا اور نو ماہ تک اسیرِ فرنگ رہے۔ جن لوگوں نے ان سیاسی اور جہادی خدمات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے خواہ اپنی لاعلمی اور معاملات سے بے خبری کی بنا پر یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے ان کی مصلحت اندیشی لایعبأ بہ اور باخبر لوگوں کے نزدیک لغو ہے۔[1]

پروفیسر عبدالقیوم صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا رشید احمد گنگوہی جو مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا مملوک علی نانوتوی اور شاہ عبدالغنی دہلوی کے تلامذہ اور دارالعلوم دیوبند کے بانیوں اور سرپرستوں میں سے تھے۔ اپنے عہد کے ایک عالمِ باعمل اور صوفی تھے۔ آپ نے عربی و اسلامی علوم پر اردو میں بہت کام کیا ہے۔ ۱۹۰۵ء میں آپ کی وفات ہوئی اور براہین قاطعہ، ہدایۃ المھتدی اور سبیل الرشاد وغیرہ آپ کی اہم مؤلفات ہیں"۔[2]

ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں کہ:

"عہد انگلیسی میں یہاں دیوبند اور ندوۃ العلماء یکے بعد دیگرے تعلیم علومِ اسلامیہ و عربیہ کے مرکز بنے۔ مولانا محمد قاسم، رشید احمد گنگوہی، محمود الحسن، اشرف علی تھانوی، شبیر احمد عثمانی، انور شاہ وغیرہ آسمان علم و فضل کے شموس و اقمار تھے، جو دیوبند کے مطلع سے چمکے۔ موجودہ علمائے دیوبندی میں جناب حسین احمد مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن وغیرہ کے

---

[1] مولانا قاری محمد طیب قاسمی دارالعلوم دیوبند۔ دہلی۔ ۱۹۶۵ء ص ۵۶

[2] پروفیسر عبدالقیوم۔ تاریخ ادبیات۔ جامعہ پنجاب ۱۹۷۲ء ص ۴۱۷، ۴۱۸ بحوالہ پاکستان کا معمارِ اول سرسید ص ۳۰

برکات علم و فضل تمام اطراف ہندوستان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ یہی فیض پاکستان میں مفتی محمد شفیع، جناب ظفر احمد اور مولانا احتشام الحق وغیرہ سے جاری ہے۔۔۔ ان سے پہلے ذوالفقار علی دیوبندی ادیب ماہر گزر چکے ہیں جن کا اردو ترجمہ حماسہ وغیرہ کافی مشہور ہے حیدرآباد میں مولانا مناظر حسن بھی ایک بلند پایہ عالم ہیں"۔[1]

دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار مولانا نسیم احمد فریدی لکھتے ہیں:

"رشید احمد گنگوہی مشہور محدث، مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی کے فرزند تھے۔ ان کی پیدائش ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء کو بروز دوشنبہ بوقتِ چاشت قصبہ گنگوہ (ضلع سہارنپور) میں شیخ المشائخ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کی خانقاہ کے متصل مکان میں ہوئی۔ ان کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت ابوایوب انصاریؓ تک اور دادی کی طرف سے گیارھویں پشت میں قطبِ عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے مل جاتا ہے۔

ان کے والد مولانا ہدایت احمدؒ ایک جید عالم تھے اور طریقت میں حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلویؒ سے توسل و تعلق رکھتے تھے۔ ۱۲۵۲ھ میں مولانا ہدایت احمد کا گورکھپور میں انتقال ہوگیا۔ رشید احمد کی عمر اس وقت سات سال کی تھی۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد ان کے دادا نے ان کی تربیت کی۔ ان کی والدہ ایک راسخ العقیدہ، دین دار اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ بچپن ہی سے رشید احمد میں نیکی اور عظمت کے آثار نمایاں تھے۔ وہ بہت خوش الحان تھے۔ انہوں نے فارسی، کرنال میں اپنے منجھلے ماموں مولوی محمد تقی سے پڑھی جو فارسی کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کا شوق ہوا۔ صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں

---

[1] ڈاکٹر زبید احمد: ہندوستان کے علماء اور ان کی عربی تصانیف و تالیف ارمغان علمی لاہور ۱۹۵۵ء ص ۹۵

محمد بخش رامپوری سے پڑھیں۔ صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد انہی کی ترغیب سے علومِ درسیہ کی تکمیل کے لئے ۱۲۶۱ھ میں سترہ سال کی عمر میں دہلی گئے اور وہاں مولوی قاضی احمد الدین جہلمی کی شاگردی اختیار کی۔ اس کے بعد مولانا مملوک علی نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس وقت دہلی کالج (اجمیری دروازہ دہلی) کے مدرسِ اول تھے۔ ۱۲۶۰ھ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی مولانا مملوک علی کے ہمراہ دہلی آگئے تھے۔ یہ بھی ہم سبق ہو گئے اور آپس میں ایسا تعلق پیدا ہوا کہ آخری وقت تک ہر جد و جہد میں رفیق رہے۔ دار العلوم دیوبند کی تاسیس و اہتمام میں بھی باہمی تعاون رہا۔ انہوں نے مفتی صدر الدین سے بھی اکتسابِ علم کیا اور حدیث شاہ عبد الغنی مجددی سے پڑھی۔ درسیات سے فارغ ہو کر انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا۔

تحصیلِ علم کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہ سے تھانہ بھون آئے اور حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی سے بیعت ہوئے۔ انہوں نے کچھ عرصہ وہیں رہ کر اپنے مرشد کی رہنمائی میں تمام منازل سلوک طے کیں اور چاروں سلسلوں کی اجازت و خلافت حاصل کی۔

غلام قادر گرامی نے ان کی شان میں یہ رباعی کہی ہے۔

خاکِ گنگوہ را نوید است رشید — گنجینۂ فقر را کلید است رشید
امداد اللہ مہاجر مکی را — اللہ اللہ عجب مرید است رشید

۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء میں وہ تحریکِ آزادی میں حصہ لینے کے الزام میں گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں رکھنے کے بعد رہا کر دیئے گئے۔ انہوں نے تین مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔

۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء سے ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء تک، صرف چند سال چھوڑ کر، تقریباً پچاس برس انہوں نے گنگوہ میں تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا اور بڑے بڑے ذی استعداد طلبہ نے ان سے سندِ حدیث حاصل کی۔

۱۳۱۴ھ/۱۸۹۵ء کے بعد ان کی بصارت جاتی رہی۔ پھر وفات تک درس و تدریس کی بجائے اصلاحِ باطن اور تربیت مریدین میں مشغول رہے۔

مولانا رشید احمد کی زندگی سراپا سنت تھی۔ انہوں نے درسِ حدیث نبوی کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ ان کے درسِ حدیث سے تین سو سے زائد جید علماء فیض یاب ہوئے جنہوں نے ملک اور بیرونِ ملک میں علمِ حدیث کی اشاعت کی۔ ان میں بڑے بڑے علماء کے نام شامل ہیں۔

سلسلہ طریقت کے خلفاء میں بھی سربرآوردہ علماء کے نام ملتے ہیں۔ مثلاً شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (مدرس اول دار العلوم دیوبند) شاہ عبد الرحیم رائے پوری۔ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی (مؤلف بذل المجہود شرح ابی داؤد) مولانا سید حسین احمد مدنی وغیرہ۔

علامہ محمد قاسم نانوتویؒ اور رشید احمد گنگوہیؒ ۱۸۵۷ء میں شاملی اور تھانہ بھون وغیرہ میں جہادِ حریت کے علمبردار رہے تھے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی سرپرستی میں بڑے بڑے کارِ نمایاں کر چکے تھے۔ برطانوی دور میں وہ خاص طور سے معتوب رہے لیکن خدا نے گزند سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔

مولانا رشید احمد چاروں طریقوں میں بیعت کرتے تھے لیکن عام تعلیم چشتیہ صابریہ طریقے کی تھی (دیکھیے سید حسین احمد مدنی: مکتوبات، ۱: ۲۹۶ مطبع معارف اعظم گڑھ)

۱۲ یا ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ کو وہ نوافل ادا کرنے حجرے میں گئے۔ جہاں پاؤں کی دو انگلیوں کو ناخن سے ذرا نیچے کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا، جس کی شدت سے بخار ہو گیا۔ ہر چند علاج کیا گیا لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور باختلاف روایت ۸ یا ۹ جمادی الآخرۃ ۱۳۲۳ھ/۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو بعد از نماز جمعہ وفات پا گئے۔ تذکرۃ الرشید میں ان کی کم و بیش پندرہ تصانیف کا ذکر آیا ہے۔ (جملہ صحاحِ ستہ پر آپ کی تقریریں ضبط کی گئی ہیں جن

میں سے الترمذی پر الکوکب الدری دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ایک اور تقریر اردو میں النفح الشذی کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔ مکاتیب اور فتاویٰ کے مجموعے بھی ہیں۔

(ماخذ: تذکرۃ رشید ۲: ۲۲۹ تا ۲۳۲ - ۲ - محمد ادریس نگرامی: تذکرۂ علمائے حال صفحہ ۲۱-۲۲ مطبع نول کشور لکھنو، ۱۸۹۷ء - ۳ - عبدالحی: نزہۃ الخواطر ج ۸، ۱۴۸ - عبدالرشید: بیس بڑے مسلمان - لاہور - ۵ - ظفر احمد عثمانی: بسلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمت حدیث، در معارف، اعظم گڑھ جون - ۱۹۴۴ء) نسیم احمد فریدی و ادارہ [1]

فہرست خلفاء مجازین

۱ - مولانا حافظ خلیل احمد انبیٹھوی رحمہ اللہ
۲ - مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
۳ - مولانا حافظ عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ
۴ - مولانا صدیق احمد انبیٹھوی رحمہ اللہ
۵ - مولانا محمد روشن خان مراد آبادی رحمہ اللہ
۶ - مولانا مولوی محمد صدیق مہاجر مدنی رحمہ اللہ
۷ - مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
۸ - مولانا سید احمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ
۹ - مولانا حکیم محمد اسحاق نہٹوری رحمہ اللہ
۱۰ - مولانا حافظ محمد صالح نکودر ضلع جالندھر رحمہ اللہ
۱۱ - مولانا قدرت اللہ مراد آبادی رحمہ اللہ
۱۲ - مولانا عبدالصمد سونی پتی رحمہ اللہ
۱۳ - مولانا حکیم محمد صدیق مراد آبادی رحمہ اللہ
۱۴ - مولانا حافظ محمد یسین نگینوی رحمہ اللہ
۱۵ - مولانا صدیق احمد کاندھلوی رحمہ اللہ
۱۶ - نمبردار الحاج نصیر الحق کاندھلوی رحمہ اللہ
۱۷ - مولانا محمد اکرم صاحب رحمہ اللہ (گڑ سہارنپور)
۱۸ - شیخ عبدالغفور رجے پوری
۱۹ - مولانا مخلص الرحمٰن بنگالی -
۲۰ - مولانا رئیس احمد بنگالی
۲۱ - مولانا ضمیر الدین بنگالی

---

[1] - دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۰، صفحہ ۲۶۶ تا صفحہ ۲۶۹

۲۲ - مولانا عبدالباری بنگالی
۲۳ - قاری محمد ابراہیم بنگالی -
۲۴ - مولانا عبداللطیف بنگالی
۲۵ - مولانا صادق الیقین کرسوی رحمہ اللہ
۲۶ - مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہ اللہ
۲۷ - مولانا داؤد احمد گنگوہی رحمہ اللہ
۲۸ - مولانا قادر علی دہلوی رحمہ اللہ -
۲۹ - مولانا حافظ عبدالرحمٰن پوربی رحمہ اللہ
۳۰ - مولانا بہاء الدین کابلی رحمہ اللہ
۳۱ - مولانا حافظ قمر الدین سہارنپوری رحمہ اللہ
۳۲ - مولانا قاری مغیث الدین ساڈھوری رحمہ اللہ [1]
۳۳ - مولانا محمد عبدالمجید خان پنگنوری رحمہ اللہ [2]
۳۴ - مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ
۳۵ - مولانا عبدالودود چاٹگامی رحمہ اللہ [3]
۳۶ - مولانا فدا حسین دربھنگوی رحمہ اللہ [4]
۳۷ - مولانا سراج احمد رشیدی رحمہ اللہ
۳۸ - مولانا شیخ عبدالحق شاہجہان پوری [5]
۳۹ - مولانا محمد فاروق جالندھری [6]
۴۰ - مولانا شاہ وارث حسن [7]

---

[1] - تذکرۃ رشید ج ۲ صفحہ ۳۰ - [2] آئینہ دانمباڑی صفحہ ۱۲۹ - [3] - مشاہیر صفحہ ۳۴۰
[4] مشاہیر صفحہ ۳۹۵ - [5] - مشاہیر صفحہ ۲۱۰ - [6] - مشاہیر صفحہ ۵۳۷ [7] مشاہیر صفحہ ۶۵۹

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

"برصغیر پاک وہند سے عربی واسلامی علوم کی تاریخ لکھتے وقت ان مایۂ ناز اور بلند ہستیوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، جنہوں نے اردو اور انگریزی کے ذریعہ عربی علوم وادب کی خدمت انجام دی۔ اردو کے ذریعہ عربی واسلامی علوم کی جن لوگوں نے خدمت کی، ان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کا نام سرفہرست ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۸۳۲ء/۱۲۴۸ھ میں ہوئی۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور اور سرسید احمد خان کے ہم جماعت اور استاد بھائی بھی تھے۔ آپ نے مولانا مملوک علی نانوتوی سے مروجہ درسی کتابیں پڑھیں اور شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ آپ نے ہندو پنڈتوں اور عیسائی پادریوں کے ساتھ مناظرے کرکے اسلام کی برتری قائم کر دی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ تحذیر الناس، آب حیات، تقریر دلپذیر، انتباہ المومنین، مباحثہ شاہجہان پور، ہدایۃ الشیعہ اور قبلہ نما آپ کی اہم تصانیف ہیں۔[۱]"

"مولوی محمد قاسم نانوتوی بن شیخ اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی محمد ہاشم نانوتوی ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے۔

---

[۱] پروفیسر عبدالقیوم: تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند: لاہور ۱۹۷۲ء جامعہ پنجاب ج ۲ ص ۲۱۶

ان کا تاریخی نام خورشید حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جدت طبع اور جودت ذہن فطری طور سے ودیعت فرمایا تھا۔ ابتداء میں شیخ نہال احمد نانوتوی[۱] اور مولوی محمد نواز سہارنپوری سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں دہلی پہنچے۔ مروجہ درسی کتابیں مولانا مملوک علی نانوتوی مدرس اول مدرسہ دہلی سے پڑھیں اور حدیث کی سند شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حاصل کی اور تحصیل علوم سے فراغت حاصل کرکے کچھ دنوں مدرسہ انگریزی واقع دہلی سے متعلق رہے۔ پھر اس تعلق کو ترک کرکے مطبع احمدی (دہلی) میں تصحیح کتب کا مشغلہ اختیار کر لیا۔ ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۱ء میں بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ جناب مولوی شیخ حضرۃ حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر نزیل مکہ معظمہ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں مرید ہوکر واپس ہوئے[۲] اور مدرسہ اسلامیہ (دیوبند) کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لی۔ اس کے بعد ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء میں دوبارہ حج بیت اللہ کی زیارت کے لئے گئے۔ پھر وطن واپس آئے اور دہلی میں علوم کی تدریس واشاعت میں مشغول ہوگئے۔ پادری تاراچند کو مذہبی مباحثہ میں خاموش کر دیا۔ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں مقام چاندپور ضلع شاہجہان پور میں ایک مجمع کے سامنے جس کا نام میلہ خداشناسی تھا اور جس میں ہر مذہب کے علما جمع ہوتے تھے۔ صاحب ترجمہ (مولوی محمد قاسم نانوتوی) نے سب کے سامنے علی الاعلان تثلیث وشرک کا ابطال اور توحید کا اثبات اس انداز میں فرمایا کہ حاضرین جلسہ چاہے موافق ہوں یا مخالف سب خاموش اور قائل ہوگئے۔

۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں پنڈت دیانند سرسوتی (بانی تحریک آریہ سماج) سے وجود وتوحید کے متعلق اور عیسائیوں سے تحریف (انجیل) کے متعلق گفتگو ہوئی۔ پنڈت مذکور نے

---

[۱] شیخ نہال احمد دیوبند کے رہنے والے تھے۔ [۲] آپ کی بیعت جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل کی تھی یعنی جس وقت حاجی صاحب پاک وہند میں موجود تھے اور ہجرت نہیں فرمائی تھی۔

خاموشی اختیار کرلی اور عیسائی پادری اپنی کتابیں تک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس سلسلہ میں رسالہ حجۃ الاسلام مشہور ہے۔ اسی سال سہ بارہ زیارت بیت اللہ الحرام سے مشرف ہوئے واپس ہونے کے بعد بخار میں مبتلا ہو گئے۔ جب پنڈت دیانند مذکور نے استقبال قبلہ کے متعلق مسلمانوں پر اعتراض کیا تو عین حالت بیماری میں اس کے جواب میں رسالہ قبلہ نما لکھا۔ بروز پنجشنبہ وقت ظہر چہارم جمادی الاول ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں تپ اور عرض ذات الجنب کے مرض میں انتقال فرمایا۔ ان کے شاگردوں میں مولوی محمود حسن دیوبندی، مولوی فخر الحسن گنگوہی اور مولوی احمد حسن امروہوی مشہور ہیں۔ ان کی تصنیفات سے مندرجہ ذیل کتابیں طبع اور شائع ہو چکی ہیں۔ مجموعہ رسائل قاسم العلوم، مصابیح تراویح، آب حیات، تقریر دلپذیر، مباحثہ شاہجہان پور، ہدایۃ الشیعہ، قبلہ نما۔[1]

علامہ مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔ "۱۲۴۸ھ مطابق ۳۳-۱۸۳۲ء میں قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام خورشید حسن رکھا گیا۔ مشہور نام کا کسی وقت مصلحت سے اخفاء مقصود ہوتا تو بجائے "محمد قاسم" کے فرماتے کہ میرا نام "خورشید حسن" ہے۔[2]

ابھی بچے ہی تھے کہ بعض خاندان والوں کی طرف سے آپ کے والد کو یہ خدشہ ہوا کہ وہ آپ کی معصوم جان کے درپے ہیں۔[3]

چنانچہ آپ کے والد صاحب نے آپ کو نانوتہ سے دیوبند منتقل کر دیا جہاں قدیم رشتہ داریاں تھیں۔ دیوبند میں شیخ کرامت حسین صاحب کے یہاں رکھے گئے۔[4] ابتدائی کتابیں

---

[1] مولوی رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند: کراچی: ۱۹۶۱ء ص ۲۶۶-۶۵

[2] ۳۱۲: مناظر احسن گیلانی: سوانح قاسمی: دیوبند۔ جلد اول ص ۲۷-۱۴۶

[3] " " " " " ص ۱۸۰

گھر کے قیام ہی کے زمانہ میں پڑھ چکے تھے۔ دیوبند میں آکر جب شیخ کرامت حسین صاحب کے یہاں رہنا ہوا تو مولوی مہتاب علی صاحب (یہ حضرۃ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے سب سے بڑے چچا تھے) نے آپ کو عربی شروع کرائی۔[1]

ذہین اور طباع بہت تھے۔ اس لئے دوران درس غیر معمولی محنت کی ضرورت نہ پڑتی بلکہ اسی دور سے اجتہادی شان ظاہر ہوا کرتی تھی۔ دیوبند کے عرصہ قیام میں مولوی مہتاب علی صاحب سے عربی کتابیں پڑھتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اپنے نانا شیخ وجیہہ الدین کے یہاں سہارنپور منتقل ہو گئے۔ نانا خود بھی صاحب علم اور فارسی کے اچھے جاننے والے تھے۔ اردو کے شاعر بھی تھے۔ ان کی صحبت کے علاوہ آپ نے وہاں مولوی محمد نواز سہارنپوری سے فارسی و عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں اچانک سہارنپور میں سخت وبائی بخار پھیل گیا، جس کا شکار ہو کر آپ کے نانا وفات پا گئے۔ اس کے بعد مولانا موصوف سہارنپور سے نانوتہ واپس آگئے کہ وہاں قیام کی اب کوئی سبیل نہ تھی۔ اس کے بعد تقریباً ایک سال تک نانوتہ ہی میں قیام رہا۔[2]

استاذ العلماء مولانا مملوک علی صاحب جو مولانا محمد قاسم صاحب کے رشتہ کے چچا بھی ہوتے تھے۔[3] ان دنوں دلی کی سب سے بڑی درسگاہ دلی کالج میں استاد تھے۔ اس عرصہ میں وہ ایک سال کی رخصت لے کر حج کے لئے گئے تھے۔ واپسی پر انہوں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے کہا کہ میں تم کو اپنے ساتھ دہلی لے جاؤں گا۔[4]

---

[1] مناظر احسن گیلانی: سوانح قاسمی: دیوبند، جلد اول۔ ص ۱۸۶

[2] " " " " " ص ۲۳۰

[3] محمد سرور: مرتب خطبات مولانا سندھی ص ۲۱۴

[4] مولانا مناظر احسن: سوانح قاسمی: دیوبند: ج ۱۔ ص ۲۱۳

والدین کی اجازت کے بعد آپ مولانا مملوک علی صاحب کے ساتھ محرم ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں دلی پہنچ گئے۔ وہاں مولانا مملوک علی صاحب کی نگرانی اور تربیت میں ذوق و شوق کے ساتھ تعلیم حاصل کی۔[1]

حدیث شریف کی سند مولانا شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی سے حاصل کی تحصیلِ علم کے بعد کچھ دنوں دلی کالج میں شغل تدریس اختیار کیا۔ اس کے بعد مطبع احمدی دہلی اور مطبع مجتبائی میرٹھ وغیرہ میں تصحیح کی خدمت انجام دیتے رہے۔ آخر عمر میں دیوبند آگئے اور دارالعلوم دیوبند کی خدمت جی جان سے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء میں وہیں وفات پائی۔[2]

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی حیثیت میں شامل کے میدان میں علمِ جہاد بلند کرنے والوں میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی پیش پیش تھے، بلکہ امیرِ لشکر بھی منتخب ہوئے تھے۔[3]

انتہائی جرأت اور بے جگری کے ساتھ آپ نے دست بدست جنگ کی کنپٹی پر ایک گولی بھی لگی۔ مگر عجیب بات ہے کہ گولی لگنے سے کپڑے تو خون سے تر ہو گئے لیکن چند لمحوں بعد عمامہ اتار کر دیکھا تو کہیں گولی کا نشان تک نہ تھا۔[4]

مولانا موصوف کا ایک قابلِ ذکر کارنامہ یہ ہے کہ ملک میں عیسائی پادریوں کی تبلیغِ عیسائیت کے علاوہ آریہ سماجی شرپسندوں نے بھی سر اٹھا رکھا تھا اور وقتاً فوقتاً اسلام، پیغمبرِ اسلام اور اسلامی احکام و شرائع کو اپنے مطاعن کا نشانہ بنایا کرتے تھے۔ مولانا نانوتوی نے

---

[1] ۔ مولانا مناظر احسن: سوانح قاسمی: دیوبند: ج ۱ ص ۲۱۷

[2] ۔ " " " " ج ۳ ص ۱۳۵

[3] ۔ نسیم قریشی: مرتب علی گڑھ تحریک: ص ۲۱۹

[4] ؛ مناظر احسن: سوانح قاسمی: دیوبند: ج ۲ ۔ ص ۱۶۰

ان ہر دو فتنوں کا مقابلہ کیا اور خوب کیا۔ مولانا کے مناظرانہ نکتے اور لطائف آج بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ پنڈت دیانند سرسوتی، پادری تارا چند اور دوسرے عیسائی اور آریہ سماجی مناظرین کو مختلف مقامات پر شرمناک شکست دی۔[1]

"مذکورہ بالا کارنامہ کے علاوہ حضرۃ نانوتوی کا سب سے عظیم الشان کارنامہ وہ ہے، جس نے رہتی دنیا تک ان کے نام کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ ہماری مراد قیام دارالعلوم دیوبند سے ہے۔ مولانا نانوتوی کو بانیٔ دارالعلوم تسلیم کرنا گو محلِ نظر ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعد کی عظیم الشان شکل کا تصور بانیٔ اوّل کے دماغ میں نہ تھا۔ یہ تصور تمام تر مولانا نانوتوی کا رہینِ منت ہے۔ دارالعلوم کو شہرت اور ترقی اور ایک معمولی مدرسہ سے عظیم الشان دارالعلوم کی شکل مولانا موصوف ہی کی کوششوں سے نصیب ہوئی۔ انہوں نے جب اس کا کام اپنے ہاتھ میں لیا تو پھر مر کر ہی اس سے جدا ہوئے۔[2]"

شاعری | آپ اردو اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ زیادہ تر کلام حمد و نعت پر مشتمل ہے

صوفیانہ مسلک | آپ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور تکمیلِ سلوک کے بعد چاروں سلسلوں میں ان کے مجاز ہوئے۔

اپنے شیخ کی نظر میں | حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تحریر فرماتے ہیں:

"جو آدمی کہ اس فقیر سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے، مولوی رشید احمد صاحب سلمہٗ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہٗ کو جو تمام کمالات علوم ظاہری اور باطنی کو جامع ہیں، بجائے میرے بلکہ محبت بڑھ کر جانے۔ اگرچہ معاملہ برعکس ہے وہ بجائے میرے اور میں بجائے ان کے ہوتا۔

---

[1] ۔ مولوی رحمن علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۶۶، ۱۶۵ بحوالہ شیخ الہند مولانا محمود حسن ص ۱۲۳

[2] ۔ ڈاکٹر اقبال حسن: شیخ الہند مولانا محمود حسن ۔ علی گڑھ ۱۹۰۵ء ص ۱۲۴

ان کی صحبت غنیمت جاننی چاہیے۔ ان جیسے آدمی اس زمانہ میں نایاب ہیں[1]"

مزید لکھتے ہیں: "اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ کیا لے کر آیا؟ تو مولوی رشید احمد اور مولوی محمد قاسم کو پیش کر دوں گا کہ یہ لے کر آیا ہوں[2]"

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۸۸۰ء)

"افسوس ہے کہ جناب ممدوح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء کو ضیق النفس کی بیماری میں بمقام دیو بند انتقال فرمایا۔ زمانہ بہتوں کو رو رہا ہے اور آئندہ بھی بہتوں کو روئے گا۔ لیکن ایسے شخص کے لئے رونا جس کے بعد اس کا کوئی جانشین نظر نہ آوے نہایت رنج و غم اور افسوس کا باعث ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ دلی کے علماء میں سے بعض لوگ جیسے کہ اپنے علم و فضل اور تقویٰ اور ورع میں مشہور و معروف تھے۔ ایسے ہی نیک مزاجی اور سادہ وضعی اور مسکینی میں بے مثل تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ جناب مولوی اسحاق کے کوئی شخص ان کی مثل ان تمام صفات میں پیدا ہونے والا نہیں۔ مگر مولوی محمد قاسم مرحوم نے اپنی کمال نیکی اور دینداری اور تقویٰ اور ورع اور مسکینی سے ثابت کر دیا کہ اس دلی کی تعلیم و تربیت کی بدولت مولوی محمد اسحاق صاحب کی مثل ایک اور شخص کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے، بلکہ چند باتوں میں ان سے زیادہ ہے۔

ابھی بہت سے لوگ زندہ ہیں جنہوں نے مولوی محمد قاسم صاحب کو نہایت کم عمری میں تعلیم پاتے دیکھا۔ انہوں نے جناب مولوی مملوک علی سے تمام کتابیں پڑھی تھیں۔ ابتداہی

---

[1] حاجی امداد اللہ صاحب: ضیاء القلوب: ص ۲

[2] مولانا عاشق الٰہی: تذکرۃ الرشید: ج ۲ ص ۲۲

سے آثار تقویٰ اور ورع اور نیک بختی اور خدا پرستی کے اُن کے اوضاع اور اطوار سے نمایاں تھے اور یہ شعر ان کے حق میں بالکل صادق تھا ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

زمانۂ تحصیل علم میں جیسے کہ وہ ذہانت اور عالی دماغی اور فہم و فراست میں معروف و مشہور تھے۔ ویسے ہی نیکی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہل فضل و کمال تھے۔ ان کو جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی کی صحبت نے اتباع سنت پر بہت زیادہ راغب کر دیا تھا اور حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت نے ان کے دل کو ایک نہایت عالی رتبہ کا دل بنا دیا تھا۔ خود بھی پابند شریعت تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی پابند سنت و شریعت کرنے میں زائد از حد کوشش کرتے تھے۔ باایں ہمہ عام مسلمانوں کی بھلائی کا ان کو خیال تھا ان ہی کی کوشش سے علوم دینیہ کی تعلیم کے لیے نہایت مفید مدرسہ دیو بند میں قائم ہوا اور ایک نہایت عمدہ مسجد بنائی گئی۔ علاوہ اس کے اور چند مقامات میں بھی ان کی سعی اور کوشش سے مسلمانی مدرسے قائم ہوئے۔ وہ کچھ خواہش پیر و مرشد بننے کی نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہندوستان میں اور خصوصاً اضلاع شمال و مغرب میں ہزار ہا آدمی ان کے معتقد تھے اور ان کو اپنا پیشوا و مقتدا جانتے تھے۔

مسائل خلافیہ میں بعض لوگ ان سے ناراض تھے اور بعضوں سے وہ ناراض تھے مگر جہاں تک ہماری سمجھ ہے ہم مولوی قاسم مرحوم کے کسی فعل کو خواہ کسی سے ناراضی کا ہو، خواہ کسی سے خوشی کا ہو، کسی طرح ہوائے نفس یا ضد یا عداوت پر محمول نہیں کر سکتے۔ ان کے تمام کام اور افعال جس قدر کہ تھے بلا شبہ للّٰہیت اور ثواب آخرت کی نظر سے تھے اور جس بات کو وہ حق اور سچ سمجھتے تھے اس کی پیروی کرتے تھے۔ ان کا کسی سے ناراض ہونا صرف خدا کے لیے

تھا اور کسی سے خوش ہونا بھی صرف خدا کے واسطے تھا۔ کسی شخص کو مولوی محمد قاسم صاحب اپنے ذاتی تعلقات کے سبب اچھا یا برا نہیں جانتے تھے۔ مسئلہ حُبّ للّٰہ اور بغض للّٰہ خاص ان کے برتاؤ میں تھا۔ ان کی تمام خصلتیں فرشتوں کی سی خصلتیں تھیں۔ ہم اپنے دل سے ان کے ساتھ محبت رکھتے تھے اور ایسا شخص جس نے ایسی نیکی سے اپنی زندگی بسر کی ہو بلاشبہ نہایت محبت کے لائق ہے۔

اس زمانہ میں سب لوگ تسلیم کرتے ہوں گے کہ مولوی محمد قاسم اس دنیا میں بے مثل تھے۔ ان کا پایہ اس زمانہ میں شاید معلوماتی علم میں شاہ عبدالعزیز کے کچھ کم ہو۔ اِلّا اور تمام باتوں میں ان سے بڑھ کر تھا۔ مسکینی، نیکی اور سادہ مزاجی میں اگر ان کا پایہ مولوی اسحاق سے بڑھ کر نہ تھا، تو کم بھی نہ تھا۔ وہ درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے شخص تھے۔ اور ایسے آدمی کے وجود سے زمانے کا خالی ہو جانا ان لوگوں کے لئے جو ان کے بعد زندہ ہیں نہایت رنج اور افسوس کا باعث ہے۔

افسوس ہے کہ ہماری قوم بہ نسبت اس کے کہ عملی طور پر کوئی کام کرے زبانی عقیدت اور ارادت بہت زیادہ ظاہر کرتی ہے۔ ہماری قوم کے لوگوں کا یہ کام نہیں ہے کہ ایسے شخص کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد صرف چند کلمے حسرت اور افسوس کے کہہ کر خاموش ہو جائیں۔ یا چند آنسو آنکھ سے بہا کر اور رومال سے پونچھ کر چہرہ صاف کر لیں۔ بلکہ ان کا فرض ہے کہ ایسے شخص کی یادگار کو قائم رکھیں۔

دیوبند کا مدرسہ ان کی ایک نہایت عمدہ یادگار ہے اور سب لوگوں کا فرض ہے کہ ایسی کوشش کریں کہ وہ مدرسہ ہمیشہ قائم اور مستقل رہے اور اس کے ذریعے سے تمام قوم کے دل پر ان کی یادگاری کا نقش جما رہے۔[1]

---

[1] سرسید احمد خاں۔ علی گڑھ گزٹ۔ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۸۸۰ء

مرثیّہ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانیٔ دار العلوم دیوبند

یا قاسم الخیر من للعلم والدین — اذا ارتحلت و ارشادٍ وتلقین

یا قاسم الخیر من للطارقین ومن — للضارعین مکروب ومحزونٍ

یا قاسم الخیر اسمع من لکربتنا — یا قاصم الضیر قل من للمساکینِ

من للمدارس من للوعظ من لهدیٰ — من للنکات توضیح وتبیینِ

من للشریعة أو من لطریقة او — من للحقیقة اذا رسیت فی الطینِ

رحلت عنا ولم یوجد عدیلك فی — العلوم والفضل من عرب الی الصینِ

یا عین جودی بدمعٍ غیر منقطعٍ — علی الذی حل من مدحٍ وتابینِ

کهف الوریٰ حجة الاسلام مرشدهٗ — نجم الهدایة رجم للشیاطینِ

بحر العلوم امام الکون اکرمه — مبارك الاسم والزیتون والتینِ

لقد مضیٰ صاحبی من فی مصیبته — برئت من ذکر اسلاءٍ وتسکینِ

من لی بصدرٍ عن الاحزان منقطعٍ — من لی بقلبٍ بصبرٍ غیر مقرونِ

الیك صبری فشیئ لیس یشغلنی — عن الخلیل الا یا سلوتی بینی

وکیفما ستروه فی التراب ولا — یکون للشمس من سترٍ وتدفینِ

وهون البین انی لاحق بکم — اذا ارتحلتم وان احیی الی حینِ

سقی الاله ضریحًا انت ساکنه
ویرحم الله من یدعو بتامینٍ[1]

---

[1] حضرۃ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مرثیہ حضرۃ نانوتویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی، ج ۲، ص ۱۶۹، ۱۱۱۰ء

مولانا سرسید احمد خاں کی نظر میں | سرسید احمد خاں مرحوم مدرسہ دیوبند کی سالانہ رپورٹ پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں: "کیا وجہ ہے کہ ان لوگوں نے مدرسہ عربی دیوبند میں جس میں بجز مسلمانی کے اور کچھ نہیں ہے کیوں مدد نہیں کی۔ حقیقت میں مسلمانوں پر نہایت افسوس ہے کہ ایسے مدرسہ میں بھی جیسا کہ دیوبند کا عربی مدرسہ ہے اور جس میں جناب مولوی محمد قاسم صاحب سا فرشتہ سیرت شخص نگران ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحب سا شخص مدرس ہے کچھ مدد نہ کریں۔ دیکھو اس کا سبب صرف یہی ہے کہ ہماری قوم کی تعلیم و تربیت اچھی نہیں ہے، تمام رپورٹ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ خود اپنے پر یا مسلمانوں کی ہمدردی پر قائم نہیں ہے بلکہ صرف ایک شخص کی ذات پر اس کا مدار ہے۔ مولوی محمد قاسم درحقیقت نہایت بزرگ و نہایت نیک مادرزاد ولی ہیں۔ تمام ضلع سہارنپور اور میرٹھ اور مظفر نگر میں لوگ ان کو مصداق اس حدیث کا کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیل سمجھتے ہیں۔ دوسرا بڑا سبب مولوی محمد یعقوب صاحب کا ہے جو مدرس اول اس مدرسہ کے ہیں اور انہوں نے صرف پینتیس روپیہ ماہواری مدرسہ سے لینا قبول کیا ہے اور قناعت و زہد سے اس قدر قلیل میں اوقات بسر کرتے ہیں اگر وہ نہ ہوں تو کیا دوسرا شخص اس قلیل مشاہرہ پر ان علوم کو پڑھانے کو ملے گا جو اس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ پس یہ مدرسہ صرف ان بزرگوں کی دعا پر قائم ہے۔ مولوی محمد قاسم صاحب کس کس کو اپنا سا بنا لیں گے اور آج تک کتنے آدمیوں کو انہوں نے اپنا سا بنا لیا۔ شبلی و جنید تو اپنا سا کسی کو نہ بنا سکے تو یہ کیونکر توقع ہو سکتی ہے کہ ہزاروں مسلمان ایسے ہی دنیات آزاد ہو جاویں گے، جیسے مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم تھے یا جیسے کہ مولوی محمد قاسم صاحب ہیں"[۳]

---

[۳] محمد اسماعیل پانی پتی (مرتب) مقالات سرسید لاہور ۱۹۶۲ء حصہ ہفتم ص ۲۰۹ تا ۲۸۵ سے اقتباسات

مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بارے میں سردار احمد[۱] لکھتے ہیں:

"آخر میں مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندی کے پاس آگیا اور چند روز میں ان تمام اعتراضوں کا جو میرے دل میں کھٹکتے یا وسوسہ ڈالتے تھے عقلی جواب پا کر میں نے اپنی تسلی کر لی۔ مولوی صاحب موصوف بڑے بے نفس اور پاک خیالات کے تھے۔ جس مسئلہ کو وہ حل کر چکتے تھے تو میری تعجب بھری نگاہوں کو دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں، یہ میرے علم اور عقل کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ میں تو سابقہ علماء کا خوشہ چین ہوں پھر وہ مجھے ان کی بحثیں دکھلاتے تھے۔۔۔ جن سے میرا یقین اور بھی بڑھ جاتا تھا"[۲]

---

[۱] میرا پہلا نام پرتاپ سنگھ اور حال کا نام احمد ہے۔ مجھے بحالت مجسٹریٹی سردار احمد لکھنا پڑتا ہے" ان کے والد کا نام ماہتا سنگھ، جائے سکونت موضع موکل تحصیل چونیاں ضلع لاہور ہے۔ تمام مذاہب پر تحقیق کرنے کے بعد تیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء میں بمقام امرتسر مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے سامنے اسلام کا اظہار کیا۔ اس سے پہلے ۱۸۷۲ء میں لکھنؤ، مطرا، گنج اور اجودھیا اور پراگ راج تیرتھوں میں تقریباً سات آٹھ ماہ پھرتے رہے۔ جن مسائل میں شکوک و شبہات تھے وہ پنڈتوں اور علماء سے پوچھتے رہے۔ وہ خود لکھتے ہیں "مگر مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندی جیسے متبحر عالم پائے ویسا کوئی نہ پایا" سردار احمد۔ ڈپٹی کلکٹر، گنجینۂ ہدایت لاہور ۱۹۱۵ء ص ۱۰

[۲] سردار احمد، گنجینۂ ہدایت۔ لاہور۔ ۱۹۱۵ء ص ۲

مولانا خلیل الرحمٰن مہاجر مکیؒ

مولوی[1] خلیل الرحمٰن صاحب کے والد مستری لوتی رڑکی کے ایک مشہور و معروف شخص تھے جو نہر گنگ میں ملازم تھے۔ بہت باوقار اور حکام رس تھے اور صاحبِ جائیداد بھی تھے مولوی خلیل الرحمٰن صاحب کا ہندوانی نام ناہر سنگھ تھا جو ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۵ء کو رڑکی میں پیدا ہوئے۔ جب سات سال کے ہوئے تو ان کے باپ نے رامپور کے ایک نامور مولوی عبد السمیع کو رامپور سے بلا کر ان کی تعلیم کے لئے مقرر کیا۔ مولوی صاحب کی کوشش سے انہوں نے اس چھوٹی عمر میں ایسی قابلیت حاصل کر لی تھی کہ دیکھنے والے تعجب کرتے تھے۔ تیرہ یا چودہ سال کی عمر ہوئی۔ مولوی صاحب جامع مسجد میں نماز پڑھانے جایا کرتے تھے تو یہ بھی ان کے ہمراہ جاتے تھے اور نماز کے متعلق سوالات کرتے تھے کہ اس کا مقصد کیا ہے، مولوی صاحب سمجھاتے ہم تو اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کرتے ہیں، تم بھی کچھ کرتے ہو۔ انہوں نے بتایا کہ میں بھی اپنے مذہب کا بہت پابند ہوں غسل کرکے اور کپڑے اتار کر چوکے پر کھانا کھاتا ہوں۔ پوجا پاٹ کرتا ہوں۔ سالگرام کو سر نواتا ہوں مولوی صاحب نے ان کو سمجھایا کہ یہ خالق کی عبادت نہیں۔ پتھروں کو پوجنا سراسر غلط ہے شوالوں اور مندروں میں جو بت رکھے ہوئے ہیں وہ کس طرح معبود ہو سکتے ہیں۔ وہ تو ایسے بے بس اور مجبور

---

[1] ۔ تذکرہ امداد صابری صاحب کی کتاب "تذکرۂ شعرائے حجاز اردو" سے لیا گیا ہے۔

ہیں کہ جسم پر کمی بیٹھ جائے تو اس کو بھی نہیں اڑا سکتے۔ دوسروں کو کیا نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں ان باتوں کو سن کر ناہر سنگھ متاثر ہوا اور اس کے دل میں اسلام کی محبت جاگزیں ہوئی۔

ایک روز ناہر سنگھ نے ایک نابینا بھگت سے ہندو دھرم کے متعلق کچھ معلوم کیا اس نے ایسے بے سروپا حیا سوز اور خلافِ عقل قصے ان کو سنائے جس سے ناہر سنگھ کا دل اپنے دھرم سے متنفر ہو گیا۔ بہت غور و خوض کے بعد ان کی طبیعت نے فیصلہ کیا کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔ چنانچہ ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۵۹ء کو تیرہ سال کی عمر میں اپنے استاد سے استدعا کی تو انہوں نے کلمہ پڑھا کر ان کو مسلمان کیا اور احکامِ دین بتلائے اور خلیل الرحمٰن نام رکھا۔ مولوی صاحب کے مکان میں چھپ کر نماز پڑھنے لگے اور قرآن شریف بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ جب ماہِ رمضان آئے تو ان کو بڑی پریشانی ہوئی۔ یہ روزہ رکھتے تھے۔ گھر میں ان کو روزانہ نیا حیلہ تراشنا پڑتا تھا۔ کبھی کہتے پیٹ میں درد ہے، کبھی کہتے بھوک نہیں ہے، دیر میں کھاؤں گا۔ جب کھانے کا وقت ہوتا تو باپ کی موجودگی میں آنکھ بچا کر لقمے منہ سے نکال کر لوٹے میں ڈال دیتے۔ کبھی گود میں جمع کرکے بدرو میں پھینک دیتے ان باتوں سے گھر والے ان کو شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

ایک روز حسبِ معمول مولوی صاحب کے مکان میں وضو کرکے نماز پڑھ رہے تھے، ان کا ماموں پہلے سے ہمسائے کے مکان میں چھپ گیا اس نے جب یہ نظارہ دیکھا تو وہ آگ بگولا ہو گیا اس نے وہاں سے جا کر تمام حالات سے ان کے والد کو آگاہ کیا۔ ماں باپ اور تمام رشتے دار ان کے دشمن ہو گئے استاد کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔ اب ان پر مصیبتوں کا دروازہ کھل گیا۔ ان کا نہ کوئی ہمراز، نہ رفیق نہ کوئی مونس و شفیق تھا۔ ماں باپ مخالف، عزیز و اقارب مخالف اور تمام فضا مخالف تھی جس طرف بھی آنکھ اٹھا کر دیکھیے مخالفت کا طوفان نظر آتا تھا۔ ہر طرح کی سختی ہوتی تھی۔ کبھی پیار و محبت سے سمجھایا جاتا کبھی تہدید و تخویف سے دھمکایا جاتا اور وہ ماں جو پہلے محبت کے ساتھ گود میں بٹھا کر پیار کرتی تھی، زہر بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ وہ باپ جو پہلے اپنے ہونہار لختِ جگر کی دلداری کو

اپنا فرضِ اولین سمجھتا تھا، خلاف ہو گیا۔ خلیل الرحمٰن کو ماں باپ کے غیظ و غضب کا بھوت آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ڈراتا تھا۔ ایسی حالت میں اگر امدادِ غیبی دستگیری نہ کرے تو پختہ کار انسان کا پائے ثبات بھی لغزش میں آ جائے۔ ان کو عجیب مشکل اور کشمکش کا سامنا تھا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کا منظر سامنے تھا۔

اسی زمانے میں ایک رات نہایت مایوسی و غم و الم میں خلیل الرحمٰن صاحب کی آنکھ لگ گئی۔ خواب میں ایک نورانی چہرے والے حسین و جمیل نوجوان کو دیکھا، جن کے چہرے سے سروری اور سرداری ٹپک رہی تھی۔ ان کا نام پوچھا تو امداد اللہ بتلایا، ہاتھ پکڑ کر چل دیئے اور سرعت کے ساتھ ایسے مقام پر پہنچے جس کا طواف ملائکہ و انسان کر رہے تھے۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہ شہر مکہ ہے اور یہ جگہ اس مالک کی ہے جس نے تمام زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اسی کو خانہ کعبہ اور بیت اللہ کہتے ہیں۔

قطبِ دوراں کی توجہ اور رب العالمین کے گھر کی زیارت سے ان کے قلب میں اسلام کے نور نے گھر کر لیا اور ایسا استحکام حاصل ہوا کہ آئندہ صدہا مصائب کے جھیلنے پر بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوئی۔ اس زیارت سے قبل ان کو اسلام سے محبت تھی، اب اسلام سے عشق ہو گیا اور یہ حالت جنون تک پہنچ گئی۔

خلیل الرحمٰن صاحب کے والد نے ایک روز اس کی ماں سے کہا کہ اس لڑکے سے ہم بے اولاد رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں، کاش یہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ اپنے اور پرایوں میں بدنامی ہو رہی ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس کو زہر دے کر ختم کر دیا جائے، تاکہ مزید بدنامی اور بے عزتی سے بچ جاؤں۔ ماں کی مامتا اور محبت نے بیٹے کو زہر دے کر مار ڈالنا گوارا نہیں کیا۔ اس نے کہا میں سوچ کر جواب دوں گی۔ پھر اپنے بیٹے کو علیحدگی میں سمجھایا کہ بیٹا تیرا باپ تیری جان کا دشمن ہو گیا ہے۔ اگر تیری زبان پر اسلام کا نام آیا تو تیری جان کی خیر نہیں ہے۔ دوسرے روز اس کی ماں نے باپ کو یہ مشورہ دیا کہ بجائے اس کو مارنے کے اس کو اتنے کاموں میں لگا دیا جائے کہ اس کو کسی سے ملنے یا دوسرے خیالات میں الجھنے کی مہلت اور فرصت نہ ملے۔ چنانچہ ان کے والد نے ایک انگریزی پڑھانے والا ہندو ماسٹر مقرر کیا جو صبح سے دس بجے تک انگریزی پڑھاتا۔ اس کے بعد کالج میں جا کر عصر تک نقشہ و نمائش کا کام سیکھنے لگا۔ رات کے وقت ایک ہندو حساب والا آکر حساب پڑھانے لگا۔ اس طرح یہ تمام دن پڑھنے میں لگے رہتے اور کسی سے ملنے جلنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ آہستہ آہستہ انہوں نے اپنے حساب پڑھانے والے کو بھی اپنے راستے پر لانا شروع کیا۔ چنانچہ اس کے دل میں بھی اسلام کی حقانیت بیٹھ گئی اور اس نے بھی دینِ حق قبول کیا اور دونوں ملکر خفیہ نماز پڑھنے لگے۔

ایک دن باپ نے علیحدہ تنہائی میں لے جا کر محبت و پیار سے پوچھا کہ بیٹا سچ بتا تو کیا چاہتا ہے۔ کس مذہب کو اچھا سمجھتا ہے اور کس مذہب کو تو پسند کرتا ہے وہ مجھے بتلا دے۔ خلیل الرحمٰن نے کہا کہ آپ مجھ کو بلاوجہ تنگ کرتے ہیں۔ میں اپنے مذہب کو اچھا سمجھتا ہوں، نہا کر چوکے میں کھانا کھاتا ہوں، آپ مخالفوں کے بہکانے میں آجاتے ہیں۔ اس جواب سے باپ بہت خوش ہوا اور کچھ دن امن چین سے گذرے۔

ایک روز مکان کے بالائی حصے پر اپنے ذوق و شوق میں امام زین العابدین کے حسبِ ذیل اشعار پڑھتے جاتے اور زار و قطار روتے جاتے تھے، جن کے دو شعر یہ تھے ؎

ان فلت یا ریح الصبا الی الارض الحرم

اے بادِ صبا اگر کسی روز تیرا گذر مدینہ منورہ میں ہو

بلغ سلامی روضة فیها النبی المحترم

تو روضہ نبی محترم پر میرا سلام شوق عرض کر دیجئے

من خده بدر الدجیٰ من وجهه شمس الضحیٰ

آپ کے رخسار چاند کی طرح منور اور چہرۂ مبارک آفتاب کی طرح روشن ہے

من ذاته نور الهدیٰ من کفه بحر الهمم

آپ نورِ ہدایت ہیں اور آپ دریائے سخاوت ہے

اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت ان کے باپ نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب یہ اشعار سنے تو بہت ناراض ہوئے اور خوب مارا اور پہرہ مقرر کر دیا کہ کسی سے ملنے نہ پائے۔

چند روز کے بعد ایک بزرگ رڑکی میں تشریف لائے۔ انہوں نے ان کو خفیہ اطلاع بھیجی۔ ان کا قلب بے چین ہو گیا۔ غالباً مولوی عبد السمیع رامپوری تھے۔ انہوں نے پہرے میں سے نکل کر ان سے ملاقات کی۔ ادھر باپ نے ان کی تلاش کی۔ یہ ایک پنڈت کے مکان میں جا بیٹھے اور اس کو سمجھا دیا۔ باپ نے پہرہ دار کو ڈانٹا اور ان کی تلاش ہوئی۔ پنڈت کے ہاں پہنچے تو اس سے معلوم کیا۔ اس نے بتایا کہ یہ لڑکا کافی عرصے سے میرے پاس آتا ہے اور میری باتیں بہت شوق سے سنتا ہے۔ باپ نے خوش ہو کر اپنے مکان پر بلا کر کئی رات تک کتھا پڑھوائی۔ جب پنڈت کتھا پڑھتا تھا تو خلیل الرحمٰن درود شریف کا ورد کرتے تھے۔

ایک روز خلیل الرحمٰن صاحب کو ان کے والد ایک جوتشی پنڈت کے پاس لے گئے۔ اس نے بہت غور سے ان کو دیکھا اور زائچہ سے معلوم کر کے کہا کہ تم اس لڑکے سے بالکل بے فکر رہو یہ ہرگز مسلمان نہ ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو تم میری ناک کاٹ لینا۔ باپ نے خوش ہو کر اس کو بہت کچھ دیا۔

خلیل الرحمٰن صاحب کے واقعے کا شہرہ عام ہو گیا تھا۔ ہر جگہ کے مسلمان ان سے ملنے کے لئے بےتاب تھے۔ ایک روز مولانا محمد قاسم، مولانا سعادت علی اور مولانا فیض الحسن رڑکی میں تشریف لائے۔ پوشیدہ طور پر ان کو اطلاع کرائی۔ یہ ان سے ملے۔ ان حضرات نے ظاہری و باطنی طور سے ان کی تسلی و تشفی کی اور ہمت و استقامت کی تلقین فرمائی۔

ایک روز باپ نے علیحدہ لے جا کر ان کے پاؤں میں پگڑی رکھ دی اور کہا بیٹے اپنی حرکت سے باز آ۔ میری آبرو نہ کھو، کم از کم اتنا تو کر کہ جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک اپنے مذہب کو ظاہر مت کر۔ انہوں نے باپ سے مصلحتہ کہہ دیا کہ میں اب ایسا نہ کروں گا۔ باپ نے کہا اچھا میرے سامنے سورج دیوتا کو ہاتھ جوڑ لے تو آپ نے صاف انکار کر دیا اور باپ جل بھن کر رہ گیا۔

اس واقعے کے چند روز کے بعد ایک شب کو بالاخانہ پر خلیل الرحمٰن صاحب کتاب سراج السالکین پڑھ رہے تھے۔ باپ نے ان کو سونے کے لئے نیچے بلایا۔ آپ نے اس خیال سے کہ باپ اوپر نہ آ جائے اپنی مذہبی کتب اور قرآن مجید میز میں رکھ کر قفل لگا دیا۔ مگر جلدی میں کتاب سراج السالکین باہر

میز پر رہ گئی۔ صبح کے وقت ان کے باپ بالاخانہ پر چلے گئے۔ اس کتاب کو دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے اپنے چھوٹے بیٹے سے پوچھا کہ یہ کس کی کتاب ہے۔ اس نے بڑے بھائی کو بچانے کے لئے کہہ دیا کہ مسلمان منشی کی ہے۔ باپ نے منشی کو بلا کر پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔ باپ نے کتاب کو چولہے میں ڈال دیا وہ جل کر خاک ہو گئی اور خلیل الرحمٰن صاحب کو بہت زدوکوب کیا۔ پھر ان کے باپ نے میز کھلوانے کے لئے کہا۔ انہوں نے چابی ہاتھ میں لے کر کہا دیکھ لو میز خالی ہے۔ اس میں کچھ بھی نہیں ہے ساتھ ہی درود شریف دم کرتے جاتے تھے۔ باپ کا جب غصہ ختم ہوا تو اس نے خلیل الرحمٰن سے کہا کل پیدل موضع چھوڑ جانا وہاں بخاری کا کام سیکھنا۔ ہندوؤں میں رہ کر تیرا دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔ چنانچہ دوسرے روز چھوڑ لے گئے اور ان کو ہندو کاریگروں کے سپرد کر دیا اور تاکید کی کہ اس کو رات دن کام میں لگائے رکھنا اور کسی مسلمان سے بات چیت نہ کرنے دینا۔ اس ہدایت پر ان کاریگروں نے پورا عمل کیا۔ اکثر کفر و شرک کی باتیں سناتے۔ رات کو یہ لوگ جب سو جاتے تو یہ چپکے سے نکل کر نہر گنگ پر جاتے اور وہاں دن بھر کی قضا نمازیں ادا کرتے اور زار و قطار رو کر دعا مانگتے کہ بارالٰہ یہ میرا باپ جو کچھ مجھ پر زیادتی کر رہا ہے، تجھ پر سب روشن ہے۔ اے بے کسوں کے والی اے بے سہارا لوگوں کے مددگار تیری امداد کے بھروسے پر زندہ ہوں۔ اس مصیبت زدہ قیدی کی فریاد سن لے اور غیب سے امداد فرما۔

کچھ دنوں کے بعد ایک روز خلیل الرحمٰن کے باپ موضع آصف نگر اپنا کام دیکھنے کیلئے گیا۔ نہر کے پل سے واپس آ رہا تھا تو جھوکے سے پل پر سے نیچے گر گیا۔ نہر بند تھی اس لئے جان بچ گئی۔ مگر سر پھٹا، ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ نیم مردہ کو چارپائی پر ڈال کر لائے۔ علاج ہوا، تو ہوش میں آیا۔ تو اس نے کہا کہ میرے بیٹے کو چھوڑ سے بلا لاؤ۔ زندگی کی توقع نہیں ہے۔ اس کو دیکھ لوں۔ چنانچہ خلیل الرحمٰن چھوڑ کی سے بلایا۔ انہوں نے باپ کی خدمت کرنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ رفتہ رفتہ صحت مند ہو گئے لیکن خلیل الرحمٰن صاحب پر سختی کرنی بند نہیں کی اور ان کو ایک بڑے مشہور پنڈت کے سپرد

کر دیا۔ یہ پنڈت نہایت ہوشیار تھا اور بڑا انسان تھا۔ ان کو رات دن نصیحتیں کرتا رہتا تھا اور ان سے مذہبی مباحثے بھی شروع کر دیتا، مگر خلیل الرحمٰن صاحب مباحثے میں اکثر غالب رہتے تھے۔

اس پنڈت نے ایک جادوگر جوگی کو بلایا، تاکہ وہ اپنے جادو کے زور سے ان کے خیالات بدل دے۔ چنانچہ جادوگر اپنے منتر پڑھتا اور ان پر پھونکتا۔ لیکن یہ درود شریف پڑھ کر اس کا اثر زائل کر دیتے تھے۔ غرض جب وہ ناکام ہو گیا اور اس کا کوئی حملہ کارگر نہ ہوا تو ایک روز خلیل الرحمٰن صاحب کو اپنے ہمراہ ایک جنگل میں لے گیا اور ان سے پوچھا اے لڑکے سچ بتا تو کیا ہنر جانتا ہے کہ میرا منتر تجھ پر نہیں چلتا۔ خلیل الرحمٰن صاحب نے جواب دیا کہ مجھے حبس دم اور پاس انفاس کی مشق ہے۔ جب اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہوں تو فقط دلدار باقی رہ جاتا ہے۔ اس نے پوچھا دلدار کا نام کیا ہے۔ انہوں نے بتایا اس کا نام دلدار ہی ہے، پھر لاحول پڑھ کر جوگی پر دم کیا۔ جوگی کانپ اٹھا۔ شہر میں جا کر پنڈت سے کہا کہ اس لڑکے کی کرتب میں بڑا زور ہے، میرے منتر کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔

انہی دنوں میں رمضان شریف ختم ہوئے، صبح کو عید ہونے والی تھی خلیل الرحمٰن صاحب نے باپ سے کہا کل عید ہے۔ تمام مسلمان عیدگاہ میں جمع ہوں گے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک معبود ہے اور ہندوؤں کے کافی بھگوان ہیں۔ جو ہر خوشنما، خوفناک اور زبردست چیز کی پوجا کرنے لگتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ یہ سب باہم متفق نہیں ہو سکتے۔

خلیل الرحمٰن کا باپ ان کی باتیں سن کر کباب ہو گیا۔ جس قدر مارا جا سکا خوب ہی مارا اور کہا دوسرے مذہب کا پربت ہو اور اپنا رائی کے دانے کے برابر۔ تو اپنے ہی مت کو اچھا اور بڑا سمجھتے ہو جس نے دھرم بدلا، اس نے باپ بدلا۔

اسی عرصہ میں خلیل الرحمٰن صاحب کی ہمشیرہ کی شادی قریب آگئی۔ ان کے باپ نے دوستوں سے مشورہ کیا کہ باہر سے بارات آئے گی۔ خلیل الرحمٰن دن بدن اسلام کی طرف رجوع ہو رہا ہے اس کی وجہ سے بدنامی کا خوف ہے۔ اگر اہلِ بارات کو اس سے ملنے کا موقع مل گیا تو بہت ممکن ہے کہ بارات

والے لڑکی کو چھوڑ جائیں اور میری بے عزتی ہو۔ اس لئے میرا یہ ارادہ ہے کہ اس کو موضع دھنوری بھیج دوں وہیں مقید رہے۔ دوستوں نے ان کی رائے کی تائید کی اور خلیل الرحمٰن صاحب کو موضع دھنوری میں قید کر دیا۔ بارات کی واپسی کے بعد میں بھی قید ہی میں رکھا۔

یہ خبر شہر میں پھیل گئی تو رڑکی کے مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوا تو خلیل الرحمٰن صاحب کے نام سے جنٹ مجسٹریٹ کے پاس مندرجہ ذیل درخواست روانہ کی:

"ہماری عادل اور مہربان گورنمنٹ برطانیہ نے ہر شخص کو مذہبی آزادی عطا کی ہے۔ فدوی عرصے سے مسلمان ہو چکا ہے مگر اس روشنی و انصاف کے زمانے میں مجھ پر میرا باپ مسمی لوتی مستری ساکن رڑکی طرح طرح کے جور و ظلم کر رہا ہے۔ اب موضع دھنوری میں قید کر دیا ہے۔ کمزور اور نیم مردہ کرنے کو دونوں ہاتھوں میں فصد کر دی اور قتل کا ارادہ ہے۔ اگر جلدی خبر نہ لی گئی تو میرا زندہ رہنا محال ہے۔ سن لینا کہ غریب خلیل الرحمٰن نو مسلم، سابق تاہر سنگھ بیمار ہو کر چل بسا۔ فوری احکام ہی اس قیدی کی جان بچا سکتے ہیں۔ واجب تھا عرض کیا ——— ۷ر نومبر ۱۸۶۴ء

اس درخواست پر صاحب جنٹ بہادر نے پولیس کو حکم دیا کہ فوراً باپ کو گرفتار کرو اور بیٹے کو قید سے نکال کر حاضر کرو۔ چنانچہ پولیس دھنوری پہنچی۔ دونوں کو گرفتار کیا۔ باپ نے پولیس والوں کو پیسہ بھر دیا اور علیحدہ ہو گیا۔ بیٹے کو پولیس جنٹ صاحب کے سامنے لے گئی۔ ان سے دریافت کیا کہ تم شادی میں کیوں شریک نہیں ہوتے۔ تمہارے باپ نے تم کو دھنوری میں کیوں قید کیا تھا اور تمہارے ہاتھوں میں کیوں فصد کرائی تھی۔ خلیل الرحمٰن صاحب نے باپ کو بچانے کے لئے بیان دیا کہ والد صاحب شادی کے انتظام میں تھے۔ میں ان کے سرکاری کام کی دیکھ بھال میں رہا۔ نہ مجھے قید کیا، نہ میرے ہاتھوں میں کسی نے فصد کھولی، نہ میں نے کوئی درخواست شکایت کی لکھی۔ یہ سب شکایتیں غلط ہیں۔

جنٹ صاحب نے کہا ہم کو تمہارا سب حال معلوم ہو گیا ہے۔ آئندہ سے تم کو ہر قسم کی آزادی ہے کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا۔ ان کے باپ کو بلایا گیا۔ ان کو تنبیہ کی کہ اگر تم نے اپنے لڑکے کو کسی قسم

کی تکلیف پہنچائی تو تمہارے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔ اس وقت تمہارے بیٹے نے — بیانوں سے تم کو بچا لیا۔

اس واقعہ کے پندرہ روز کے بعد ایک پنڈت نے رات کو خواب میں دیکھا کہ خلیل الرحمٰن کے ہاتھ میں ایک خوبصورت چاندی کی تختی ہے۔ جس پر سنہرے حرفوں میں کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ لکھا ہوا ہے۔ محبت سے لوگ جمع ہیں اور اس تختی کو بڑے شوق سے دیکھ رہے ہیں۔ صبح ہوئی تو پنڈت نے یہ خواب اپنے احباب سے بیان کیا اور قاضی فصیح الدین صاحب کے پاس جا کر کہا کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے۔ مستری لوتی کا بڑا لڑکا جلد مسلمان ہو جائے گا۔

دوسرے روز علی الصبح مسلمان دوستوں کے اصرار پر خلیل الرحمٰن صاحب نے جامع مسجد میں فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ باپ کو خبر ہوئی تو ان کو بلا کر سختی کے ساتھ پیش آیا اور ان سے دریافت کیا کہ میں نے سنا ہے کہ تو آج صبح مسجد میں گیا تھا۔ سچ بتا تیرے دل میں کیا ہے۔ اگر جھوٹ بولے گا تو جان سے مار ڈالوں گا۔ انہوں نے کہا کہ میں آج شام تک اس بات کا صحیح جواب دوں گا۔ ان کا باپ خاموش ہو گیا۔ اس نے خود غسل کیا اور اپنے لڑکے کو بھی غسل کرایا۔ خلیل الرحمٰن صاحب نے غسل کرتے ہوئے یہ نیت کر لی تھی کہ یہ غسل اسلام میں داخل ہونے کا ہے۔ ان کے والد کھانے سے فارغ ہوئے تو چپڑاسی آیا کہ مہر والے صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔ یہ چپڑاسی کے ساتھ چلا گیا۔ خلیل الرحمٰن صاحب کو موقعہ مل گیا۔ صاف ستھرا لباس پہن کر جامع مسجد رڑکی میں پہنچ گئے اور ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۴ء کو ۱۹ سال کی عمر میں آپ نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

اس اعلان کے بعد آپ مسلمانوں میں رہنے لگے۔ ۱۸۶۴ء سے ۱۹۰۰ء تک یعنی ۳۶ سال تک ہندوستان میں رہے۔ دارالعلوم دیوبند میں تحصیل علوم کیا۔ حجاز مقدس میں جا کر حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور خاندانِ چشتیہ صابریہ کے اذکار و اشغال میں ریاضات و مجاہدات کر کے روحانیت میں مدارج علیہ حاصل کئے۔

عشقِ رسول اللہ میں مولود شریف اور نعت اس شوق اور خوش الحانی اور وارفتگی سے پڑھتے تھے کہ سننے والے آج تک یاد کرتے ہیں۔ آپ کی میلاد کی محفلوں میں جم غفیر ہوتا تھا۔ حاضرین پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ مریدین اور معتقدین کا حلقہ کافی وسیع تھا۔ آپ مداحِ نبیؐ تھے۔ نعت میں والہانہ اور عاشقانہ کلام کہتے تھے اور آپ کی زبان سے جو بھی کلام نکلتا تھا خلوص و محبت میں ڈوبا ہوا نکلتا تھا۔

مولانا فتح محمد تھانویؒ

"شیخ، عالم، فقیہ، فتح محمد حنفی تھانوی نیک فقہاء میں سے تھے۔ ولادت اور نشو و نما تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں ہوئی۔ علم کی تحصیل میں لگ گئے۔ اکثر کتابیں ملّا محمود دیوبندی، شیخ یعقوب بن مملوک علی نانوتوی سے اور کچھ مولانا قطب الدین حنفی دہلوی اور مولانا عبدالرحمٰن پانی پتی اور شیخ احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری سے پڑھ کر تکمیل کی۔ پھر شیخ امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی۔

حلیم، متواضع، زاہد، عابد اور بہترین مجوّد تھے۔ جب مجمعوں میں قرآن مجید پڑھتے تو دلوں کو کھینچ لیتے تھے اور پڑھنے والوں کے ساتھ نہایت لطف و مہربانی سے پیش آتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے اور مختلف علوم کی تدریس کرتے تھے۔ ان کی خصوصیات میں ایک بات یہ ہے کہ زندگی بھر انہوں نے پیدل ہی سفر کیا۔ کسی سواری پر کبھی سفر نہیں کیا۔ میں نے ان سے کچھ حصہ اصول الشاشی اور کچھ حصہ شرح جامی کا کانپور میں پڑھا ہے۔ ستر سال کی عمر میں ۱۳۲۲ھ کو تھانہ بھون میں وفات پائی[1]

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"اسی زمانہ کے آس پاس آپ (مولانا حکیم عبدالحی حسنی) نے کچھ عرصہ کانپور میں بھی قیام

---

[1] مولانا حکیم سید عبدالحی : نزہۃ الخواطر، حیدر آباد دکن : ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۳۵۲ - (عربی سے اردو)

کیا۔ اس وقت (حکیم الامت) مولانا اشرف علی صاحب جامع العلوم پٹکاپور میں صدر مدرس تھے۔ آپ نے مولانا سے کچھ حصہ اصول الشاشی کا اور کچھ حصہ شرح جامی اور قطبی کا پڑھا۔ یہیں آپ نے مدرسہ جامع العلوم کے دوسرے استاد مولانا فتح محمد صاحب تھانوی سے بھی شرح شافیہ اور اصول الشاشی کا کچھ حصہ پڑھا۔"[1]

---

[1] مولانا ابوالحسن ندوی: حیات عبدالحی، دار المصنفین دہلی - ۱۹۷۰ء ص ۵۴، ۵۵

علامہ سید عبدالرحمٰن کاندھلویؒ

"آپ سید رستم علی کاندھلوی کے فرزند تھے۔ علم و فضل میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ محمد مرتضیٰ خان نے آپ کو علامۂ عصر سے یاد کیا ہے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بعد حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت ہونے والے جلیل القدر علماء میں سب سے پہلے آپ کا ذکر کیا ہے[1]۔

حضرۃ حاجی صاحب نے خلافت و اجازت بیعت سے بھی سرفراز فرمایا[2]۔

اتباع شریعت، مشتبہات سے احتراز اور شانِ تقویٰ کا اس سے اندازہ ہوگا کہ مولانا کے چچا سید امام علی نے جو پولیس میں داروغہ تھے، مولانا کے مکان سے ملا کر اپنا مکان بنایا تو مولانا نے اس گلی سے گزرنا چھوڑ دیا۔ طویل فاصلہ طے کرکے دوسری طرف سے مسجد وغیرہ جاتے تھے لوگوں کے اصرار پر فرمایا کہ "چچا پولیس میں داروغہ ہیں، انھوں نے اس کی تعمیر میں رشوت کا پیسہ بھی لگایا ہوگا۔ اس لئے میں اس کے سائے سے بھی احتیاط کرتا ہوں۔"

مولانا کی عجیب و غریب کرامات بیان کی جاتی ہیں؛

---

[1] محمد مرتضیٰ خان: شمائم امدادیہ، قیوم پریس کانپور، ۱۳۱۴ھ ص ۲۷ و امداد المشتاق ص ۲۱۷۔

[2] مولانا محمد اشرف تھانوی، امداد المشتاق . . . ص ۲۴۹۔

مولانا عبدالرحمٰن کے مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے بھی خصوصی روابط تھے۔ مولانا احمد علی کی شائع کردہ تفسیر بیضاوی (جلد ثانی احمدی دہلی ۱۲۷۱ھ) کے آخر میں ان کی کہی ہوئی تاریخ طبع بھی شامل ہے۔

مولانا کو کئی بار زیارت حرمین کی سعادت حاصل ہوئی ۱۲۷۷ھ میں حجاج کے اس عظیم تاریخی قافلے میں بھی شامل تھے، جس میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ مولانا سید عابد حسین دیوبندی، مولانا عبدالسمیع بیدل رامپوری اور رامپور کے مبت سے افراد کے علاوہ مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا نور الحسن کاندھلوی مع زائد از صد نفر خاندان و قصبہ کاندھلہ شریک تھے۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے اپنے روزنامچہ میں کئی جگہ مولانا عبدالرحمٰن کا ذکر کیا ہے۔ اس سفر میں آپ ۲۹ ذیقعدہ ۱۲۷۷ھ/۹ جون ۱۸۶۱ء کو مکہ معظمہ پہنچے۔

مولانا کی وفات کے متعلق ان کے خاندان کے معمر ترین فرد منشی صدیق علی صاحب کا بیان ہے کہ مکہ معظمہ میں حضرۃ حاجی صاحب کی حیات میں وصال ہوا[1]۔

---

[1] نور الحسن راشد: تبرکات، کاندھلہ مظفر نگر، ۱۹۷۶ء ص ۱۷۸، ۲۹

حضرۃ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ

نام ونسب | آپ کا تاریخی نام مختار احمد (۱۲۹۴ھ) عرفی نام میم شاہ، اصل نام اصغر حسین ہے۔ والد صاحب کا نام محمد حسن ہے۔ خاندان سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت | آپ کی بسم اللہ آپ کے نانا میاں جی شاہ منا صاحب نے کرائی۔ فارسی کی تعلیم آپ نے والد صاحب سے حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ | پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل کرا دیئے گئے۔ وہاں مولانا محمد یٰسین صاحب اور مولانا منظور احمد صاحب سے فارسی کی تکمیل کی۔

۱۳۱۰ھ میں فارسی کی تکمیل کے بعد دارالعلوم کے شعبۂ عربی میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۰ھ میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں مولانا حبیب الرحمٰنؒ، مولانا حافظ محمد احمد قاسمی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا غلام رسول ہزاروی کے نام آتے ہیں۔

تدریس | ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ مسجد اٹالہ جون پور کے صدر مدرس بنا کر بھیجے گئے۔ جہاں آپ ۱۳۳۰ھ تک تدریس کرتے رہے۔ اسی سال اپنے استاذ حضرۃ شیخ الہندؒ کے ارشاد پر ماہنامہ "القاسم" دیوبند میں بطور مدیر کام کرتے رہے۔

۱۳۳۰ھ میں بطور مدرس دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوا اور آخر وقت تک بطور مدرس اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

حج | آپ نے ۱۳۳۰ھ میں پہلا، ۱۳۴۵ھ میں دوسرا اور ۱۳۵۰ھ میں تیسرا حج ادا کیا۔

صوفیانہ مسلک | آپ شاہ عبداللہ صاحب عرف میاں جی شاہ منا (آپ کے والد کے حقیقی ماموں) کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ ان سے آپ کو اجازت بیعت حاصل ہوئی۔ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی آپ کو خلافت ملی تھی۔ آپ مادرزاد ولی کے نام سے مشہور تھے۔

وصال | ۲۲ محرم ۱۳۶۴ھ / ۸ جنوری ۱۹۴۵ء یوم دوشنبہ بوقت آذان ظہر آپ کا وصال ہوا اور رانڈیر کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کی عمر ۷۰ سال ۲ ماہ ۱۲ یوم کی ہوئی۔

تصانیف | ۱۔ فتاویٰ محمدی مع شرح (۲ حصے)

۲۔ رحمت رضوان۔ حضرۃ امام ابو حنیفہؒ کے حالات وفضائل مع دلچسپ حکایات علمیہ واصلاح وجواب اعتراضات۔

۳۔ مسافر آخرت مع ضمیمہ مفیدہ جدیدہ۔

۴۔ کلیاتِ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (ترتیب)

۵۔ گلزار سنت۔ اس میں کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے، لباس، نکاح وغیرہ تمام باتوں میں طریقہ سنت بتایا گیا ہے۔

۶۔ نصیحۃ المخلصین مع شجرات اصغریہ۔

۷۔ عہد نامہ جدید مع اسمائے حسنہ۔

۸۔ خواب شیریں۔

۹۔ الجواب المتین باحادیث سید المرسلین۔ ۱۵۰ سوالات کے جواب صحیح اور صاف حدیث سے دیئے گئے ہیں۔ معاملات، عبادات، متفرقات ہر قسم کے مسائل اس میں موجود ہیں۔

۹۔ طہور المسلمین ۔ تیمم کے بیان میں عام فہم اور مفصل رسالہ ہے۔

۱۰۔ فرحتہ الصائمین ۔ اس میں رمضان المبارک کے متعلق تمام ضروری اور بہت مفید مسائل شب قدر و اعتکاف، صدقہ فطر اور نماز عید کا مفصل ذکر ہے۔

۱۱۔ تعبیر صادق ۔ اس میں حدیث شریف سے خواب کے حالات و حکایات عجیبہ بیان کیئے گئے ہیں۔

۱۲۔ مولوی معنوی ۔ حضرۃ مولانا رومؒ کی سوانح عمری نہایت صاف اور سلیس طرز اور عمدہ ترتیب سے لکھی گئی ہے۔

۱۳۔ تعبیر نامہ ہر دو حصہ ۔ حضرۃ محمد بن سیرین کے تعبیر نامہ کا خلاصہ مع فوائد و زوائد، مفید، کار آمد اور قابل دید ہے۔

۱۴۔ ملفوظات اصغریہ ۔ مسلمانوں کو دین کی طرف رغبت دلانے والا مفید رسالہ۔

۱۵۔ حیات خضر علیہ السلام ۔ آپ کے متبرک حالات کو حدیث و تفسیر و تاریخ کی معتبر کتابوں سے جمع کیا گیا ہے۔

۱۶۔ علم الاولین ۔ ہر کام کی ابتدا کرنے والے کو اس میں بیان کیا گیا ہے اور آخر میں ضروری مسائل۔

۱۷۔ القول المتین فی الاقامۃ والتاذین ۔ آذان کی ابتدا، اس کی حقیقت اور فضائل اور نہایت کار آمد اور مفید مسائل ۔ مسجد نبوی کی تعمیر کا مفصل حال، رسول پاک کے چار موذنوں کا ذکر۔

۱۸۔ چہل حدیث ۱۹۔ نیک بیبیاں

۲۰۔ تقویم شرعی یعنی اسلامی جنتری۔ ۲۱۔ دست غیب (کسب معاش پر)

۲۲۔ ارشاد النبی یعنی گلزار حدیث ۔ مختصر احادیث نبویہ کا عام فہم ترجمہ۔

۲۳۔ رفیق سفر۔

۲۴۔ حاشیہ سراجی، جو در حقیقت سراجی کی ایک بہترین شرح ہے۔

۲۵۔ حیات شیخ الہند ۔ بڑا سائز ۔ صفحات ۲۰۰ [1]

---

[1] تفصیل کے لئے حیات مولانا سید اصغر حسین مطبوعہ دیو بند کا مطالعہ کیا جائے۔

شاہ شرف الدین احمد

مولانا شاہ معین احمد فاروقی ندوی اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

"ستمبر ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوا ۔ ابتدائی تعلیم گھر کے مکتب میں حاصل کی اور ابتدائی عربی و فارسی وطن میں اپنے نانا شاہ شرف الدین صاحب مرحوم سے پڑھی ۔ مرحوم اکابر علمائے دیو بند کے فیض یافتہ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے مرید اور مجاز بیعت اور عالم مرتاض تھے۔

میرا وطن اودھ کا مشہور قصبہ رودولی ضلع بارہ بنکی ہے [1]"

---

[1] محمد عبد اللہ خاں خویشگی ۔ بوستان قلم، کراچی : ۱۹۶۲ء ص ۱۰۵

منشی محمد قاسم نیانگریؒ

مولانا انوار الحسن شیرکوٹی لکھتے ہیں:

"منشی محمد قاسم نیانگری کو ان کے تزکیۂ نفس اور مجاہدے اور ریاضت اور عبادت کے بعد اپنی خلافت انہیں عطا فرمائی - اللہ تعالیٰ جسے یہ مرتبہ عطا فرمائے -

منشی محمد قاسم کچہری میں منشی نظر آتے ہیں - لیکن مرشد کامل (مولانا محمد یعقوب نانوتوی) کی بدولت خلافت سے سرفراز ہوئے - اپنے آپ خلافت دینے کے باوجود اپنے مرشدِ کامل حضرۃ حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی تحریر فرمایا ہے کہ آپ اپنی طرف سے بھی اجازت خلافت عطا فرما کر سرفراز فرمائیے - چنانچہ ایک خط میں منشی محمد قاسم صاحب کو حاجی صاحبؒ اور اپنی طرف سے خلافت کی اجازت کے بارے میں لکھتے ہیں:

بخدمت برادر عزیز القدر منشی محمد قاسم صاحب زاد اللہ فیضہٗ

بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائیں، اس سال جو عریضہ عرب کو حضرۃ مخدوم العالم جناب حاجی امداد اللہ صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں معروض ہوا تھا اس میں تمہارا ذکر بھی تحریر کیا تھا اور یہ استدعا کی تھی کہ حضرۃ کے نزدیک اگر مناسب نظر آوے ان کو اجازت سلسلۂ پیران جاری کرنے کی ہو جاوے اور خلافت اسلاف کرام سے عزت بخشی ہو جاوے چنانچہ اب جواب اس عریضے کا حضرۃ نے تحریر فرمایا اور اجازت لکھی، عبارت مخدوم کی یہ ہے:

"میاں محمد قاسم نیانگری کا حال جو تم نے لکھا تھا معلوم ہوا کہ مرد نیک اور مستعد اذکار و اشغال میں ہیں۔ فقیر کو بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجازت دی جاوے اور ہدایت کی جاوے کہ خلاف شریعت سے بچیں اور اپنے طالبین کو مسائل فقہ ضروریہ اور تصحیح عقائد اہل سنت تعلیم کریں اور اوامر شریع کے اوپر مستقیم رہیں اور ممنوعات اس کے سے بچتے رہیں اور حسب استعداد طالب کو ذکر اور اشغال کی تلقین کریں۔"

اب احقر تحریر کرتا ہے کہ اس خدمت کو اپنے حق میں نعمتِ عظمیٰ تصور فرما کر اوراد و اذکار و اشغل میں بقدر طاقت و فرصت خود بھی مشغول رہو اور جو کوئی طالب نام خدا کا ہو اس کو بھی تاکید کرو۔ عجب نہیں کہ رحمتِ الٰہی جوش فرمائے اور تمہاری بدولت ہم جیسے ناکارہ روسیاہ بھی فائز مقصود اصلی اور واصل مقصود حقیقی ہو جاویں۔ باکریماں کارہا دشوار نیست۔

(مکتوبات یعقوبی مکتوب ۶۳ ص ۱۲۳)

اس تحریر سے واضح ہے کہ منشی محمد قاسم نیانگری کو مولانا یعقوب نے خلافت عطا فرمائی اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے بھی انہیں[1] اجازت عطا فرمائی۔

---

[1] : مولانا انوار الحسن شیرکوٹی؛ سیرت یعقوب و مملوک، کراچی؛ ۱۹۷۴ء ص ۱۱۴ تا ۱۱۶

حافظ محمد سعد اللہ ہزارویؒ

قرآن مجید حفظ کر کے پھر علومِ دینیہ کی تحصیل اپنے ماموں قاضی محمود سے کی۔

ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی لکھتے ہیں:

"میاں محمد حنیف کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور چار صاحبزادے طبعی عمر کو پہنچے۔ ان میں حافظ محمد سعد اللہ سب سے بڑے تھے۔ قرآن مجید کے حافظ تھے اور امورِ دین میں آگاہی تام رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے ماموں کے ہاں گڑھی افغاناں (پنج کٹھہ) چلے گئے تھے۔ علوم شریعت میں اپنے ماموں کے شاگرد اور طریقت میں خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور حافظ محمد سعد اللہ ایک ہی دن حضرت خواجہ کی خدمت میں اکٹھے حاضر ہوئے تھے ایک ہی دن ان دونوں کو خلافت ملی۔ سفرِ حج بھی اکٹھے ہی طے کیا اور چشتیہ صابریہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے حجاز میں اجازت بھی ایک ساتھ ہی لی۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب سے خاص انس تھا حافظ محمد سعد اللہ نے ہمیشہ اپنے مسلک کو شریعت حقہ کے تابع رکھا۔ ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا۔"[لہ]

لہ۔ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی: تاریخ ہزارہ، لاہور۔ ۱۹۶۹ء ص ۳۶۰

حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہیؒ

آپ ۱۲۷۰ھ کو مولانا عنایت اللہ سندیلوی[لہ] کے گھر بمبئی میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے متصل ہو کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے دو بھائی اور تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی ترتیب پر نام رکھے گئے تھے۔ سب سے بڑے بھائی کا نام (مولوی) عبداللہ تھا۔ منجھلے خود (مولانا عبدالرحمٰن) اور چھوٹے (حافظ) عبدالرحیم تھے۔ پانچ چھ سال کے تھے کہ اپنی بہن کے ہمراہ مکہ معظمہ چلے گئے اور وہاں اپنے بہنوئی (عبدالعزیز ساجتی) کے پاس رہے۔ مکہ مکرمہ میں ایک حافظ عبدالرحمٰن[لہ] تھے ان سے قرآن مجید حفظ کیا۔ حفظ قرآن کے بعد پہلی محراب مسجد الحرام میں سنائی۔ ۱۲۹۰ھ میں وہاں سے واپس بمبئی آگئے۔

۱۲۹۲ھ تا ۱۲۹۷ھ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ترمذی شریف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ان کے آخری دور میں پڑھی۔ حضرت نانوتویؒ کے وصال کے بعد دیوبند سے مراد آباد آگئے

لہ آپ کے والد سندیلہ میں ۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے یہیں آبائی وطن تھا۔ شباب میں وطن کو خیرباد کہہ کر بمبئی میں سکونت اختیار کر لی یہاں وہ ریاست بھوپال کی طرف سے محافظ حجاج تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوبؒ، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، نواب صدیق حسن خاں وغیرہم حج کو جاتے وقت ان کے ہاں ہی ٹھہرتے تھے۔ ان کا ۱۳۰۲ھ میں بمبئی میں انتقال ہوا۔

لہ حافظ صاحب نگینہ کے باشندے تھے۔ عبدالرحمٰن کی معلم الحجاج انہیں کے پوتے ہیں۔

اور یہاں حضرۃ مولانا احمد حسن امروہیؒ سے ۱۳۰۱ھ میں سند الفراغ حاصل کی۔

گنگوہ میں حضرۃ مولانا رشید احمدؒ سے بھی حدیث پڑھی[1]۔ بھوپال میں قاضی محمد ایوب اور حضرت حسین بن محسن یمنی خزرجی سے جو بیک واسطہ علامہ شوکانیؒ کے شاگرد تھے، سندِ حدیث حاصل کی۔

تدریس | فراغت کے بعد مدرسہ شاہی مرادآباد میں چند سال تدریس کی۔ پھر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ سے تعلق ہو گیا اور اپنے استاذ حضرۃ مولانا احمد حسنؒ کے وصال کے بعد ۱۳۳۰ھ سے مستقل طور پر صدر مدرس، شیخ الحدیث والتفسیر کے منصب پر فائز ہوئے۔ درمیان میں چند ماہ ریاست مینڈھو میں، پھر ڈابھیل اور دارالعلوم دیوبند میں درسِ حدیث دیتے رہے۔ پھر امروہہ آ گئے اور آخر وقت تک باوجود ضعیفی کے درس قرآن و حدیث دیتے رہے۔ آپ کے بارے میں قاری محمد طیب قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

"حضرۃ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ۔ آپ حضرۃ مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تفسیر کے بعض اسباق حضرۃ نانوتویؒ سے بھی پڑھے۔ ان دونوں بزرگوں کے فیوض سے آپ کے اوپر حدیث، فقہ اور تفسیر وغیرہ کے اسباق میں متکلمانہ رنگ غالب تھا۔ جگہ جگہ حضرۃ نانوتویؒ کے علوم کا حوالہ بھی دیتے تھے اور انہیں وضاحت کے ساتھ بیان بھی فرماتے تھے۔ امروہہ میں ایک عرصہ تک درس دیا اور آخر میں کچھ عرصہ جب کہ ۱۳۶۲ھ میں حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ گرفتار کر لئے گئے، تو دیوبند میں بھی بعہدہ صدر مدرسی درسِ حدیث دیا ہے"[2]

وصال | ۲۴ جمادی الاخری ۱۳۶۷ھ کی صبح کو یہ آفتاب علم و عرفان اپنی پوری پوری تابانیوں

---

[1] : مولانا حافظ محمد احمد بن مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی گنگوہ میں آپ کے ہم درس تھے۔

[2] : مولانا قاری محمد طیب قاسمی : دارالعلوم دیوبند، دہلی ۱۹۶۵ء تشاہیر دارالعلوم ص۹۲

اور ضوفشانیوں کے بعد غروب ہو گیا۔ صحن جامع مسجد امروہہ کے جنوبی گوشے میں حضرۃ محدث امروہیؒ کے بالکل قریب جگہ پائی۔

امروہہ آپ کا وطن ثانی بن گیا تھا۔ مگر آخر وقت تک کوئی مکان آپ نے اپنے لئے تعمیر نہیں کرایا۔ عمر کے آخری چند سال مدرسہ کی چہار دیواری میں گزارے۔

علمی آثار | مطول، مختصر المعانی اور بیضاوی شریف کامل کے حواشی آپ کے علمی آثار ہیں۔ آپ کے شاگرد کثیر تعداد میں ہیں۔ ان میں سے ایک حضرۃ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ بھی ہیں۔

اولاد | ۱۔ مولوی عبدالقیوم شفیق مرحوم ۲۔ مولانا عبدالحی ۳۔ مولانا عبدالقدوس[1] ۴۔ حافظ عبدالسلام اور ۵۔ مولانا عبدالمومن ہیں"[2]

مولانا حکیم عبدالحی لکھتے ہیں:

"شیخ الفاضل عبدالرحمٰن بن عنایت اللہ حنفی بمبوی امروہی فقہ اور حدیث کے سرکردہ علماء میں سے تھے۔ ولادت اور نشو و نما بمبئی میں ہوئی۔ اپنے والد، مکہ مکرمہ کے اساتذہ اور دیوبند کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی سے سنن ترمذی پڑھی اور ان کے آخری شاگردوں میں سے تھے۔ علامہ احمد حسن امروہی سے مرادآباد میں حدیث پڑھی۔ پھر امام رشید احمد گنگوہی سے حدیث پڑھی۔ علامہ حسین ابن محسن انصاری یمانی سے بھی اجازتِ حدیث حاصل کی۔ پھر مسجد شاہی مرادآباد میں تدریس کرنے لگے اور ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے۔ پھر اہل بمبئی مدرسہ کوسیٹھ میں آپ کو لے گئے۔ وہاں بھی مدت تک پڑھاتے رہے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ جامع امروہہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے پڑھاتے رہے۔ چند سال جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

---

[1] ۔ آپ والد کے جانشین اور مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے صدر مدرس ہیں۔

[2] مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی : حضرۃ مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہیؒ، دارالعلوم دیوبند رمضان ۱۳۷۱ھ ص۔ مدنی گی گ۔

ہیں بھی مدرس حدیث کی۔ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت ہوئے اور انہی سے خلافت حاصل کی۔[1]

ایک عظیم المرتبت عالم دین کی وفات | یہ بھی لکھا گیا ہے:

"علمی حلقوں میں یہ خبر نہایت رنج و غم کے ساتھ سنی جائے گی کہ بتاریخ ۲۲ر جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق ۲ مئی ۱۹۴۷ء بروز یکشنبہ بوقت چھ بجے صبح حضرۃ مولانا حافظ عبد الرحمٰن صدیقی شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اسلامیہ عربیہ امروہہ ایک طویل مدت علیل رہ کر رحلت فرما گئے۔ آپ کی عمر نوّے سال سے کچھ زائد تھی۔ آپ دار العلوم دیوبند کے ان فضلاء میں سے تھے، جنہوں نے دار العلوم کے دور اول میں تعلیم حاصل کی ہے۔ آپ کو علاوہ دیگر اکابر کے حجۃ الاسلام حضرۃ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔ قطب عالم حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے اجازت بیعت حاصل تھی۔ آپ نے تقریباً ساٹھ سال علوم دینیہ کی خدمت کی۔ ہندوستان میں آپ کے فیض یافتگان کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ فن تفسیر میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کی وفات کی خبر سن کر اہل مرادآباد کثیر تعداد میں آ گئے تھے نیز حضرۃ مولانا فخر الدین احمد صاحب مع اساتذہ مدرسہ شاہی مرادآباد جنازہ کے لئے بر وقت امروہہ پہنچے۔ ایک بڑے مجمع نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔ جامع مسجد امروہہ کے جنوبی حصہ میں آپ کے استاذ حضرۃ مولانا احمد حسن امروہیؒ کے پہلو میں آپ کی تدفین ہوئی۔ آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"[2]

---

[1] مولانا عبدالحی، نزھۃ الخواطر: حیدرآباد: ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۲۴۳-۲۴۴ (عربی سے اردو)

[2] مولوی اعجاز حسین: دار العلوم: دیوبند: جون جولائی ۱۹۴۸ء ص ۔

مولانا حیدر حسن خان ٹونکیؒ

"شیخ، فاضل حیدر حسن بن احمد حسن بن غلام حسین خان یاغستانی افغانی ٹونکی برادر شیخ محمود حسن صاحب تصنیف ۱۲۸۱ھ کو ٹونک میں پیدا ہوئے۔ نشو و نما وہیں ہوئی۔ تحصیل علم اپنے شہر میں اپنے بھائیوں محمد حسین، محمود حسن، علی محمد حسن اور مولانا عبد الکریم سے کی۔ پھر لاہور کا سفر کیا اور مولانا غلام احمد نعمانی لاہوری سے مدرسہ نعمانیہ میں ایک عرصہ دراز تک پڑھتے رہے۔ پھر حدیث ہمارے شیخ علامہ حسین بن محسن انصاری یمانی اور سید نذیر حسین دہلوی سے حاصل کی پھر اپنے شہر واپس آ کر مدرسہ ناصریہ میں تدریس کا آغاز کیا۔ وہ فقہ، اصول، کلام اور حدیث میں مہارت رکھتے تھے۔ عزت نفس اور وقار کے ساتھ تدریس کرتے تھے۔ متوکلاً علی اللہ یہ سلسلہ جاری رکھا اور تھوڑے پر قانع رہتے تھے۔ ان کے وسعت علم اور رسوخ فی العلم کے باعث اس کتاب کے مصنف ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ میں انہیں باصرار دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں لے آئے جہاں وہ ۱۸ سال کے قریب کتب صحاح اور حدیث پڑھاتے رہے۔ آپ حدیث نہایت تحقیق کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ تدریس میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ ۳ر ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ تک دار العلوم میں پڑھانے کے بعد اپنے وطن واپس چلے گئے اور وہاں آخر وقت تک پڑھاتے رہے۔ شیخ حیدر حسن علمائے ربانی اور مربی اساتذہ میں سے تھے۔ امام امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کے ہاتھ پر جب جوان تھے اور حج سے مشرف ہوئے تھے، بیعت کی تھی اور ان کی طرف سے "اجازت بیعت"

بھی تھی۔ آخر وقت تک ان کے اوراد و معمولات کی پابندی اور سلسلہ پر استقامت رہی۔ رات کو نماز میں طویل قیام کیا کرتے تھے۔ بہت عاجزی کے ساتھ دعا کرتے، بہت روتے اور بہت خشوع والے تھے۔ تجوید و قراءت کے اصولوں پر بہت عمدہ قرآن پڑھتے تھے۔ قراءت عشرہ میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ شاطبی بڑی تحقیق کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ تصحیح قرآن پر بہت توجہ دیتے تھے۔ اس فن کے اساتذہ کی طرح ماہر تھے۔ اپنے شہر میں ایک مدرسہ خاص تعلیم قرآن کے لئے قائم کیا تھا اور اس میں تدریس کے لئے لکھنؤ سے بڑے بڑے اساتذہ کو مامور کیا۔

عقلی علوم میں بھی مہارت تامہ تھی اور ان علوم کو بھی دقت نظر کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ نحو اور علم بلاغت میں راسخ، ہیئت و ہندسہ میں بارع اور لائق، علم اصطرلاب کی بلند پایہ کتب نہایت ضبط اور مہارت کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ مذہب حنفی پر سختی سے پابند تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ بہت محبت تھی۔ ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان کے مذہب کی تائید و نصرت بڑے زور کے ساتھ کرتے تھے۔ دیگر تین اماموں کا احترام بھی ملحوظ رکھتے تھے۔ امام شافعی پر علمی تنقید کیا کرتے۔ امام بخاریؒ پر بھی ان کے علم و فضل کے باوصف کلام کیا کرتے تھے۔ تدریس حدیث میں ان کا طریقہ صحیح علمی طریقہ تھا۔ وہ فقہاء کی بجائے محدثین سے زیادہ ملتا جلتا تھا۔ ان کا طریقہ زیادہ تر علامہ محمد بن علی شوکانیؒ کی "نیل الاوطار" کے انداز پر تھا۔ وہ ان کے شیوخ کے شیوخ تھے۔ مذہب حنفی کی تائید و نصرت کے باوجود اپنے اہل حدیث طلبہ اور احباب کے ساتھ نہایت لطف و مہربانی سے پیش آتے تھے۔ نہایت متواضع تھے۔ افغانی طریقہ پر عمامہ باندھتے تھے۔ چہرے سے بیداری اور عبادت کے آثار صاف نظر آتے تھے۔ جو انہیں دیکھتا ان کا ادب کرتا اور محبت کرتا تھا۔

بعض اختلافی مسائل میں ان کے چند رسائل بھی ہیں۔ ان میں "جزء فی رفع الیدین"، جزء فی بحث الصباح، جزء فی مسئلۃ الحجاب الشرعی شامل ہیں۔

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ میں وفات ہوئی اور مشہور مقبرہ "موتی باغ" ٹونک میں دفن کیے گئے ہیں[1]

مولانا حیدر حسن خاں صاحب کی ولادت ریاست ٹونک راجپوتانہ میں ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں ہوئی۔ ان کے والد صاحب کا نام مولوی احمد حسن خاں صاحب تھا۔ ان کے بزرگ نمیر دسوات سے نجیب آباد میں آکر رہ گئے تھے۔ وہاں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد یہ خاندان ریاست ٹونک میں منتقل ہوا۔ جس کے بانی نواب میر خاں خود بنیر کے علاقہ کے رہنے والے تھے۔

مولانا کو پڑھنے پڑھانے کے سوا دنیا کے کسی کام سے سروکار اور کسی مسئلہ سے دلچسپی نہ تھی۔ سیاست کے کوچہ سے تو بالکل نابلد بلکہ متوحش تھے۔ اخبارات و رسائل کا ان کے یہاں گزر نہ تھا۔ کوئی طالب علم کوئی بات سنا دے تو سن لیتے اور کبھی اظہار خیال بھی فرماتے۔ مولانا کی سب سے نمایاں صفت ان کی سادگی اور طلبہ کے ساتھ شفقت و مساوات کی عادت تھی، جس کی مثال کم سے کم میں نے علماء و مدرسین میں اپنی آنکھ سے نہیں دیکھی۔ وہ اپنی اولاد اور طلبہ میں نہ صرف یہ کہ فرق نہیں کرتے تھے بلکہ مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ ہونہار اور ذہین طلبہ کو اولاد پر ترجیح دیتے تھے"[2]

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"راقم سطور کو مولانا سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ مولانا مرحوم کو معقولات اور علوم آلیہ میں مولانا غلام احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور اور اپنے برادر اکبر مولانا محمود حسن خاں ٹونکی اور حدیث میں شیخ حسین بن محسن انصاری اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے تلمذ تھا۔

---

[1] مولانا حکیم سید عبدالحی: نزہۃ الخواطر: حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء ج ۸، ص ۱۲۵ تا ۱۳۱ (عربی سے اردو)

[2] مولانا ابوالحسن علی ندوی: پرانے چراغ: لکھنؤ، ۱۹۷۵ء ص ۱۹۴ تا ۱۹۵

بیعت و اجازت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے تھی۔ نہایت ذاکر شاغل اور عابد و متقی و قانع بزرگ تھے۔ سادگی اور تواضع میں سلف صالحین کا نمونہ اور ذوقِ تدریس اور طلبہ کے ساتھ شفقت و مساوات میں اساتذۂ پیشین کی یادگار تقریباً ۱۸ سال دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تدریس حدیث و اہتمام کی خدمت انجام دیں۔ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ/ جنوری ۱۹۴۰ء میں سبکدوش ہو کر ٹونک تشریف لے گئے۔ جہاں ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ/ یکم جون ۱۹۴۲ء میں وفات پائی اور موتی باغ ٹونک کے مقبرہ میں مدفون ہوئے ۔[۱]

"مولانا حیدر حسن خاں صاحب محدّث ٹونکی جو تقریباً دس پندرہ برس تک دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شیخ الحدیث رہ کر دو سال ہوئے کہ ریاست کی خواہش پر اپنے وطن چلے گئے تھے۔ افسوس ہے کہ چندروز ہوئے کہ اپنے وطن ہی میں وفات پائی۔ محدّث مرحوم اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمود حسن خاں صاحب مصنف "معجم المصنفین" اس وقت کے علماء میں ایسے دو نامور فرد تھے کہ جن کے وجود پر علم و فضل اور ورع و تقویٰ کو ناز تھا الحمد للہ کہ ابھی مولانا محمود حسن خاں صاحب ہم میں موجود ہیں مگر افسوس ہے کہ ان کے چھوٹے بھائی مولانا حیدر حسن خاں نے اس عالمِ فانی کو الوداع کہا۔ ایسے زمانہ میں مرحوم کی وفات مشرقی علم و فضل کی کائنات میں حادثۂ عظیم سمجھی جائے گی۔

مرحوم بڑے جامع العلوم تھے۔ علومِ عقلیہ و نقلیہ و ریاضیہ کے وہ یکساں ماہر تھے زیادہ تر اپنے بڑے بھائی مولانا محمود حسن خاں صاحب سے پڑھا تھا حدیث کی سند شیخ حسین عرب یمنی خزرجی سے حاصل کی تھی۔ استفادۂ باطنی میں بھی ان کا درجہ بلند تھا اور علومِ عقلیہ میں وہ ماہرِ کامل تھے۔ علمِ حدیث کو بطرزِ حنفیہ بہت خوبی سے پڑھاتے تھے۔ رجال پر ان کی نظر وسیع

[۱] مولانا ابو الحسن علی ندوی۔ حیات عبد الحی: دہلی: ۱۹۷۰ء: ص ۱۹۱، ۱۹۲ (حاشیہ)

تھی۔ ان کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ حدیث پڑھاتے وقت احادیث کی ساری کتابیں اور اسماء الرجال اور اصول کی کوئی مستند کتاب اردگرد رکھ لیتے تھے۔ ہر نزاعی مسئلہ پر وہ دادِ تحقیق دیتے وقت راوی کی حالت زبانی بیان کر کے مزید تشفی کے لئے ان کو کتاب کھول کر راوی پر جرح و توثیق کے اقوال بھی دکھا دیتے اور اصول سے اپنے مدعا کو ثابت کرتے تھے۔ ان سے اکثر مسائل میں گفتگو ہوتی رہتی تھی مگر وہ ہمیشہ حاضر العلم نظر آئے۔ اور جب کبھی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی صاف اقرار کر لیتے تھے اور دوسرے وقت میں وہ اس کو دوبارہ سمجھ کر بحث میں لاتے تھے۔ اس علم و فضل پر بے حد منکسر، بے حد خاکسار، بے حد متواضع، اتباع سنت اور پابندیٔ شریعت میں ممتاز تھے ان کی نماز خضوع و خشوع اور سکون و طمانیت کی تصویر ہوتی تھی۔

دار العلوم کی مدرسی کے زمانہ میں لکھنؤ کے اکثر اہلِ علم ان کے معترف و مداح تھے اور مسائل میں ان کا فیصلہ قولِ فیصل کا حکم رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعۂ خوبی کو اپنے فضل و کرم سے نوازے اور مراتبِ اعلیٰ عنایت فرمائے "[۱] جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱ھ/ جولائی ۱۹۴۲ء

[۱] مولانا سید سلیمان ندوی: یادِ رفتگاں: کراچی - ۱۹۵۵ء ص ۲۵۸، ۲۵۹

مولانا شرف الحق دہلویؒ

خاندان آپ ۱۸۷۰ء کو گلی جوتے والی محلہ چوڑی والان دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حافظ قاری جلال الدین بن عبدالغنی بن شیخ عبدالکریم تھا۔ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

آپ کے والد صاحب کو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریز حکومت نے "باغیوں کا خزانچی" سمجھ کر گرفتار کر لیا تھا۔ لیکن وہ موقع پا کر بچ بچا کر نکل آئے اور اس وقت تک روپوش رہے جب تک وہ پرآشوب زمانہ ختم نہ ہو گیا۔ آپ کے پردادا شیخ بڈھن سرہند شریف (پٹیالہ) میں رہتے تھے۔ دربار پٹیالہ میں خاص رسائی تھی۔ کچھ ناچاقی ہونے کی وجہ سے وہ مع اپنے خاندان کے سرہند شریف کو خیرباد کہہ کر لاہور آ گئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد دہلی چلے آئے۔

تعلیم و تربیت آپ کی والدہ مولانا شاہ رحیم بخش دہلوی سے ارادت رکھتی تھیں۔ چنانچہ ان ہی کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ شاہ صاحب نے ہی قرآن مجید پڑھایا، اردو لکھنی پڑھنی سکھائی اور شاہ صاحب کے ایک معتقد پنڈت درگا پرشاد نے ہندی اور سنسکرت میں تکمیل کرائی۔ ۱۸۷۷ء میں اینگلو عربک سکول میں داخلہ لیا۔ مڈل پاس کیا اور انگریزی کے مضمون میں اول آئے۔

۱۸۸۱ء میں مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۸۸۲ء میں مدرسہ کے طالب علم کی حیثیت سے پنجاب یونیورسٹی کے امتحان "منشی فاضل" میں بیٹھے اور تمام پنجاب میں اوّل رہے۔ منشی کے امتحان سے فارغ ہو کر مدرسہ اسلامیہ فتح پوری دہلی

میں عربی صرف و نحو کی تحصیل کی۔

مناظرہ کی ابتدا سچ ہے کہ جس کی حکومت ہوتی ہے، اسی کے مذہب کو عروج ہوتا ہے۔ انگریزوں کے دورِ اقتدار میں پادری، عیسائیت کی گلی گلی، کوچہ کوچہ تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔ ان کے بے پناہ وسائل کے سامنے مسلمان علماء محض "بوریہ نشین" تھے۔ تاہم ان بوریہ نشینوں نے پادریوں کی بلغار روک دی اور ان کی ڈینگیں ہوا میں تحلیل ہو کر رہ گئیں۔ آپ اپنی اسی طالب علمی کے دوران گھنٹہ گھر دہلی سے گزر رہے تھے کہ ایک پادری کو ازراہِ تمسخر یہ کہتے ہوئے سنا کہ "مسلمانوں کے پیغمبر حبیب اللہ کہلاتے ہیں۔ لیکن جب ان کے پیغمبر کے نواسوں کو مخالفین نے قتل کیا تو اس وقت پیغمبر صاحب نے خدا تعالیٰ سے فریاد نہ کی۔ حالانکہ حبیب کا محبوب زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اگر پیغمبر صاحب فریاد کرتے تو خدا تعالیٰ ان کی ضرور سنتا۔" پادری صاحب کی اس عامیانہ گفتگو سے مجمع پر سکوت طاری ہو گیا۔ آپ سے برداشت نہ ہو سکا۔ تقریر سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا مگر اس کے باوجود سیدھے سادے الفاظ میں پادری صاحب سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ آپ غلط کہتے ہیں کہ پیغمبر صاحب نے خدا سے فریاد نہیں کی، فریاد کی اور ضرور کی۔ نواسوں پر ظلم ہوئے ان کو تمام و کمال بیان کیا مگر جواب ملا بیشک تمہارے نواسوں کو مخالفین نے شہید کر ڈالا اور ان پر نہایت ظلم ہوئے ہیں لیکن اس وقت مجھے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع مسیح کا صلیب پر چڑھنا یاد آ رہا ہے اور اس کا غم بے چین کئے ہوئے ہے۔ اس جواب سے پیغمبر صاحب خاموش ہو گئے کہ واقعی اکلوتے بیٹے سے بڑھ کر میرا نواسا نہیں ہو سکتا۔ جب بیٹا نہ بچ سکا تو میرا نواسہ کس گنتی میں ہے"؟ آپ کے اس برجستہ جواب سے مجمع میں جان پڑ گئی اور خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور پادری صاحب مجمع سے راہِ فرار اختیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد سے مناظرہ کا شغل بڑھتا گیا۔ وقت کا زیادہ حصہ ایسی بحثوں میں گزرنے لگا تو آپ کے استاذ مولانا حالی نے مشورہ دیا کہ مناظرانہ بحثوں میں کمال جب ہی حاصل ہو

سمجھا ہے کہ آپ تعلیم کی تکمیل کرلیں۔ چنانچہ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم دورۂ حدیث کے لئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں گنگوہ پہنچے اور کتبِ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ مناظرہ کا شوق تھا پھر شروع ہوا۔ اس مرتبہ حضرت گنگوہیؒ نے حکم دیا کہ "ردِّ نصاریٰ" سے تبلیغ اسلام کرو۔ چنانچہ ردِّ نصاریٰ اور باطل مذاہب و عقائد کی بیخ کنی میں مصروف ہو گئے۔ پادریوں سے مناظرے ہونے لگے۔ طبیعت نے محسوس کیا کہ ان مناظروں کے لئے عبرانی و یونانی جاننا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے عبرانی اور یونانی حکیم عبدالمجید خاں کے زیر علاج ایک یہودی عالم سے پڑھی۔ اس نے آپ کو تکمیل پر تحریری سند دی۔ پشتو مولانا عبدالحکیم افغانی اور ترکی مولانا ابوالخیر سے سیکھی۔

الغرض آپ ۲۰ سال کی عمر میں عربی، فارسی، انگریزی، سنسکرت، عبرانی، یونانی، پشتو اور ترکی وغیرہ آٹھ زبانوں کے ماہر ہو گئے۔

حج ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں حج کے لئے حرمین شریفین پہنچے۔ وہاں مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کی خدمت میں تین ماہ رہ کر فنونِ مناظرہ کی تکمیل کر کے سند حاصل کی۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنی تصانیف "اظہار عیسوی، ازالۃ الشکوک اور اظہار حق" زبان عربی و فرانسیسی تبرکاً عنایت فرمائیں۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکیؒ کی اس سند کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حدیث کی اجازت مولانا قاری عبدالرحمٰنؒ سے بھی حاصل تھی۔ اس سند پر مولانا رحمت اللہ صاحب کے دستخط اور تاریخ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ مرقوم ہے۔ آپ نے زندگی میں کل تین حج کئے تھے۔ دوسرا ۱۳۲۱ھ میں اور تیسرے کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔

صوفیانہ مسلک علومِ ظاہری کی تکمیل کے ساتھ آپ نے علومِ باطنی کی طرف توجہ دی اور

وہیں مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور باقاعدہ منازل سلوک طے کر کے سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں خلافت حاصل کی۔ حضرت حاجی صاحب کے درس مثنوی شریف میں بھی شریک رہے۔

سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت حضرت مولانا انوار اللہ ابن مولوی شجاع الدین اور مولانا محمد سلیم مکی نے عطا فرمائی۔ سلسلۂ قادریہ و ہاشمیہ کی اجازت حضرت سید صالح محمد مرتضیٰ الجیلانی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ سے حاصل کی۔

طریقۂ مجددیہ کی اجازت حضرت فدا محمد صاحب نے مرحمت فرمائی۔ طریقہ شاذلیہ ظافریہ کی اجازت حضرت شیخ ابوالحسن طاہر مکی نے عطا فرمائی۔

دوسرے حج ۱۳۲۱ھ کے موقع پر ۱۴ سال تک ممالک اسلامیہ کی سیاحت کی۔ اندازہ یہی ہے کہ ممالک اسلامیہ کی سیاحت کے بعد تیسرا حج بھی کیا ہوگا۔

مناظرے یوں تو آپ نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں سینکڑوں مناظرے کئے مگر ان میں بشپ فرنچ، لیفرائے، پادری ہومر اور گوانڈا اسمتھ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں

دسمبر ۱۸۹۱ء میں پادری ایم جی گوانڈا اسمتھ سے حیدرآباد میں ۸ رفروری ۱۸۹۳ء کو پادری جے سموئل پونہ میں۔ ۸ رمارچ ۱۸۸۵ء کو پادری ردفس اور پادری اے میٹرک سے غازی پور میں جو مناظرے ہوئے وہ آپ کی قابلیت کا بین ثبوت ہیں اور خاص طور پر دہلی اور غازی پور کے لائق یادگار اور تاریخی مناظروں نے آپ کی علمیت کا سکہ تمام ہندوستان میں بٹھا دیا تھا۔

جس موضوع تحریفِ انجیل پر یکم اپریل ۱۸۵۴ء میں آپ کے استاذ مولانا رحمت اللہ نے پادری فنڈر کو مناظرہ میں لاجواب کیا تھا۔ اسی موضوع پر آپ نے ۱۸۹۱ء میں دہلی کی مسجد فتحپوری کے اندر لارڈ بشپ جے۔ اے لیفرائے سے مناظرہ کیا۔ دہلی اور دہلی کے اطراف کے اضلاع میں اس مناظرے نے ایک ہل چل مچا دی تھی، جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ پادری صاحب اور مولانا صاحب

میں یہ طے ہوا کہ جو شخص مناظرے میں ہار جائے گا، وہ عام مجمع میں اپنی شکست کا اعتراف کرے گا اور شکست نامہ لکھ کر دے گا نیز ہارنے والا مقابل کے مذہب کو اختیار کرے گا۔

اس مناظرہ میں آگرہ، علی گڑھ، میرٹھ، سہارنپور کے معززین اور مشاہیر علماء مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب اور ان کے خاندان کے بزرگ حکیم احمد سعید خاں صاحب، حکیم غلام محمود خاں صاحب مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی مصنف تفسیر حقانی اور دیگر اکابر نے شرکت کی عیسائی حضرات بھی ان اضلاع سے آئے۔ مناظرہ دو دن ہوا۔ مناظرہ کے ان ایام میں مجمع ۲۰، ۲۰ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھا۔ پہلے روز چھ سات گھنٹے بحث ہوئی لیکن ناتمام۔ دوسرے روز پہلے کی طرح عالمانہ و فاضلانہ بحث نے شہر میں دھوم مچا دی۔ دوسرے روز مناظرہ میں قریب قریب تمام شہر امنڈ آیا مناظرہ شروع ہوا اور ابھی ایک گھنٹہ نہ گزرا تھا کہ فیصلہ ہو گیا اور مولانا رحمت اللہ کے شاگرد رشید نے اپنے مقابل لیفرائے کو شکستِ فاش دی۔ اس جمِ غفیر میں اس نے اپنے مذہب کو نہ بدلا لیکن تسلیم کیا کہ واقعی انجیل شریف میں تحریف ہوئی ہے اور حسب ذیل تحریر لکھ کر حوالے کی:

"میں اقرار کرتا ہوں کہ لوقا کی انجیل شریف کے ترجمے اور علاوہ اس کے اصلی نسخوں میں جو اس وقت موجود ہیں چند آیتیں غلط ہیں اور بھول سے داخل کی گئی ہیں۔ یہ بات سب سے قدیم نسخوں اور ٹریکٹوں کے ملانے سے معلوم و ظاہر ہوئی۔ وہ آیتیں ان میں نہیں، لہٰذا میں وہی اصلی انجیل کی باتیں سچ مانتا ہوں۔ چند مستشرقین شعراء کے قول انجیل شریف میں ملے ہوئے ہیں۔"

دستخط۔ جی۔ اے۔ لیفرائے

غازی پور مشن سکول میں ۸ مارچ ۱۸۸۵ء یک شنبہ کو دن کے تین بجے پادری روفس سے مباحثہ ہوا۔ پادری صاحب نے تین گھنٹے کی بحث کے بعد لاجواب ہو کر آخر میں تین ہزار کے مجمع میں اعتراف شکست ان الفاظ میں کیا کہ ہم میں اتنا علم اور لیاقت نہیں ہے کہ مولانا صاحب سے مقابلہ کر سکیں۔ مولانا صاحب نے ہمارے مذہب میں ایسی تحقیق اور وسیع معلومات حاصل کی ہیں

(اس پر مولانا کو صد آفریں ہے۔"

مناظرہ کا ڈھنگ آپ کا انداز مناظرہ یہ تھا کہ مخالف کی مستند کتابوں سے دلائل لاتے اور اسی کے ہتھیار سے اسے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دیتے تھے۔ جس سے اس کا عاجز ہونا لازمی تھا۔ آپ کے لیکچر اور مناظرے عامیانہ رنگ سے بالکل پاک ہوتے تھے اور محققانہ و عالمانہ شان رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں اعلیٰ طبقہ کے لوگ بکثرت شریک ہوتے تھے۔ آپ نے مناظروں کے سلسلے میں یوپی کا کوئی ضلع نہ چھوڑا۔ تبلیغ اسلام کے جوش میں چپہ چپہ چھان مارا اور عوام میں فرائض کی اطاعت کا جذبہ پیدا کیا۔ پچیس ہزار افراد آپ کے رشتہ ارادت میں منسلک تھے۔

تصانیف ۱۔ دافع البہتان بہ تنزیہ الرحمٰن (دو حصہ) ۲۔ استیصال دین عیسوی بمقابلہ دین محمدی۔ ۳۔ مناظرہ غازی پور۔ ۴۔ مناظرہ حیدرآباد دکن۔ ۵۔ مناظرہ کالکا۔ ۶۔ مناظرہ پونا، ۷۔ مناظرہ دہلی۔ ۸۔ دینی مناظرہ ہنگ کانگ۔ ۹۔ لیکچر امریکہ۔ ۱۰۔ سفرنامہ حج (اس میں کئی مناظرے انگریزی زبان میں طبع ہو چکے ہیں۔ پہلے حج کا سفرنامہ بھی تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے۔)

وصال وصال سے ڈیڑھ سال قبل لقوہ کا حملہ ہو گیا تھا۔ علاج معالجہ سے کچھ افاقہ ہوا، مگر وقتی۔ آخر ستر برس کی عمر میں ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء مطابق ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ بروز منگل بوقت ۸ بجے شب گلی بدلیاں محلہ چوڑی والاں والے مکان میں جبکہ شاہ جارج پنجم کی وفات پر تمام ہندوستان میں ہڑتال تھی، آپ کا وصال ہوا۔

اولاد لاکھوں روپے کے کتب خانہ اور گرانقدر تصانیف کے علاوہ تین لڑکیاں اور ایک لڑکا امداد صابری (ولادت ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ/ ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۴ء بروز جمعہ) بطور یادگار چھوڑے۔ آپ کی پہلی شادی بیس برس کی عمر میں ہوئی۔ دوسری شادی ۲۰ رجادی الاول ۱۳۰۲ھ میں حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مشہور مرید حاجی شجاعت علی صاحب رئیس جوالا پور کی دختر سے ہوئی پہلی بیوی سے ایک لڑکی اور دوسری بیوی سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔[1]

---

[1] امداد صابری: حضرۃ حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء: دہلی - ۱۹۵۱ء، ص ۹۲ تا ۱۲۱ (کی تلخیص)

مولانا سیّد احمد حسن امروہویؒ

شیخ الامام الفقیہ احمد حسن بن اکبر حسین حسینی حنفی امروہوی تقریر میں وسعت اور کلام میں تبحر کے باعث مشہور علماء میں سے تھے۔ ولادت اور نشو و نما امروہہ میں ہوئی۔ کچھ عرصہ اپنے شہر میں تعلیم حاصل کی۔ پھر دیوبند چلے گئے اور مولانا محمد قاسم بن اسد علی نانوتوی کی خدمت میں رہ کر ان سے استفادہ کیا۔ دیگر علماء سے بھی پڑھتے رہے۔ بہت سے علوم و فنون میں اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھ گئے۔ پھر حدیث کی سند شیخ احمد علی ابن لطف اللہ سہارنپوری، شیخ عبدالرحمن بن محمد انصاری پانی پتی اور شیخ کبیر عبدالقیوم بن عبدالحی البکری برھانوی سے حاصل کی۔

پھر حجاز کا سفر کیا اور طریقت کی تعلیم شیخ امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی سے حاصل کی۔

حدیث کی ایک اور سند شیخ عبدالغنی بن ابی سعید دہلوی مہاجر مدینہ سے حاصل کی۔ پھر واپس ہند آکر مدرسہ عربیہ امروہہ میں تدریس شروع کر دی۔

خوبصورت، شیریں کلام، اچھی عادات کے مالک، مضبوط عمل کرنے والے اور بہت زیادہ درس دینے والے تھے۔ میں کئی بار انہیں امروہہ میں ملا۔

۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ میں وفات پائی [1]

---

[1] مولانا حکیم عبدالحی: نزھۃ الخواطر: حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء ج ۸ صفحہ ۲۱-۲۲ (عربی سے اردو)

مولانا عزیز الرحمن لکھتے ہیں:

"نسباً آپ کا تعلق سادات حسینیہ سے ہے اور امروہہ کے مشہور بزرگ حضرۃ پیر شاہ ابن کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۲۶۰ھ میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت| آپ نے فارسی و عربی کی تعلیم امروہہ کے مشہور عالم مولانا سید رافت علی، مولانا کریم بخش، مولانا محمد حسین جعفری سے حاصل کی اور طب کی تعلیم امروہہ کے مشہور طبیب امجد علی خاں سے پائی۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب رح کی خدمت میں دیوبند، نانوتہ، میرٹھ میں رہ کر تمام علوم و فنون کی تکمیل کی اور اپنے استاذ کے کمالات علمیہ کے مکمل آئینہ بن گئے۔

سلسلۂ تدریس| آپ فارغ التحصیل ہوئے تو نوجوان تھے۔ سبزہ آغاز تھا کہ خورجہ تشریف لے گئے۔ خورجہ کے بعد سنبھل اور دہلی کے مدارس میں مختلف اوقات میں صدر مدرسی کے عہدے پر فائز رہے اور علوم دین کی نشر و اشاعت فرماتے رہے۔

جس وقت ۱۲۹۶ھ میں حضرۃ نانوتوی قدس سرہٗ کے ایماء سے مدرسۃ الغرباء عرف مدرسہ شاہی مراد آباد قائم ہوا تو اس کے پہلے صدر مدرس آپ ہی تھے۔ ۱۳۰۲ھ تک آپ کا اس مدرسہ سے تعلق رہا۔ (پھر) امروہہ تشریف لے آئے اور جامع مسجد میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی تشکیل جدید کی۔ اپنی بنیاد کے اعتبار سے یہ مدرسہ حضرۃ قاسم العلوم کا مدرسہ دور و نزدیک شہرت پا گیا اور خدمت دین کرنے لگا۔

مدرسہ امروہہ کے قیام کے چند سال بعد بطلبی مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند مدرسہ عربیہ دارالعلوم دیوبند میں بھی آپ نے چند ماہ درس دیا۔ آپ کو اور حضرۃ شیخ الہند کو ایک ہی درجہ میں رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو مدرسہ امروہہ کے ذمہ دار حضرات یہ کہہ کر "ہمارا باغ اجڑنے کا اندیشہ ہے" لے آئے اور پھر آپ نے مدرسہ امروہہ میں سلسلہ درس

شروع کر دیا۔

سلوک و تصوف | آپ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے بیعت ہیں۔ اجازت بیعت اور خلافت حضرت حاجی صاحب موصوف اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے حاصل ہے استاد محترم کی طرح آپ میں بھی انتہا سے زیادہ اخفائے حال تھا۔ اس وجہ سے اکثر و بیشتر علمی لائن سے ہی آپ کا تعلق رہا حالانکہ اپنے زمانہ میں تصوف کے اونچے مقام پر فائز تھے۔

مرض الوفات | ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کے آخری ہفتہ چند دن بخار آیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امروہہ میں طاعون پھیلا ہوا تھا۔ آخر اسی میں مبتلا ہو کر "المطعون شہید" ہوئے اور ۲۹ ربیع الاول کو واصل بحق ہوئے۔ مادہ تاریخ "شہید اعظم ہے" نہایت خوش لباس خوش اخلاق اور حسین و جمیل بزرگ تھے۔ وصال کے وقت تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ چھوڑے۔ صاحبزادہ مولانا سید محمد رضوی صاحب اپنے والد کی نشانی اور ان ہی کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ امروہہ کے مدرسہ اسلامیہ سے فارغ التحصیل ہیں۔ مولانا عبد الرحمٰن صاحب مفسر کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں۔ قرارت حفص میں قاری ضیاء الدین صاحب کے شاگرد ہیں۔ ۲۰ سال تک حیدر آباد دکن میں علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ اب پنشنر ہو کر امروہہ میں قیام پذیر ہیں[1]۔"

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں:

"آپ حضرت نانوتویؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے اور جلیل القدر محدث تھے۔ آپ مدرسہ جامع امروہہ میں جسے حضرت نانوتویؒ نے قائم فرمایا تھا۔ ایک طویل عرصہ تک بحیثیت صدر المدرسین فائز رہے اور آخر عمر تک درس حدیث میں منہمک رہے۔

---

[1] مولانا مفتی عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند: کراچی ۱۹۶۴ء ص ۲۴۵ تا ۲۶۲ (کی تلخیص و اقتباس)

آپ علوم قاسمیہ کے امین تھے اور ان کی ترویج میں عمر بھر نمایاں حصہ لیتے رہے۔ اپنی مخصوص صلاحیتوں کے لحاظ سے آپ علوم قاسمیہ کی مجسم تصویر اور بالفاظ دیگر حضرت نانوتویؒ کے مثیل شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کا فیضان علمی دور دور تک پہنچا اور سینکڑوں طالب علم آپ کے درس سے عالم و فاضل بن کر نکلے۔ عالم بے مثل حضرت مولانا عبد الرحمٰن خاں صاحب خورجوی مفسر شہیر حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحبؒ امروہوی اور اس قسم کے دوسرے اور بھی بہت سے ماہرین علم و فضل آپ کے تلامیذ ہیں، جن سے علم دین پھیلا اور ایمان و عرفان کا رنگ دلوں میں جما[1]۔"

کہا گیا ہے کہ درس و تدریس، وعظ و تقریر کے علاوہ آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں سے آپ کے مضامین کا مجموعہ "افادات احمدیہ" کے نام سے شائع ہوا اور کئی غیر مطبوعہ ہیں۔

علمی اور دینی خدمات کے ساتھ آپ نے "جمعیۃ الانصار" میں بھی بہت بڑا کام کیا ہے "جمعیۃ الانصار" کے اجلاسوں کی صدارت کی اور بہت سی تقاریر کی ہیں، جن سے عوام و خواص مستفید ہوتے تھے[2]۔

جناب مولانا احمد حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ | آپ بھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ارشد تلامذہ میں تھے اور آپ کو صورۃً اور سیرۃً حضرت مولانا سے کمال مشابہت تھی۔ آپ اکابر علماء میں تھے[3]۔"

---

[1] قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دار العلوم دیوبند: دہلی: ۱۹۶۵ء ص ۵۹۔ [2] قاری فیوض الرحمٰن: مشاہیر علمائے دیوبند: لاہور: ۱۹۷۶ء ص ۵۔ [3] محمد سراج الیقین: شمس العارفین: لاہور: ص ۷۸۔

[4] محمد سراج الیقین: شمس العارفین، لاہور ص ۷۹، ۸۰۔

مولانا احمد حسن کانپوری ؒ

"حضرۃ الفاضل علامہ احمد حسن حنفی پٹیالوی ثم کانپوری کثرت درس اور افادہ کے لحاظ سے مشہور علماء میں سے تھے۔ ان سے ایک کثیر تعداد نے فراغت حاصل کی۔[1]

نشوونما بٹالہ ضلع گورداسپور میں ہوئی۔ تحصیل علم کے لئے علی گڑھ کا سفر کیا اور مفتی لطف اللہ کی خدمت میں رہ کر علوم وفنون کی تکمیل کی۔

تدریس | فراغت کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں ایک عرصہ دراز تک پڑھاتے رہے۔ پھر "فیض عام" کانپور میں تدریس پر مامور ہوئے اور مدت طویل تک پڑھاتے رہے۔ پھر حجاز کا سفر کیا۔ حج کی سعادت حاصل کی طریقت کے سلسلہ میں حاجی امداد اللہ تھانویؒ مہاجر مکی کی طرف رجوع کیا اور ان سے طریقہ اخذ کیا اور پھر واپس ہند آ گئے۔

بہت بڑے عالم، نیک، متقی، متواضع، خلیق اور دوستوں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والے تھے۔ تدریس میں ایسے مشغول کہ کوئی ان جیسا دوسرا نہ تھا۔ انتہائی مشکل اور دقیق کتابوں کے پندرہ سے زائد سبق پڑھانے کا معمول تھا۔ شرح سلم کا مبسوط حاشیہ، تعلیقات مثنوی معنوی رسالہ در بحث امکان الکذب وامتناعہ اپنی علمی یادگار کے طور پر چھوڑیں۔ ۱۳۲۲ھ میں کانپور میں وفات پائی۔[1]

[1] مولانا حکیم سید عبدالحی؛ نزھۃ الخواطر؛ حیدرآباد: ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۲۲،۲۳ (عربی سے اردو)

مظاہر العلوم سہارنپور میں ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۰۶ھ کو آپ کا تقرر ہوا اور ۱۲۹۶ھ تک پڑھاتے رہے۔ ۱۲۹۷ھ کو "فیض عام" کانپور میں مدرس اول ہو کر چلے گئے[1] اور آخر وقت تک وہاں پڑھاتے رہے۔ امداد صابری لکھتے ہیں:

"مولانا حافظ حاجی احمد حسن صاحب اصل باشندے پٹیالہ کے تھے۔ کانپور میں زیادہ رہنے اور تعلیم دینے کی وجہ سے کانپوری مشہور ہو گئے۔ آپ مدرسہ فیض عام کانپور میں مدرس تھے۔[2] آپ نے ابتدائی تعلیم مولوی علیم الدین پٹیالوی سے پائی۔ آپ نوعمری میں ہی لکھنؤ تشریف لے گئے اور مولانا عبدالحی صاحب سے عربی درسی کتابیں پڑھیں اور آپ نے مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی سند حاصل کی۔

حضرۃ حاجی امداد اللہ سے مکہ معظمہ میں بیعت ہوئے۔ دوبارہ ۱۳۱۲ھ میں حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ حضرۃ حاجی صاحب نے آپ کو مثنوی شریف چھپوانے کے لئے عنایت فرمائی۔[3] آپ نے مثنوی شریف کا ایک جزو چھپوا کر نمونۃً حضرۃ حاجی صاحب کی خدمت میں بھیجا تو حضرۃ حاجی صاحب نے حکیم الامت حضرۃ مولانا اشرف علی صاحب مرحوم ومغفور کے ایک خط میں اس کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا۔

عزیزی مولوی احمد حسن صاحب زاد اللہ محبتہ وعرفانہ بلا شک نہیں کوشش فرما رہے ہیں۔ خداوند کریم اپنے فضل وکرم سے ان کی سعی مشکور فرمائے اور ان کی ترقی درجات کا مثنوی شریف کو سبب بنائے۔ آمین

اس کا پہلا جزو میرے پاس آیا۔ دیکھ کر نہایت جی خوش ہوا۔ مثنوی شریف جس درجہ کی کتاب تھی عزیزی موصوف نے اس کا پورا حق ادا کر دیا۔[4] مولانا موصوف نے حضرۃ حاجی صاحب کے حکم پر مثنوی شریف کا حاشیہ بھی لکھا اور زر کثیر خرچ کر کے چھپوایا۔[5] ۔ ۔ ۔ ۔

[1] مولانا حافظ محمد زکریا؛ تاریخ مظاہر؛ سہارنپور: ۱۳۹۲ ج ۱ ص ۱۴، ۱۵، ۱۶ [2] تاج التواریخ۔ ص ۱
[3] مکتوبات امدادیہ ص ۱۱۔ [4] مکتوبات امدادیہ ص ۲۱۔ [5] انوار العاشقین ص ۹۵۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں:

دینی خدمات آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت کے بعد قاسمی علوم کا جو فیضان عالم میں آپ کی ذات سے ہوا اس کی نظیر دوسرے تلامذہ میں نہیں ملتی۔ اپنے استاد میں فنا اور استاد کے علم میں غرق تھے۔ دین کے ہر دائرے میں آپ کی خدمات نمایاں مقام رکھتی ہیں۔

درس، تصنیف، ارشاد و تلقین اور جذبہ جہاد وغیرہ میں آپ کی خاموش خدمتیں زبانِ حال سے گویا ہیں۔ آپ اپنے استاذ حضرت نانوتوی رح کے علوم کے امین اور خزینہ دار تھے۔ آپ ہی نے ان علوم کی ایضاح و تفصیل اور تفہیم و تیسیر میں نمایاں حصہ لیا اور عظیم خدمت انجام دی۔ حضرت نانوتوی رح کی تصانیف کی اعلیٰ ترین طباعت بہ تزئین حواشی و عنوانات آپ ہی نے شروع فرمائی اور حجۃ الاسلام پر آپ ہی نے سب سے پہلے عنوانات قائم کئے۔ قرآن شریف کا ترجمہ فرمایا۔ بخاری کے ابواب و تراجم پر ایک جامع اور وقیع رسالہ تصنیف فرمایا۔ متعدد مناظرانہ تصانیف بھی فرمائیں اور مناظرے بھی کئے۔ دارالعلوم دیوبند میں چالیس برس تک مسلسل درسِ حدیث دے کر ۸۶۰ اعلیٰ استعداد کے صاحب طرز عالمِ دین، فاضل علوم، ماہرین فنون پیدا کئے۔ آپ کا درسِ حدیث اس دور میں امتیازی شان رکھتا تھا اور مرجع علماء تھا۔ آپ کو علمائے عصر نے "محدث عصر" تسلیم کیا۔ بیعت و

ارشاد کے راستے سے ہزارہا تشنگانِ معرفت کو عارف باللہ بنایا اور آپ کا سلسلۂ طریقت ہندوستان سے گزر کر افغانستان اور عرب تک پہنچا۔ متعدد علمی تصانیف آپ نے ترکہ میں چھوڑیں۔

سیاسی خدمات ہندوستان کو غیر ملکیوں سے آزاد کرانے کے لئے ایک زبردست انقلابی تحریک چلائی، جس کو رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں "ریشمی رومال کی تحریک" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ تحریک بہت زیادہ موثر تھی مگر راز میں نہ رہ سکی اور ناکام ہو گئی۔ پھر بھی اس کی آگ جن کے دلوں میں لگی ہوئی تھی انہوں نے آئندہ کام کر کے ہندوستان کو آزاد کرایا۔ آپ تقریباً پانچ برس مالٹا میں قید رہے۔[1]"

مولانا حکیم سید عبدالحی لکھتے ہیں

"شیخ، عالم کبیر، علامہ، محدث محمود حسن بن ذوالفقار علی حنفی دیوبندی۔ نفع دینے والے علوم میں سب سے بڑے عالم اور متاخرین میں فقہ اور اس کے اصول کا بہت اچھا ملکہ تھا اور اس کے نصوص اور قواعد کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔ ۱۲۶۸ھ میں بریلی میں ولادت ہوئی اور نشو و نما دیوبند میں ہوئی۔

علم کی تحصیل مولانا سید احمد دہلوی، مولانا یعقوب بن مملوک علی اور علامہ محمد قاسم اور دیگر سے کی۔ ایک عرصہ تک مولانا محمد قاسم کی خدمت میں رہے اور ان سے بہت کچھ حاصل کیا، یہاں تک کہ علوم میں مہارت حاصل کر لی۔

۱۲۹۲ھ میں مدرسہ عربیہ دیوبند میں تدریس پر مامور ہوئے۔ طریقت کی تحصیل شیخ رشید احمد گنگوہی رح سے کی۔ وہ سال میں کئی بار گنگوہ جاتے تھے۔ ان سے اجازت بیعت بھی انہیں حاصل تھی۔ نہایت عابد و زاہد تھے۔ کئی بار حج و زیارت کی غرض سے حجاز جانے کی سعادت ملی۔ ۱۲۹۴ھ میں شیوخ کی

---

[1] مولانا قاری محمد طیب قاسمی، دار العلوم دیوبند، دہلی ۱۹۶۵ء ص۱۵۸، ۱۵۹

ایک صالح جماعت جس میں مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا یعقوب، مولانا رفیع الدین، مولانا محمد مظہر، مولوی احمد حسن کانپوری اور دیگر حضرات شامل تھے، کی معیت میں حج و زیارت کی۔ مکہ مکرمہ میں شیخ کبیر امداد اللہ تھانوی اور علامہ رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن کیرانوی سے ملاقات ہوئی اور مدینہ منورہ میں حضرۃ مولانا عبد الغنی بن ابی سعید دہلوی سے اور ان سے بہت فیض حاصل کیا اور جب مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا وصال ہوا اور مولانا سید احمد دہلوی بھوپال چلے گئے تو ۱۳۰۵ھ میں مولانا محمود حسن صدارتِ تدریس پر فائز ہوئے اور علومِ سنت کی تعلیم میں بے حد محنت کی۔ بہت سے طلبا فارغ ہوئے، بہتوں کی تربیت کی، اس عرصہ میں ان سے اللہ نے بہت نفع پہنچایا۔ انہوں نے ہند کو انگریز حکومت سے آزاد کرانے کے لئے ایک پروگرام بنایا جس میں چاہتے تھے کہ حکومتِ افغانستان اور خلافتِ عثمانیہ ان کی مدد کرے۔ اس کے لئے انہوں نے اپنے شاگردوں اور دیگر قابلِ اعتبار لوگوں کی ایک جماعت تیار کی، جن میں سب سے آگے مولوی عبید اللہ سندھی تھے جنہیں انہوں نے افغانستان بھیجا، ان کے توسط سے شیخ اور ان کے تلامذہ کے درمیان شمالی حدود اور افغانستان میں رابطہ قائم کیا گیا اور جب یہ کام کسی قدر مکمل ہو گیا اور زمین تحریک چلانے کے سلسلہ میں ہموار ہو گئی تو شیخ محمود حسن ۱۳۳۳ھ میں خود حجاز چلے گئے۔ مکہ میں ٹھہرے، والئ ترکی غالب پاشا سے تنہائی میں ملاقات کی، پھر مدینہ منورہ چلے گئے، وہاں انور پاشا وزیر جنگ اور جمال پاشا قائد افواج عثمانی چہارم سے ملاقات کی۔ جب وہ زیارت مدینہ کے لئے آئے تھے، ہند میں مسلمانوں کی اعانت کرنے اور انگریز کو نکالنے میں انہیں اپنا ہم نوا بنا لیا اور اہل ہند کے لئے ان سے خفیہ طور پر ایک خط لے لیا جس میں ہندی قضیہ کے حل کرنے کا وعدہ تھا اور جس میں اہل ہند کو شیخ محمود حسن کی امداد اور ان پر پورا اعتماد کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس معاہدہ کی نقول لے لی گئیں، جنہیں نہایت راز سے ہندوستان اور افغانستان بھیجا جانا تھا یہ نقول ہندوستان پہنچ گئیں اور شیخ محمود حسن چاہتے تھے کہ ایران کے راستہ سے آزاد شمالی حدود اور افغانستان میں پہنچانا چاہتے تھے۔ انہوں نے طائف کا سفر کیا اور مکہ واپس آ گئے اور کچھ عرصہ

وہاں رہے، وہاں درسِ بخاری جاری رہا، حج بھی کیا۔

یہ ۱۳۳۴ھ کی بات ہے۔ انگریز حکومت کو اس پروگرام کی اطلاع مل گئی اور خطوط بصورت "ریشمی رومال" کا بھی پتہ چل گیا۔ انگریز حکومت نے اس تحریک کے قائد کو پکڑنے کی ٹھان لی اور اپنی چکی چلائی۔ شریف حسین والئ مکہ عثمانی حکومت سے نکل چکے تھے۔ انہوں نے انگریز حکومت کو ان حضرات کے حوالے کر دینے کی کوشش کی۔ چنانچہ صفر ۱۳۳۵ھ میں انہیں گرفتار کرا لیا گیا، ان کے ساتھ مولوی حسین احمد فیض آبادی، حکیم نصرت حسین کوڑوی، مولوی عزیز گل اور مولوی وحید احمد بھی تھے۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو ان سب کو مصر کے لئے روانہ کیا گیا اور وہاں سے "مالٹا" بھیجے گئے جہاں ربیع الآخرہ ۱۳۳۵ھ کو پہنچے۔

شیخ محمود حسن تین سال اور چند ماہ مالٹا میں قید رہے۔ وہاں بھی ذکر و عبادت، تربیت و افادہ کا سلسلہ چلتا رہا۔ راضی بقضاء رب۔ حکیم نصرت حسین قید کے دوران ہی اپنے رب سے جا ملے۔ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ کو انہیں رہا کیا گیا اور ۲۰ رمضان کو ہندوستان پہنچے۔ اہل ہند نے نہایت تزک و احتشام سے استقبال کیا۔ اہل ہند کے دل ان کی طرف مائل ہو گئے۔ ان کے نام کے ساتھ "شیخ الہند" کا لقب عام و خواص میں مشہور ہو گیا۔ جس جگہ سے بھی گزرے عظیم استقبال ہوا اور لوگ ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے اور زیارت سے مشرف ہوتے تھے۔ اہل ہند نے ان کے استقبال میں ایک بہت بڑا جلسہ بھی کیا۔ انہیں قید نے کافی کمزور بنا دیا تھا اور شدتِ امراض کو ان کے قویٰ برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اب وہ زیادہ مشقت اور مجاہدہ کرنے کے قابل نہیں رہے تھے، مگر اس کے باوجود انہوں نے ان تمام چیزوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، ہندوستان کے تمام شہروں کا دورہ کرنے کی ٹھانی۔ علی گڑھ گئے، جہاں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا بنیادی پتھر رکھا، [illegible] اور فتویٰ دیا کہ انگریزی حکومت کے ساتھ بائیکاٹ کر دینا ہے۔ واپس دہلی آ گئے جہاں مرض اور ضعف میں اور اضافہ ہو گیا اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی میں وصال ہوا۔ آپ کا میت دہلی سے دیوبند

دیا گیا اور مسلمانوں کے ایک جمِ غفیر نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ اپنے استاذ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ بلندیٔ ہمت، بُعدِ نظر، عزیمت اللہ کے راستہ میں جہاد میں وہ اللہ کی ظاہر نشانی تھے۔ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ بُغض کافی بڑھا ہوا تھا۔ نہایت سادہ تھے۔ تکلف برائے نام بھی نہ تھا۔ بڑے متوکل اور بڑے دل والے تھے۔ بڑے فقیہہ تھے۔ نقلی اور عقلی علوم میں پوری مہارت تھی۔ تاریخ کا مطالعہ بھی بڑا وسیع تھا۔ شعر و ادب سے بھی لگاؤ تھا اور بہت زیادہ اشعار یاد تھے خود بھی شاعر تھے۔ آواز صاف تھی۔ کلام میں ایجاز تھا۔ آپ کے درس کا امتیاز تحقیق اور ایجاز تھا۔ لُبِّ لباب پر اقتصار کرتے۔ محدثین اور آئمہ مجتہدین کا بے حد احترام تھا۔ درمیانہ قد تھا۔ چلنے اور بات کرنے میں بڑا وقار تھا۔ ان کے مکھڑے سے ہمت اور تواضع کے آثار نظر آتے تھے۔ عبادت اور مجاہدہ کا نور ٹپکتا تھا۔ احباب اور تلامذہ کے ساتھ انبساط کے باوجود وقار اور ھیبت کا اثر دکھائی دیتا تھا۔ اپنے وسیع علم اور کثرتِ درس کے باعث تالیف و تصنیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ مگر اس کے باوجود سُننِ ابی داؤد پر ان کے حواشی اور تعلیقات ہیں جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل مسئلہ امکانِ کذب اور اس کے امتناع پر ان کی اردو میں کتاب ہے۔ ادلۃ الکاملہ محمد حسین بٹالوی کے دس سوالوں کے جواب میں، ایضاح الادلہ جو جواب ہے مصباح الادلہ کا جو کتاب ہے محمد احسن امروہی کی۔"[1]

مولانا مفتی عزیز الرحمن بجنوری لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ الہند کی زیادہ تصانیف تو نہیں ہیں اس لئے کہ ابتدائی پچیس تیس سال تو درس و تدریس میں مشغول رہے اور اس کے بعد کی زندگی مجاہدانہ سرگرمیوں میں مصروف نظر آتی ہے تاہم جس قدر بھی آپ کی یادگار کتابیں ہیں، مختصر تعارف کے ساتھ درج کی جاتی ہیں۔

[1] حکیم سید عبدالحی: نزھۃ الخواطر، حیدر آباد دکن۔ ۱۹۷۰ء ج ۸ صفحہ ۴۶۵ تا ۴۶۹ (عربی سے اردو)

۱۔ اَدِلّہ کاملہ:۔ یہ حضرۃ کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس کا دوسرا نام "اظہارِ حق" ہے۔ اس کتاب کی وجہ تالیف یہ ہے کہ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے مذہبِ حنفیہ پر اعتراض کرتے ہوئے ایک اشتہار شائع کیا تھا اور ہندوستان بھر کے حنفیوں کو چیلنج کر دیا تھا کہ رفع یدین، قراءت فاتحہ، آمین بالجہر وغیرہ دس مسئلوں کو اگر کوئی حنفی عالم قرآن اور حدیث سے ثابت کرے تو ہر مسئلہ کے عوض دس روپیہ انعام پائے گا۔ حضرۃ شیخ الہند نے اس چیلنج کو قبول کر لیا اور نہایت مدلّل جواب تحریر فرمایا ساتھ ہی گیارہ اعتراضات غیر مقلدوں کے مسلک پر قائم کر دیئے، جس کا آج تک کوئی جواب نہیں دے سکا کتاب کی عبارت میں شوخی اور جوش ہے۔

مولانا میاں اصغر حسین لکھتے ہیں کہ "حضرۃ مولانا نے استادِ مکرم کی اجازت و اشارہ سے قلم اٹھایا اور اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا جواب لکھا کہ قلم توڑ دیئے۔"[1]

۲۔ ایضاح الادلہ۔ یہ مصباح الادلہ کا جواب ہے۔ سب سے پہلے یہ کتاب ۱۲۹۹ھ میں میرٹھ سے شائع ہوئی۔ دوسری مرتبہ ۱۳۳۰ھ میں۔

۳۔ احسن القریٰ۔ ۱۳۱۲ھ میں یہ رسالہ لکھا گیا۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے۔

۴۔ جہد المقل۔ مولانا احمد حسن پنجابی نے امکانِ کذب کے مسئلہ میں حضرۃ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے معتقدین علماء پر سخت ترین اعتراضات کئے تھے۔ حضرۃ شیخ الہند نے ان اعتراضات کا نہایت محکم اور مسکت جواب تحریر فرمایا۔

۵۔ افادات۔ یہ رسالہ حضرۃ شیخ الہند کے دو مضمونوں وحی اور اس کی عظمت۔ "لا ایمان لمن لا امانۃ لہ" کا مجموعہ ہے۔ جو "افاداتِ محمودیہ" کے نام سے ۱۳۵۲ھ میں رسالہ کی صورت میں شائع ہوا۔

[1] مولانا میاں اصغر حسین، حیاتِ شیخ الہند: دیوبند۔ ۱۳۴۷ھ صفحہ ۱۴۹

۶۔ الابواب والتراجم: بخاری شریف کے ابتدائی چند تراجم ابواب کی مختصر شرح ہے اور اسارتِ مالٹا کی یادگار ہے۔

۷۔ کلیات شیخ الہند: حضرۃ کے منظوم کلام کا مجموعہ ہے جس کو مولانا میاں اصغر حسین نے شائع کروایا تھا۔ اس کتاب کو پڑھنے سے حضرۃ کا استاد سخن ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔

۸۔ حاشیہ مختصر المعانی۔ ۱۳۲۲ھ میں پہلی بار شائع ہوا۔

۹۔ تصحیح ابی داؤد۔ ۱۳۱۸ھ میں شائع ہوئی۔ مع تعلیقات۔

۱۰۔ فتاویٰ۔ یہ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔

۱۱۔ ترجمہ قرآن شریف: حضرۃ کا یہ بہت بڑا علمی کارنامہ ہے جس کی افادیت اور عمومیت ہندوستان کی حدود سے متجاوز ہوگئی ہے اور یہ مبارک تحفہ دنیا کے چپہ چپہ پر موجود ہے۔ سورہ نساء تک حواشی بھی آپ کے قلم سے ہیں۔ باقی آپ کے قابل شاگرد مولانا شبیر احمد عثمانی نے مکمل کیے۔

۱۲۔ مکتوبات شیخ الہندؒ۔ شیخ الہند کے مکتوبات کا مجموعہ۔[1]

سلوک و تصوف | حضرت شیخ الہندؒ کو حضرۃ مولانا محمد قاسم، حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔ تینوں حضرات سے اجازت بیعت اور خلافت حاصل تھی۔[2]

حضرۃ شیخ الہند کے خلفاء | میں مولانا ضرغام الدین مظفرنگری، مولوی صوفی محمد اکرم پنجابی، مولانا محمد سہول بھاگلپوری، مولانا وارث حسن، مولانا فقیر اللہ رائے پوری وغیرہم حضرات ہیں۔[3]

وصال سے کچھ پہلے | ڈاکٹر اقبال حسن لکھتے ہیں: "۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۲۰

---

[1] مولانا مفتی عزیز الرحمن بجنوری: تذکرہ شیخ الہند، بجنور ص ۹۰، ۹۱

[2] 〃 〃 〃 ص ۹۹

[3] مولانا میاں اصغر حسین: حیات شیخ الہند، دیوبند ۱۳۴۶ھ ص ۱۹۳

کی حالت بالکل مایوس کن ہوگئی۔ اسی حالت میں تھوڑی دیر کے لئے قدرے سکون ہوا تو سر اٹھا کر فرمایا کہ "مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں۔ تمنا تو یہ تھی کہ میں میدانِ جہاد میں ہوتا اور اعلائے کلمۃ الحق کے جرم میں میرے ٹکڑے کیے جاتے۔"[1]

تین مرتبہ بلند آواز سے اللہ اللہ کہا۔۔۔ سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع کی گئی و الیہ ترجعون کی آواز پر قبلہ رو ہو کر ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ دیکھتے دیکھتے علم و حکمت کی وہ شمع جس نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک ظلمت کدۂ ہند کو روشن کر رکھا تھا وہ ہمیشہ کے لئے گل ہوگئی۔[2]

شیخ الہند کی اولاد | ۲۲ سال کی عمر میں آپ کے والد مولانا ذوالفقار علی صاحب نے معزز و شریف خاندان کے متوسط الحال رئیس منشی فہیم الدین صاحب کی صاحبزادی سے اپنی عزت و وجاہت کے شایانِ شان شادی کر دی۔ مولانا کے ایک صاحبزادے اور کئی صاحبزادیاں کم سنی میں وفات پاگئیں۔ ان کے بعد چار صاحبزادیاں اور رہ گئیں اور ان سب کی شادی اپنی حیات میں آپ نے کی۔ چاروں صاحبزادیاں یہ ہیں۔ ۱۔ امّ ہانی۔ ۲۔ میمونہ۔ ۳۔ حسینہ۔ ۴۔ بتول۔

---

[1] اقبال حسن: شیخ الہند مولانا محمود حسن: علی گڑھ۔ ص ۱۵۲

[2] ڈاکٹر اقبال حسن: شیخ الہند مولانا محمود حسن (مقالہ پی ایچ ڈی) علی گڑھ۔ ص ۱۵۳

سب سے بڑی صاحبزادی ام ہانی کا انتقال مولانا کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ ان کے دو لڑکے مولانا محمد عثمان صاحب اور حافظ محمد حیات صاحب ہیں۔

دوسری صاحبزادی میمونہ کے صرف ایک صاحبزادے ہیں اور تیسری صاحبزادی حسینہ لاولد تھیں۔

چوتھی صاحبزادی محترمہ بتول صاحبہ ابھی بقید حیات ہیں۔ عمر تقریباً ۸۲ سال ہے۔ ان کے دو لڑکے مولوی ہارون صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند اور دوسرے ممنون صاحب ہیں۔ ان کے علاوہ تین صاحبزادیاں بھی ہیں۔ مدرسہ عبدالرب کشمیری گیٹ دہلی میں مولانا کے بھانجے محبوب الٰہی صاحب صدر مدرس اور نواسے مدرس دوم ہیں۔[۱]

اخلاقی خوبیاں | آپ بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ دیکھنے والے کو آپ کے اخلاق میں ایک ایک خوبی اپنی طرف کھینچتی تھی۔ تواضع کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم سے نوازا ہوتا تو اپنے کو اس قدر مٹاتے کہ محمود نام کا کوئی رہ نہ جاتا۔"[۲]

حضرت شیخ الہند کی زندگی میں بڑی سادگی تھی۔ گفتار، کردار، عادات و اطوار اور لباس کسی طور پر برتری کا اظہار نہ فرماتے۔ غرباء اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے۔ امراء اور اہل دنیا کے تکلفات سے گھبراتے تھے۔ تواضع و خاکساری طبیعت میں بہت زیادہ تھی۔ ایک مرتبہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کان پور کے جلسۂ دستار بندی میں وعظ فرما رہے تھے بڑا اہم مضمون بیان فرما رہے تھے جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا۔ تقریر کے دوران دیکھا کہ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی بھی آ کر بیٹھ گئے۔ فوراً تقریر بند کر کے بیٹھ رہے۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ بیٹھ کیوں گئے؟ یہی تو وقت تھا تقریر کا۔ فرمایا: کہ ہاں! مجھ

---

[۱] اقبال حسن خان: مولانا محمود حسن: علی گڑھ ص ۱۲۲

[۲] مولانا میاں اصغر حسین: حیات شیخ الہند، دیوبند، ۱۳۶۹ھ ص ۱۹۴

کو یہی خیال آیا اسی لئے تو بند کر دیا کہ یہ تو اظہار علم کے لئے ہوگا، نہ کہ اللہ کے لئے۔"[۱]

مکاتیب سے اقتباس | اسارت مالٹا کے دوران اہلیہ محترمہ کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

"دنیا میں کوئی چیز یونہی نہیں ہو جاتی۔ جو کچھ ہوتا ہے اس کا کرنے والا حق تعالیٰ ہے۔ ہر کام میں اس کی حکمتیں اور رحمتیں ہیں، جن کو وہی جانتا ہے۔ تمام دنیا کو اس نے پیدا اور آباد کیا۔ پھر ایک دن سب کو فنا کر دے گا اور پھر سب کو نئے سرے سے پیدا کرے گا۔ اس کے ہر حکم کو حق سمجھنا چاہیے۔ راحت ہو یا مصیبت ہمت کر کے سر پر رکھ لینا چاہیے اور اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔"

"خدا کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی پر نظر رکھو اور اسی سے دعا کرو۔ دنیا کے تمام قصے جھگڑے ختم ہو جانے والے ہیں۔ اس لئے زیادہ خیال کرنے کے لائق نہیں۔ صبر اور سکوت سے جس طرح ہو سکے اپنے دن گذارو اور اللہ کی رحمت سے متوقع اور اس کی ناراضی سے ڈرتے رہو۔"

"دنیا بہت گندی اور ناپائیدار ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے امید رکھنا بالکل غلط ہے۔ جو احسان کرے اس کا احسان ماننا چاہیے اور اللہ کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے اپنے کسی بندے سے ہم کو نفع پہنچایا اور جو احسان نہ کرے اس کی شکایت ہرگز نہ چاہیے۔"

"بات قابل فکر صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے اور کوئی امر قابل فکر و اندیشہ نہیں۔ آدمی کی سعادت اور خوش قسمتی بس یہی ہے کہ اپنے اللہ رحیم کریم کو کسی حال میں نہ بھولے اور جہاں تک ہو سکے اس کے حکم مانے۔ باقی کوئی چیز چنداں اعتبار کے قابل نہیں۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔"

"بندہ کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ مالک حقیقی کے حکم کو گو وہ نفس پر کتنا ہی شاق ہو

---

[۱] مولانا میاں اصغر حسین: حیات شیخ الہند، دیوبند، ۱۳۶۹ھ ص ۱۶۵

بصبر و رضا سر پر کھے اور اس کی رحمت پر بھروسہ رکھے۔ پریشان نہ ہو۔ اس کی قدرت و رحمت میں سب کچھ ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کوئی چیز لاعلاج نہیں تکلیف کو راحت، راحت کو تکلیف کر دینا اس کو ہرگز دشوار نہیں۔"

ایک صاحبزادی کے انتقال پر اہلیہ محترمہ کو ان کے متعلق ہدایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اپنے آگے چلی جانے والی لڑکی کو ثواب رسانی مت بھولیو تمہیں اکثیر جو ممکن ہو وقتاً فوقتاً اس کو ثواب میں یاد رکھو۔"[1]

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی تحریر فرماتے ہیں۔

"۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ سہ شنبہ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ دنیا سے رخصت ہوئے مگر اس طرح کہ دنیا کے جم غفیر کو اپنا والد شید ابنا کر اور علمی و عملی ایسی یادگار چھوڑ گئے، جو عرصہ دراز تک قائم رہے گی۔ وفات کا مادۂ تاریخ یہ ہے ع

عالم کی موت جان لو عالم کی موت ہے"[2]

<u>ممتاز ترین تلامذہ</u> آپ کے ممتاز ترین تلامذہ میں درج ذیل حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
۲۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ
۳۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ
۴۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ
۵۔ مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہان پوریؒ
۶۔ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند
۷۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
۸۔ مولانا محمد میاں انصاریؒ عرف مولانا منصور
۹۔ مولانا سید احمد مہاجر مدنی۔ بانی مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ
۱۰۔ مولانا اعزاز علی۔ شیخ الادب، دارالعلوم دیوبند

[1] مولانا سید اصغر حسین: حیاتِ شیخ الہند: دیوبند ۱۳۴۷ھ صفحہ ۱۱۰، ۱۱۱
[2] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الخلیل: کراچی ۱۹۷۱ء صفحہ ۱۸۲

۱۱۔ مولانا سید فخرالدین مراد آبادی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند
۱۲۔ مولانا عبدالسمیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند۔
۱۳۔ مولانا محمد صدیق مہاجر مدنی
۱۴۔ مولانا محمد صادق کراچی۔
۱۵۔ مولانا عُزیر گل۔ ساکن سخاکوٹ، صوبہ سرحد
۱۶۔ مولانا عبدالوہاب دربھنگوی
۱۷۔ مولانا عبدالصمد رحمانی
۱۸۔ مولانا عبدالرحیم پوپلزئی۔ پشاور
۱۹۔ استاذ الاساتذہ مولانا غلام رسول ساکن بفہ ہزارہ، صوبہ سرحد۔
۲۰۔ حضرۃ مولانا محمد رسول خان صاحب۔ ہزارویؒ۔ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، استاذ اورینٹیل کالج جامعہ پنجاب و جامعہ اشرفیہ لاہور۔ مجاز حضرۃ تھانویؒ[1]
۲۱۔ مولانا سید حامد حسن گنگوہیؒ
۲۲۔ مولانا رحمت اللہ نہٹوری
۲۳۔ مولانا احمد اللہ پانی پتی
۲۴۔ مولانا فضل ربی ساکن بفہ ہزارہ صوبہ سرحد
۲۵۔ شیخ التفسیر حضرۃ مولانا احمد علی لاہوریؒ[2]
۲۶۔ مولانا محمد اکبر پشاوری
۲۷۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ
۲۸۔ مولانا محمد الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:

"حضرۃ مولانا الحاج المولوی محمود حسن صاحب مدرس اول مدرسہ عالیہ دیوبند دامت فیوضہٗ آپ نسباً عثمانی شیخ زادہ ہیں۔ علوم دینیہ میں خصوصاً حدیث کے اندر شہرۂ آفاق اور بخاریٔ وقت ہیں۔ کمالاتِ علمیہ و عملیہ سے مالامال اور دولتِ شریعت و طریقت کے بادشاہ ہیں۔ اپنی حالت کا اخفاء اور کتمان اس درجہ ہے کہ خواص کو پتہ لگنا دشوار ہے۔ حضرۃ مولانا قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں۔ اس وقت آپ کی بابرکت ذات سے کئی سو بلکہ کئی ہزار علماء محدثین بن چکے ہیں۔ اس وقت

[1] آپ کی مستقل سوانح راقم الحروف کے قلم سے ۱۷۶ صفحات میں شائع ہو چکی ہے۔
[2] شیخ التفسیر مولانا احمد علی اور ان کے خلفاء۔ راقم کے قلم سے ۳۲۶ صفحات میں چھپ چکی ہے۔

ہندوستان میں اگر آپ کو اُستاذُ الکل کا خطاب دیا جائے تو بجا ہے۔ کبرِ نفس اور تواضع کا سبق آپ کے قدم قدم پر ہر حرکت و سکون سے حاصل ہوتا ہے۔ بایں وجہ بیعت لینے سے عموماً اپنے کو بچایا مگر جوہر کو کتنا ہی گودڑ میں دبائیے اور مشک کو کیسا ہی کپڑوں میں چھپائیے کھُلے اور دہکے بغیر نہیں رہتا۔ آخر طالبین نے دامن پکڑا اور الحمد للہ ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ مولانا ممدوح کو چونکہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تعلق زیادہ تھا اس لئے آسمان ہدایت کے ہر دو نیّرین کے رنگ و نسبت سے مستفیض ہیں۔ مولانا کی مدتوں عادت رہی کہ جمعہ کے دن علی الصباح دیو بند سے پاپیادہ گنگوہ پہنچتے اور جمعہ کی نماز حضرۃ امام ربّانی کے پیچھے ادا فرما کر رات کو دیو بند آ لیتے تھے، کیونکہ صبح کو مدرسہ میں درس دینا تھا۔ ہر ہفتہ ایک دن میں چالیس کوس کی مسافت کا طے کرنا جس غلبہ شوق و محبت میں ہوتا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ تکان نہ مانتے تھے۔ حضرۃ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو چپ چاپ جا پہنچتے اور عام خدام کی طرح بیٹھ جاتے تھے۔ ایک بار حضرۃ نے آپ کے متعلق یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ "مولوی محمود حسن تو علم کا کٹھلا ہیں"۔[۱]

شاہ سراج الیقین لکھتے ہیں: "آپ اکابر اور مشاہیر علمائے ہندوستان میں ہیں اور مدرسہ عالیہ دیوبند کے مدرسِ اعلیٰ ہیں۔ آپ حضرۃ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ اس زمانہ میں ہند میں علم حدیث میں آپ کا کوئی ہم پایہ نہیں ہے اور آپ حدیث میں استاذ الکل سمجھے جاتے ہیں۔ آپ مکارمِ اخلاق کے جامع اور نمونۂ خلق نبوی ہیں۔ مزاج میں سادگی اور انکسار بے حد ہے۔ لباس موٹا اور بالکل سادہ استعمال کرتے ہیں۔ آپ صاحب تصانیف بھی ہیں مناظرہ میں آپ کی بعض کتابیں نہایت عمدہ ہیں"۔[۲]

---

[۱] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید: دہلی، بلا تاریخ۔ ج۲، ص۱۵۵

[۲] شاہ سراج الیقین: شمس العارفین: لاہور ۔ ص۸۲

حضرت مولانا شاہ وارث حسنؒ

حضرۃ مولانا شاہ وارث حسن، شاہ امتیاز حسن بن شاہ محمد حسن کے فرزند تھے حسینی سید ہیں۔ سلسلۂ نسب سیدنا امام حسینؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ حضرۃ مخدوم جہانیاں ثانیؒ گزرے ہیں۔ وہ اپنے والد ماجد شاہ بہاء الدین کے شاگرد و خلیفہ تھے۔

آپ کا وطن کوڑہ جہاں آباد ہے جو آپ ہی کے بزرگوں کا آباد کیا ہوا ہے۔ یہ مقام پہلے جنگل تھا اور اس جنگل میں گھاس کن کوڑہ بہت تھا اس لئے لوگوں نے اس مقام کا نام کوڑہ رکھ دیا۔ شاہجہان بادشاہ جب اپنی شاہزادگی کے زمانہ میں اس خاندان میں مرید ہوا تو اس نے کوڑہ شریف سے متصل "شاہجہان آباد" آباد کیا جو اب جہان آباد کے نام سے مشہور ہے۔ اسی بنا پر کوڑہ شریف کو کوڑہ جہاں آباد کہتے ہیں۔

ولادت حضرۃ شاہ وارث حسن کی ولادت ۱۲۸۲ھ میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت سات برس کی عمر میں قرآن مجید ختم کر لیا اور فارسی کی چند کتابیں بھی پڑھ لیں۔ سات برس کی عمر سے صوم و صلوٰۃ کی پابندی آپ کا دستور العمل رہی۔ والد ماجد کی وفات کے بعد آپ کے ماموں صاحب نے آپ کی سرپرستی اختیار کی اور مثل اپنی اولاد کے آپ سے محبت رکھی۔ پھر عربی شروع کی اور انیس سال کی عمر

میں فارغ التحصیل ہو گئے۔[1]

درس و تدریس فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا اور منتہیوں کو بڑی بڑی کتب کا درس دیتے رہے۔ درس و تدریس کے ساتھ آپ نہایت ہی مخفی طور پر حصولِ طریقت اور اذکار و اشغال میں منہمک رہے۔ عالمانہ شہرت آپ کی اس مرتبہ پر پہنچ چکی تھی کہ بڑے بڑے لوگ آپ سے تحصیلِ علم کے متمنی ہوئے۔

سلسلہ کی ترویج و اشاعت آپ کی مؤثر، کیف آور، کیف پرور صحبتیں، آپ کی تعلیم و تلقین، آپ کی نصیحتیں اور تقریریں، آپ کے ملفوظات، ذکر و توجہ کے آپ کے حلقے، رات دن قال اللہ و قال الرسول میں آپ کا انہماک، لوگوں کے دلوں میں رغبت الی اللہ کی آگ دہکانا، طاعت و عبادت کا شوق بھڑکانا، مریدین سے اولاد کی سی محبت، ان کی فلاح و بہبود کی کوشش میں اپنی جان کو تکلیف میں ڈالنا اور اس تکلیف سے مسرور ہونا، یہ اور اس کے علاوہ بے شمار خصوصیات ایسی ہیں جن کا صرف دیکھنے اور برتنے ہی سے تعلق ہے۔ اعلیٰ درجہ کی کرامات وہی ہوتی ہیں جو تصرف فی القلب سے متعلق ہوں۔ ان معنوی کرامات میں حضرت نے جس ممتاز شان کا اظہار فرمایا ہے۔ اس کا کسی قدر اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ چلتے پھرتے نظر آئیں گے جو برے تھے مگر حضرت کے فیض توجہات سے اچھے ہو گئے، بد عقیدہ تھے، خوش عقیدہ ہو گئے۔ دہریئے تھے باخدا بن گئے۔ فاسق و فاجر تھے عابد و زاہد ہو گئے

---

[1] آپ نے دو سال دار العلوم دیوبند کے فاضل اساتذہ سے تعلیم حاصل کی پھر قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ پھر انہی سے بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کے بعد ان سے خلافت حاصل کی (قاری فیوض الرحمٰن: مشاہیر علماء ص۶۵۹)

صالح و پرہیزگار بن گئے۔ مغربیت کے مرض میں مبتلا اور لامذہبی کی تاریکی سے اندھے جس کثرت سے حضرت کی نظرِ فیض اثر سے صراطِ المستقیم پر آئے ہیں اس کی نظیر اس زمانہ میں کہیں اور نظر نہیں آتی۔[1]

مولانا سید شاہ تسلی حسن صاحب وارث حسنی چشتی تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے فیوض و برکات کا کون منکر ہو سکتا ہے۔ دور نہ جایئے ابھی حضرۃ مولانا شاہ وارث حسن صاحب کوڑہ جہان آبادی چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے والے حضرات بکثرت موجود ہیں، ان سے حضرت مولانا کی شانِ تقدس کو پوچھیے، آپ کی کرامات کے تذکرے ان سے سنیئے، کس قدر خلق آپ کے حلقۂ ارادت میں آئی، کتنے لوگوں کو آپ سے راہِ حق حاصل ہوئی، کیسے کیسے منکرینِ خدا اور دہریئے آپ کے کلمات طیبات کے اثر سے کلمہ طیبہ پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے۔ آپ حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید تھے۔[2] آپ کو اجازت و خلافت حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے حاصل تھی۔ سبحان اللہ! آپ کے فیوض و برکات کے دریا نے سب کو سیراب کیا، اپنے پرائے سب کو فیض یاب کیا۔ آپ نے علم سینہ کو سفینہ بنا دیا۔ آپ کی تالیف شمامۃ العنبر کی خوشبو سے عالم مہک گیا۔ اب کیا ہے جو چاہے اس نایاب جوہر کو بسہولت حاصل کرے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب میں وہ اذکار و اشغال اور وہ اوراد و اعمال درج ہیں، جو اب تک نہ کبھی چھپے اور نہ عام طور پر ظاہر ہوئے، بلکہ سینہ بہ سینہ محفوظ و منقول رہے۔ اب مولانا کی فیاضی سے ہر شخص نفع حاصل کر سکتا ہے۔

---

[1] سید محمد ذوقی شاہ: شمامۃ العنبر: بمبئی: ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء ص۱۳ تا ۱۵ سے اقتباس

[2] آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی، بعد میں حضرت حاجی صاحبؒ نے بھی اجازت

ع لگ گئے ہیں جواہرات کے ڈھیر
اب بھی کوئی نہ لے تو ہے اندھیر [1]

علامہ حکیم سید عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: "شیخ نیک عالم وارث حسن بن امتیاز حسن الحسینی حنفی کوڑوی عالم باعمل اور اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔ ولادت اور نشوونما کوڑا ضلع فتح پور میں ہوئی۔ تحصیلِ علم کے لئے سفر کیا اور درسی کتابوں کی تحصیل مدرسہ عالیہ دیوبند کے اساتذہ سے کی پھر گنگوہ گئے اور شیخ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے درسِ حدیث بھی لیا اور سلوک کی تکمیل بھی کی۔ پھر حجاز کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں حضرۃ حاجی امداد اللہ بن محمد امین تھانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عرصہ رہ کر تحصیل سلوک کی پھر ہندوستان واپسی ہوئی۔ بنارس اور مظفر پور کے شہروں میں ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے۔ پھر یکسر ان مصروفیات ختم کر دیں۔ مختلف شہروں کی سیاحت کی۔ شیخ حسین علی نقشبندی اور دیگر بزرگوں سے بھی استفادہ کیا۔ پھر لکھنؤ کی بڑی جامع مسجد ٹیلہ پیر محمد لکھنوی میں اقامت اختیار کی انہیں بہت ہی مقبولیت حاصل ہوئی اور ان سے بہت مخلوق نے نفع اٹھایا۔ ان میں مجسٹریٹ، وکلا، اہل وجاہت اور دیگر ملازمین شامل ہیں۔ ان لوگوں کے حال ٹھیک ہو گئے اور اخلاق سنور گئے اور ان کے اوقات ذکر و فکر میں گزرنے لگے۔ وہ بہت وسیع المشرب تھے

ان کی وفات ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ میں ہوئی۔ نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ وہیں ٹیلہ میں مسجد کے سامنے دفن کئے گئے۔" [2]

---

[1] - مولانا تسلی حسن شاہ: شمامۃ العنبر: بمبئی: ۱۹۵۸ء (پیش لفظ طبع ثانی)، ص ج
(یہ کتاب محترم جناب کیپٹن واحد بخش صاحب کی عنایت سے ملی، فجزاہ اللہ خیرا)

[2] - مولانا حکیم عبدالحی: نزھۃ الخواطر: کراچی: ۱۹۷۶ء: ج ۸ ص ۱۱۲ (عربی سے اردو)

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں:

"آپ مشہور صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ حضرۃ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ دار العلوم میں تعلیم حاصل کی۔ انگریزی دان طبقہ بالخصوص گورنمنٹ کے بڑے بڑے عہدیدار آپ سے زیادہ مستفید ہوئے۔ ابتدا عہد میں آپ سے بعض خوارق کا ظہور بھی ہوا ہے۔ ریاضت کافی کی اور آپ پر اس کے اثرات نمایاں تھے۔" [1]

"کوڑا جہان آباد وطن تھا۔ ۱۳۱۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۱۲ھ میں تحصیلِ علم سے فراغت پائی۔ پھر حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے سلوک کی تکمیل کر کے خلافت حاصل کی۔ پھر حجاز چلے گئے۔ وہاں شیخ المشائخ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ کر ان سے بھی خلافت حاصل کی۔

تدریسی خدمات | آپ نے کچھ عرصہ بنارس اور مظفر پور میں بطور صدر مدرس تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر ملازمت ترک کر کے لکھنؤ آ گئے اور یہیں اقامت اختیار کر کے رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ انگریزی داں طبقہ ان سے زیادہ مستفید ہوا۔ استفادہ کرنے والوں میں جج، وکیل اور بڑے بڑے افسر اور رئیس شامل تھے۔

۱۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ کو وصال ہوا۔ جامع مسجد ٹیلہ شاہ پیر محمد لکھنؤ کے قریب مدفون ہیں۔" [1]

مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں:

"حاجی وارث حسن صاحب بھی حضرۃ مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عمدہ خلفاء میں ہیں اور مشائخانہ طریقہ اور صوفیانہ لباس رکھتے ہیں۔" [2]

آپ کے خلفاء میں ایک شاہ سید محمد ذوقی فرخ آبادی (۱۸۷۷ء-۱۹۵۱ء) تھے اور

---

[1] مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دار العلوم دیوبند: کراچی: ۱۹۷۲ء ص ۶۴، ۶۵

آگے ذوقی شاہ صاحبؒ کے خلفا میں حضرۃ خواجہ شہید اللہ صاحب فریدی (نو مسلم انگریز) ہیں۔

حضرۃ ذوقی شاہ صاحبؒ کا وصال ۱۹۵۱ء میں میدانِ عرفات میں ہوا۔ انہوں نے اپنے شیخ حضرۃ شاہ وارث حسنؒ کے ملفوظات تربیۃ العشاق نامی کتاب (دو جلد[۱]) میں جمع کئے ہیں۔ اس کتاب کے ص ۱۱۹ پر عنوان یہ ہے۔

"حضرۃ اقدس (شاہ وارث حسن) کو حضرۃ حاجی صاحب اور مولانا گنگوہی سے خلافت"

"ملفوظ ملاحظہ ہو"[۳]

---

[۱] قاری فیوض الرحمان: مشاہیر علماء دیو بند: لاہور ۱۹۷۶ء ج ا ص ۶۵

[۲] مولانا مشتاق احمد: انوار العاشقین: حیدر آباد دکن: ۱۹۱۲ء ص ۳۰

[۳] سید محمد ذوقی۔ تربیۃ العشاق، کراچی ۱۹۷۲ء: محفل ذوقیہ طبع دوم ص ۱۱۹، ۱۲۰

مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندیؒ

آپ ۱۲۷۵ھ کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ظفر الدین تھا۔ عثمانی شیوخ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا فضل الرحمن کے بڑے صاحبزادے اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے بڑے بھائی تھے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمان بجنوری لکھتے ہیں کہ تعلیم و تربیت آپ کی اکابرین دیوبند کی آغوش میں ہوئی ہے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے بیشتر کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۹۰ھ میں آپ فارغ التحصیل ہوئے اور مندرجہ ذیل حضرات کے ساتھ دستار بندی ہوئی۔

۱۔ مولانا مفتی عزیز الرحمن۔ ۲۔ مولانا احمد سکندر پوری (ہزاروی) ۳۔ مولوی محمد اسحاق صاحب فرخ آبادی۔ ۴۔ مولوی بشیر احمد صاحب ہندولہ۔ ۵۔ مولوی منفعت علی صاحب دیوبندی ۶۔ مفتی رحیم بخش صاحب شیرکوٹی ۷۔ مولوی سراج الحق صاحب دیوبندی۔

فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند میں بلا تنخواہ مدرس مقرر ہوئے۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ رامپور[۱] بغرض تدریس تشریف لے گئے اور ۱۳۰۹ھ تک آپ وہاں بمشاہرہ دس روپیہ ماہوار مدرس

---

[۱] مولانا قاری عبداللہ سلیم لکھتے ہیں کہ فراغت کے بعد بسلسلہ تعلیم و تدریس میرٹھ تشریف لے گئے اور قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں۔ (۱۲۹۰ھ تا ۱۳۰۹ھ مدرس۔ ۱۳۱۰ھ تا ۱۳۴۶ھ مفتی) ہے۔

مؤخر الذکر اندراج سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند ہی میں تدریس کی۔

رہے۔ ۱۳۰۹ھ میں آپ کو دار العلوم دیوبند کا نائب مہتمم بنایا گیا اور ۱۳۱۰ھ میں آپ کو دار العلوم دیوبند کا مستقل مفتی بنا دیا گیا۔[۱]

مولانا قاری مفتی عبداللہ سلیم لکھتے ہیں: افسوس کہ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ تک دار الافتاء میں فتاویٰ کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا۔ نقولِ فتاویٰ کا سلسلہ ذیقعدہ سنہ مذکور سے شروع ہوا اس وقت سے اب تک کا ریکارڈ دار الافتاء میں محفوظ ہے مفتی اعظم کا پندرہ سالہ فتاویٰ کا ریکارڈ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران آپ کے تحریر فرمودہ فتاویٰ کی مجموعی تعداد ۲۵۱۹ ہے جو ۵۶۱،۳۷ خطوط کی صورت میں روانہ کئے گئے۔

حضرت مفتی صاحب کو فنِ افتاء میں اس قدر مہارت ہو گئی تھی کہ مشکل ترین معاملات پر بھی برجستہ فتویٰ تحریر فرما دیتے تھے۔ آپ کی حیات ہی میں ملک کے طول و عرض میں آپ کے فتویٰ کو درجہ استناد حاصل ہو گیا تھا۔ فتاویٰ میں آپ کا طرزِ تحریر نہایت جامع ہے اور یہی اس دور کے اکابر کا دستور بھی تھا۔ حضرت مفتی صاحب کو علومِ ظاہری پر جس طرح درک تھا اسی طرح روحانیت اور تصوف اور اخلاقِ باطنی میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ مہتمم اول دار العلوم سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ کرامات و تصرفات کے بہت واقعات آپ کی طرف منسوب ہیں جن کے دیکھنے اور جاننے والے آج بھی دیوبند میں موجود ہیں۔ مزاج میں از حد سادگی تھی۔ اہلِ محلہ کا سودا سلف خود ہی بازار سے لاتے تھے۔

۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ / دسمبر ۱۹۲۸ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور قبرستان قاسمی میں دفن ہوئے۔ حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی رکن مجلس شوریٰ دار العلوم اور جناب قاری جلیل الرحمن صاحب استاذ تجوید دار العلوم آپ کے صاحبزادگان ہیں۔[۲]

---

[۱] مفتی عزیز الرحمن بجنوری: تذکرہ مشائخ دیوبند، کراچی - ۱۹۶۴ء ص ۲۰۰

[۲] مولانا قاری محمد عبداللہ سلیم: دار الافتاء دار العلوم دیوبند: الرشید لاہور: ۱۹۷۶ء ص ۲۰۶، ۲۰۷

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں:

۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں دار الافتاء کے عنوان سے مستقل شعبہ قائم کیا گیا اور حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب عثمانی کا انتخاب اس اہم خدمت کے لئے عمل میں آیا حضرت ممدوح اپنے زمانہ کے یگانہ روزگار عالم اور زبردست فقیہہ ہونے کے علاوہ زہد و تقویٰ میں بھی امتیازی حیثیت رکھتے تھے اور ایک مقدس بزرگ سمجھے جاتے تھے۔[۱]

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"اب اس مہینہ ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ کو دائرۃ قاسمیہ کے مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب نے ۷۱ برس کی عمر میں دیوبند میں مرضِ فالج انتقال کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم نے مولانا مملوک علی صاحب اور مولانا فضلِ رحمان گنج مراد آبادی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے ظاہر و باطن کا فیض اٹھایا تھا۔ کم سخن، متین، حلیم اور سادہ مزاج تھے تقویٰ اور دینداری ان کے چہرہ کمال کا خط و خال تھی۔ حدیث کی درس و تدریس کے ساتھ کتبِ فقہ کی جزئیات پر ان کی وسعتِ نظر بدرجہ اتم تھی۔ فتاویٰ کے جوابات مختصر لیکن مدلل دیتے تھے اور بیالیس برس تک اس خدمت کو انجام دیا ایسے متقی اور محتاط فقیہہ اور محدث آئندہ کہاں پیدا ہوں گے۔"[۲]

---

[۱] سید محبوب رضوی: تاریخ دیوبند، دہلی: ۱۹۵۲ء ص ۱۳۱

[۲] مولانا سید سلیمان ندوی: یادِ رفتگاں، کراچی: جنوری ۱۹۵۵ء مکتبۃ الشرق: ص ۹۰

قاری فیوض الرحمن: مشاہیر علماء دیوبند: لاہور ۱۹۷۵ء ص ۳۵۸ تا ۳۶۰

مولانا قادر بخش سہسرامیؒ

الشیخ العالم الفقیہ قادر بخش بن حسن علی حنفی سہسرامی وعظ و نصیحت کرنے والے علماء میں سے تھے۔ ۱۲۷۳ھ میں سہسرام میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم اپنے والد مولوی احمد حسین سہسرامی اور قاضی نور حسین گھاٹوی سے کی پھر مرزاپور جاکر سید معین الدین کاظمی سے استفادہ کیا اور لکھنؤ میں علامہ عبدالحی بن عبدالحلیم انصاری سے درس نظامی کی اکثر بلند پایہ کتابیں پڑھیں کچھ کتابیں مولانا محمد نعیم بن عبدالحکیم لکھنوی سے بھی پڑھیں۔ پھر پانی پت گئے۔ شیخ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے اور مرادآباد میں مولانا فضل رحمٰن بن اہل اللہ سے سندیں حاصل کیں۔ پھر حجاز کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور سید احمد بن زین دحلان شافعی مکی اور شیخ حبیب الرحمٰن ردولوی مہاجر سے اجازت حدیث حاصل کی۔ پھر واپس ہندوستان آئے اور یہاں وعظ و نصیحت اور درس و تدریس کا سلسلہ ریاست گھگڑپور پٹنہ میں شروع کیا۔

ان کی تصانیف میں التقریر المقبول فی فضل الصحابۃ واہل بیت الرسول، اربعین اخبر لتقلید رفع الارتیاب، غایۃ المقال، تحفۃ الاتقیا او ہجور الاشقیا، علی ریحانۃ سید الانبیاء ہیں۔

رجب ۱۳۲۷ھ میں وصال ہوا۔[1]

امداد صابری لکھتے ہیں:

---

[1] حکیم سید عبدالحی: نزھۃ الخواطر: کراچی: ۱۹۷۶ء ج ۸ ص۳۴۱ (عربی سے اردو)

"مولانا حکیم قادر بخش | آپ سہسرام کے باشندے اور حکیم حسن علی صاحب کے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ متعدد علماء کرام سے تکمیل علوم کی اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت ہوئے۔ آپ بسبب عرصہ تک ریاست گھگڑ ضلع پورینہ میں طبابت کرتے تھے اور وہیں کی جامع مسجد کی امامت کرتے تھے۔ ۱۳۲۵ھ میں انتقال ہوا۔"[1]

امداد صابری صاحب نے تاج التواریخ کے حوالے سے تاریخ وفات ۱۳۲۵ھ لکھی ہے مگر علامہ سید عبدالحی صاحب نے ۱۳۲۷ھ لکھی ہے۔ مؤخر الذکر تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے اول الذکر سے بہرحال فائق ہیں۔ واللہ اعلم۔

---

[1] امداد صابری: حضرۃ حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء: دہلی: ۱۹۵۱ء ص۱۳۹ بحوالہ تاج التواریخ ص۲۲/۱۴

مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فرزند ہیں۔ ۱۲۰۹ھ/۱۸۶۲ء کو "نانوتہ" میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم | قصبہ رام پور منہیاراں ضلع سہارنپور کے جید حافظ نور محمد صاحب سے ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر والد صاحب نے مدرسہ اسلامیہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں ابتدائی تعلیم کی غرض سے بھیج دیا۔ وہاں آپ مولانا عبد اللہ انبیٹھوی سے پڑھتے رہے۔ ازاں بعد مدرسہ شاہی "مراد آباد" میں داخل لیا۔ یہاں اپنے والد کے نامور شاگرد مولانا احمد حسن امروہی محدثؒ سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔ بعدہٗ والد صاحب نے خود تعلیم دینے کے لیے دیوبند بلا لیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت نانوتویؒ کا وصال ہوگیا۔ بقیہ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں پوری کی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے معقول و ادب کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے ترمذی شریف کے چند سبق پڑھے۔

اعلیٰ تعلیم | دورہ حدیث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

تدریس | ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء میں بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوا اور مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی۔

۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء میں حضرت گنگوہیؒ کے مشورے سے دارالعلوم کا اہتمام آپ کے سپرد کیا گیا آپ آخر وقت تک اس منصب پر فائز رہے اور دارالعلوم کی تعمیر و ترقی میں کارہائے نمایاں انجام دیئے آپ کی اور مولانا حبیب الرحمٰنؒ کی رفاقت نے "دارالعلوم" کو چمکا دیا۔ آپ کا دور اہتمام تاریخ دارالعلوم

کا زریں دور سمجھا جاتا ہے۔ درس و تدریس کا سلسلہ اہتمام کے ساتھ ہمیشہ جاری رہا۔

شمس العلماء | برطانوی گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو "شمس العلماء" کا خطاب دیا گیا۔ مگر دارالعلوم کے حریت پسندانہ مسلک کی بنا پر آپ نے حکومت کا خطاب یافتہ ہونا پسند نہیں کیا چنانچہ خطاب واپس کر دیا گیا۔

حیدرآباد میں | نظام دکن کی درخواست پر آپ وہاں "مفتی اعظم" کے منصب پر فائز ہوئے حکومت آصفیہ کے اس سب سے بڑے دینی منصب پر آپ ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء سے ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء تک فائز رہے۔

وصال | پھر دارالعلوم دیوبند واپس آگئے، دوبارہ ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء میں آپ نظام صاحب کو لینے حیدرآباد پہنچے۔ واپسی پر ٹرین جب نظام آباد اسٹیشن پر پہنچی تو آپ اللہ کے پاس پہنچ گئے۔ وفات کے وقت زبان پر اللہ کا ذکر جاری تھا۔ اللہ کے لفظ کے ساتھ روح پرواز کر گئی۔ یہ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے۔ نظام آباد اسٹیشن پر نعش کو اتار کر جنازہ تیار کیا گیا۔ حضور نظام میر عثمان علی خاں کا حکم پہنچا کہ جنازہ حیدرآباد لایا جائے۔ نظام آباد اور حیدرآباد میں متعدد مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اگلے دن ۴ جمادی الاولیٰ عصر سے کچھ پہلے مخصوص قبرستان "خطۂ صالحین" میں اپنے مصارف پر شاہانہ اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کروایا اور باغ عامہ کی مسجد میں تعزیتی تقریر کرتے ہوئے نہایت تاسف کے ساتھ یہ پر اثر جملہ فرمایا کہ "افسوس کہ وہ مجھے لینے آئے تھے، مگر خود یہیں رہ گئے۔"

صوفیانہ مسلک | آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ مصروفیت کی وجہ سے بیعت کا سلسلہ بہت وسیع نہ تھا۔ آپ حضرت گنگوہیؒ کے بھی خلیفہ تھے۔

اولاد | آپ کی اولاد میں حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا قاری محمد طاہر قاسمی ہیں۔ آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ آپ ۱۲۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔ صاحب تذکرہ مشائخ دیوبند کی رو سے آپ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ نے قصبہ رام پور منہیاراں ضلع سہارنپور میں حافظ نور محمد صاحب سے جو ایک جید حافظ تھے۔ ۹ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا اس کے بعد حضرت نانوتویؒ نے گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے مدرسہ اسلامیہ میں ابتدائی تعلیم کے لئے بھیج دیا۔ بعدہٗ

حضرت نے مراد آباد بھیجا۔ وہاں ''مدرسہ شاہی'' میں تعلیم پائی۔ اس وقت حضرت مولانا احمد حسن محدث اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے۔ بعدہٗ خود تعلیم دینے کے لئے دیوبند بلالیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت نانوتویؒ کی وفات ہوگئی تو دارالعلوم میں بقیہ تعلیم پوری کی۔ متعدد کتابیں بالخصوص معقولات کی حضرت شیخ الہند سے پڑھیں۔ آخر میں دورہ حدیث حضرت گنگوہی (مولانا رشید احمد) سے پڑھا اور وہیں سے سندِ حدیث حاصل کی۔

آپ دارالعلوم میں عرصے تک مدرس بھی رہے۔ ۱۳۱۳ھ میں حضرت گنگوہیؒ کے مشورے سے دارالعلوم کا اہتمام آپ کے سپرد کیا گیا اور آپ تاحیات اس عہدے پر فائز رہے۔ آپ کے زمانۂ اہتمام میں دارالعلوم نے بہت ترقی کی۔ آپ نہایت ذی وجاہت اور باعظمت اور صاحب تدبیر و حکمت بزرگ تھے۔ آپ کے محاسن و فضائل احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ ۱۳۴۷ھ میں دارالعلوم ہی کے ایک کام سے حیدرآباد تشریف لے گئے تھے۔ وہاں پر سخت بیمار ہوئے تو دیوبند جانے کا انتظام کیا گیا مگر راستے میں ''نظام آباد'' کے اسٹیشن پر آپ کا انتقال ہوگیا۔ نظام دکن میر عثمان علی خاں کے ایما پر آپ کے جسدِ مبارک کو حیدرآباد کے ''خطۂ صالحین'' میں ۴، جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ فخر الاماثل والاقران حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند آپ ہی کے باکمال بڑے صاحبزادے ہیں۔[۲]

---

[۱] مولانا نسیم احمد فریدی امروہی: الفرقان، لکھنو، مارچ ۱۹۷۶ء صفحہ ۳۶/۳۷ (حاشیہ)

[۲] قاری فیوض الرحمٰن: مشاہیر علماء دیوبند، لاہور ۱۹۷۶ء ج ۱، صفحہ ۲۲۳/۲۲۵

مولوی عبدالسمیع بیدل رامپوریؒ

''مولوی عبدالسمیع بیدل رامپوری (ساکن رام پور منہیاراں ضلع سہارنپور) آپ ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء میں تحصیل علم کے لئے دہلی آئے اور مفتی صدرالدین خاں سے عربی پڑھی۔ فن شاعری میں میرزا غالب کے شاگرد تھے۔ ''انوارِ ساطعہ'' کے علاوہ ایک نعتیہ دیوان، ایک مختصر رسالہ ''نورِ ایمان'' اور ''حمدِ باری'' آپ کی تالیفات میں سے ہیں۔ تلامذہ غالب مؤلفہ مالک رام ایم اے کے اندر آپ کا مختصر ذکر موجود ہے۔[۱]

حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خطوط میں ان کا ذکر آتا ہے۔

امداد صابری لکھتے ہیں:

''آپ عالم بے بدل جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے پیرومرشد حضرۃ حاجی صاحب کے حکم کے پابند تھے۔ تمام عمر اشاعتِ علومِ دینیہ اور تصانیف کتب مذہبی میں گزاری۔ نعت لکھنے میں لاثانی تھے۔ شعرائے زمانہ آپ کو استادِ وقت مانتے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے سچے عاشق تھے۔ عرصہ تک آپ میرٹھ لال کرتی میں حافظ عبدالکریم صاحب خاں بہادر کے ہاں مقیم رہے۔ خان بہادر موصوف کا خاندان آپ کی شاگردی پر فخر کرتا تھا۔ انوارِ ساطعہ وغیرہ آپ کی

---

[۱] مولانا نسیم احمد: جواہر پارے، الفرقان۔ لکھنو۔ جنوری ۱۹۷۶ء صفحہ ۱

تصانیف ہیں اور وہیں شاہ ولایت صاحب میں آپ کا پختہ مقبرہ ہے۔[1]

امداد صابری لکھتے ہیں:

"مولوی خلیل الرحمٰن (نو مسلم) کے والد منشی توتی رڑکی کے ایک مشہور و معروف شخص تھے۔ بہت باوقار اور حکام رس تھے اور صاحب جائیداد بھی تھے۔ مولوی خلیل الرحمٰن کا ہندوانی نام ناہر سنگھ تھا، جو ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۵ء کو رڑکی میں پیدا ہوئے۔ جب سات سال کے ہوگئے تو ان کے باپ نے رامپور کے ایک نامور مولوی عبد السمیع صاحب کو رامپور سے بلا کر ان کی تعلیم کے لئے مقرر کیا۔ مولوی صاحب کی کوشش سے انہوں نے اس چھوٹی سی عمر میں ایسی قابلیت حاصل کر لی تھی کہ دیکھنے والے تعجب کرتے تھے۔ تیرہ یا چودہ سال کی عمر ہوتی۔ مولوی صاحب جامع مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتے تھے تو یہ بھی ان کے ہمراہ جاتے تھے اور نماز کے متعلق سوال کرتے تھے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ مولوی صاحب سمجھاتے کہ ہم تو اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کرتے ہیں، تم بھی کچھ کرتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ میں بھی اپنے مذہب کا بہت پابند ہوں۔ غسل کر کے اور کپڑے اتار کر چوکے پر کھانا کھاتا ہوں، پوجا پاٹ کرتا ہوں۔ سالگرام کو سر نواتا ہوں۔ مولوی صاحب نے ان کو سمجھایا کہ یہ خالق کی عبادت نہیں۔ پتھروں کو پوجنا سراسر غلط ہے شوالوں اور مندروں میں جو بت رکھے ہوئے ہیں، وہ کس طرح معبود ہو سکتے ہیں۔ وہ تو ایسے بے بس اور مجبور ہیں کہ جسم پر مکھی بیٹھ جائے تو اس کو بھی نہیں اڑا سکتے۔ دوسروں کو کیا نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں ان باتوں کو سن کر ناہر سنگھ متاثر ہوا اور اس کے دل میں اسلام کی محبت جاگزیں ہوئی۔"[2]

مولانا محمد سلیم لکھتے ہیں:

---

[1] امداد صابری: سیرۃ حاجی امداد اللہ صاحب اور ان کے خلفاء، دہلی۔ ۱۹۵۱ء ص۱۲۶ (بحوالہ انوار العاشقین ص۹)

[2] امداد صابری: تذکرہ شعرائے حجاز اردو۔ دہلی ص۱۹۵ ۱۹۶۱ء

"مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے دربار کیرانہ کی مسجد میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا اس مدرسہ کے فیض یاب طلبہ میں سے چند خاص نام درج ذیل ہیں جو ہندوستان میں حضرت مولانا رحمت اللہ کے خاص تلامذہ تھے۔ ان میں سے بعض اصحاب نے مکہ معظمہ بھی پہنچ کر حضرت مولانا سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

۱۔ مولانا عبد السمیع صاحب رامپوری۔ مصنف حمد باری"[1]

---

[1] مولانا محمد سلیم: ایک مجاہد معمار کراچی۔ ۱۹۷۲ء۔ ناشر (مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ) ص۱۸ مولانا خلیل الرحمٰن کے تذکرہ میں ان کے اسلام قبول کرنے کی تفصیل ملے گی۔

مولانا انوار اللہ حیدر آبادیؒ

علامہ حکیم سید عبدالحی لکھتے ہیں،

"شیخ، فاضل علامہ انوار اللہ بن شجاع الدین بن قاضی سراج الدین حنفی قندھاری حیدر آبادی مشہور علماء میں سے تھے۔

قصبہ "قندھار" ناندیڑ دکن میں پیدا ہوئے۔ ۴ ربیع الآخر ۱۲۶۴ھ تاریخ ولادت ہے۔ حفظِ قرآن مجید اور دیگر درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں اپنے شہر کے علماء سے پڑھیں۔ پھر شیخ عبدالحلیم انصاری لکھنوی اور ان کے فرزند شیخ عبدالحی لکھنوی سے حیدر آباد میں تحصیلِ علم کی۔ تفسیر شیخ عبداللہ یمنی سے پڑھی۔ تصوف و سلوک کی تکمیل اپنے والد صاحب سے کی اور ان سے "اجازتِ بیعت" عطا ہوئی۔ بہت سے علوم میں مہارت حاصل تھی اور حکومت میں ملازم ہوئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد حج و زیارت کے لئے ۱۲۹۴ھ میں حجاز کا سفر کیا اور شیخ کبیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے ملے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور حاجی صاحب کی طرف سے بھی مجاز ہوئے۔

۱۲۹۵ھ میں نواب محبوب علی خاں کے معلم مقرر ہوئے اور ۱۳۰۱ھ میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ اسی سال دوسرا حج کیا۔ ۱۳۰۵ھ میں تیسرا حج کیا اور مدینہ منورہ میں تین سال قیام کیا۔ ۱۳۰۸ھ میں حیدر آباد واپس آ گئے۔ پھر ولی عہد امیر عثمان علی خان کے استاذ مقرر ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ میں جب نظام محبوب علی خان کا انتقال ہوا اور امیر عثمان علی خان نے ان کی جگہ لی۔ انہوں نے ۱۳۳۰ھ میں

ان کی عربی اور اردو میں بہت سی تصانیف ہیں۔ ان میں افادۃ الافہام (دو جلدوں میں) ردِ قادیانیت میں ہے۔ کتاب العقل (جدید و قدیم فلسفہ پر)، حقیقۃ الفقہ (دو جلدوں میں) اس میں فقہ حنفیہ کے وجوہ ترجیح اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مناقب بھی بیان کئے گئے ہیں۔ انوار احمدی فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (اس کتاب کو پڑھ کر عاشقانِ رسولؐ کے دل یادِ رسولؐ اور محبت رسولؐ میں تڑپ اٹھتے ہیں)، مقاصد الاسلام (گیارہ حصوں میں ہے) ان کے علاوہ بھی ان کی کئی ایک تصانیف ہیں۔ جمادی الآخرۃ ۱۳۳۶ھ میں آپ کا وصال ہوا اور اپنے قائم کردہ مدرسہ نظامیہ میں تدفین عمل میں آئی۔[1]

مولانا امداد صابری لکھتے ہیں،

"آپ ریاست حیدر آباد کے معین المہام تھے اور میر محبوب علی خان فرمانروائے دکن مرحوم اور شاہزادگان کے استاذ تھے۔[2] علوم معقول و منقول کے ماہر تھے۔ علومِ سلوک اور معرفت مکہ معظمہ پہنچ کر حضرۃ حاجی صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حاصل کئے۔ دولتِ خلافت و اجازت سے مشرف ہو کر ہندوستان واپس آ گئے۔ امیر ہونے کے باوجود اور امراء و وزراء کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بعد بھی اتباعِ ظاہر و باطن کے پابند تھے۔ دہریوں اور نیچریوں کے لئے کتاب العقل لکھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پیروؤں کے رد میں افادۃ الافہام تصنیف کی۔ آپ کی مشہور و معروف تصنیف حقیقۃ الفقہ اہل سنت والجماعت کے واسطے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ انوار احمدی اور مقاصدِ اسلام کے رسائل مسلمانوں کے ایمان کو ترو تازہ کر دیتے ہیں۔[3]"

---

[1] علامہ حکیم سید عبدالحی، نزہۃ الخواطر، کراچی ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۸۶ (عربی سے ماخوذ)

[2] امداد صابری، سیرت حاجی امداد اللہ، دہلی ۱۹۵۱ء ص ۱۲۶ بحوالہ تاج التاریخ ص ۳

[3] مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی، انوار العاشقین، حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ ص ۷۔

آپ کو احتساب کے محکمہ کی سربراہی تفویض کی -۱۳۲۲ھ میں وزارتِ اوقاف سپرد کی گئی اور نواب "فضیلت جنگ" کا خطاب دیا گیا[1]۔

۱۳۲۲ھ ربیع الاول میں ولی عہد اور اس کے بھائی کے معلم بھی مقرر ہوئے۔ آپ کو بہت بڑی وجاہت حاصل ہوئی۔ دینی اور شرعی مسائل میں آپ کی بات نافذ ہوتی تھی۔ آپ نے بہت سی اصلاحات کیں جن سے ملک اور بندوں کو بہت نفع ہوا۔

علوم عقلیہ اور نقلیہ میں نادرۂ روزگار تھے۔ نہایت عبادت گذار مطالعہ کتب اور تصنیف و تدریس اور مذاکرہ میں ہر وقت لگے رہتے۔ اہل بدعت سے سختی سے پیش آتے تھے اور انہیں "راہ سنت" کی تعلیم دیتے تھے۔ ۱۲۹۳ھ میں حیدر آباد میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ کتابوں کی نشر و اشاعت کے لئے ایک علمی مجلس بھی قائم کی، جس کا نام "اشاعۃ العلوم" رکھا۔

قد لمبا اور چھاتی چوڑی تھی، جسم مضبوط تھا۔ رنگ سرخ و سفید تھا، آنکھیں موٹی تھیں کھانے پینے میں کوئی تکلف نہ تھا۔ آخری وقت تک ورزش کا معمول رہا۔ سال، کمائی اور وظیفہ میں نہایت پارسا تھے۔ حلیم اور متواضع تھے۔ بیماروں کی عیادت کرتے اور جنازوں میں شرکت کرتے تھے۔ نیکی اور بھلائی والے تھے۔ مال کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے تھے اور نہ اسے جمع کر کے رکھتے تھے۔ زبان پاکیزہ تھی۔ فضول گوئی سے کوسوں دور تھے۔ مغرب سے آدھی رات تک فتوحاتِ مکیہ کا مطالعہ کیا کرتے۔ شیخ محی الدین ابن عربی سے بہت عقیدت تھی۔ زندگی کے آخری سالوں میں آپ کی راتیں علمی اشتغال میں گزرتی تھیں۔ صبح کی نماز کے بعد دن چڑھے تک سو جاتے تھے۔ نادر کتابوں کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔" (مولانا ابوالحسن ندوی: نزہتہ الخواطر: ج ۸ صفحہ - اس کتاب میں بین القوسین عبارت مصنف کے فرزند ابوالحسن علی کے قلم سے ہوتی ہے)

---

[1] عبدالحی: نزہتہ الخواطر، کراچی: ۱۹۷۶ء ج ۸ صفحہ ۴۹۰ عربی سے اردو

مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مرادآبادیؒ

آپ مرادآباد کے ایک علمی خاندان کے باکمال فرد تھے۔ آپ کے دادا صاحب کا نام مولانا محمد امین الدین ہے، جو نسباً صدیقی تھے۔ آپ کے نانا حکیم محمد عطا حسین تھے جو مرادآباد کے بڑے نامی گرامی اطباء میں سے تھے۔ انہی کے زیر عاطفت آپ نے تربیت پائی۔

۱۲۶۲ھ کے قریب ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ان کے علاوہ میر بشارت علی سنبھلی اور مولانا محبوب علی صاحب (ساکن سنبھلی دروازہ مرادآباد) سے فارسی اور دینیات کی کتابیں پڑھیں۔ اپنے نانا سے علم طب کی تحصیل کی۔

اپنے چھوٹے بھائی مولوی شمس الدین کے ہمراہ علامہ محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمت میں میرٹھ پہنچے اور کچھ پڑھنے کے بعد مرادآباد واپس آ گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد دیوبند پہنچے اور تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ دیوبند میں آپ نے حضرۃ مولانا محمد یعقوب صاحب اور مولانا سید احمد دہلوی کے علاوہ مولانا فتح محمد صاحب (تھانوی)، اور مولانا محمد فاضل صاحب سے پڑھا۔ پھر مرادآباد آ گئے۔ جب آپ مرادآباد پہنچے تو مولانا فتح محمد صاحب تھانوی بھی مرادآباد آ گئے اور آپ ہی کے مکان پر رہے اور آپ کو پڑھاتے رہے اور خود بھی حضرۃ مولانا عالم علی نگینوی ثم مرادآبادی تلمیذ حضرۃ شاہ محمد اسحق دہلوی سے حدیث پڑھتے رہے۔ آپ نے بھی حدیث مولانا عالم علی صاحب سے پڑھی ہے۔

صوفیانہ مسلک | ۶ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ / ۱۵ رمئی ۱۸۷۲ء بروز چہار شنبہ مراد آباد سے میرٹھ روانہ ہوئے اور حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کی جسے انہوں نے بالآخر قبول فرمالیا اور ۱۴ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ / ۲۲ رمئی ۱۸۷۲ء کو میرٹھ میں بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ یہاں تحصیل علم بھی کرتے رہے اور ذکر و شغل میں بھی مشغول رہتے تھے۔ اسی عرصہ میں مولانا احمد حسن امروہویؒ سے مدرسہ اسلامیہ خورجہ میں پڑھنے کے ساتھ ذکر اذکار بھی کرتے رہے تکمیل سلوک کے بعد حضرۃ نانوتویؒ نے ان الفاظ میں آپ کو خلافت عطا فرمائی: "حضرۃ حاجی صاحب کی طرف سے آپ کو بیعت کرنے کی اجازت ہے۔" حضرۃ نانوتویؒ مراد آباد کے جس شخص کو بیعت فرماتے تھے تو خاص طور پر فرمایا کرتے تھے کہ "تم کو ذکر و شغل کی تعلیم محمد صدیق کریں گے۔"

آپ حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بھی خلیفہ مجاز تھے۔ اس کا ذکر تذکرۃ الرشید میں موجود ہے۔ ۲۵ رجب ۱۳۱۰ھ کو شیخ المشائخ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

شاعری | آپ فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ فارسی کا ایک مکمل دیوان غیر مطبوعہ موجود ہے۔ قاسمی اور صدیقی تخلص فرماتے تھے۔ آپ کے کلام میں حافظ و جامی اور نظیری و قدسی کا رنگ جھلکتا ہے۔ آپ نے فارسی شاعری میں مولانا سید عبدالرشید غازی پوری ثم مراد آبادی اور آغا کمال سنجر سے اصلاح لی تھی۔ اپنے استاذ مولانا محمد قاسم کے بارے میں آپ کے دو شعر نیچے درج کئے جاتے ہیں ؎

بسے چوں قاسم دیوانہ را فرزانہ می سازد　　بہ بیں صدیقؔ! فیض قاسم فرزانہ ما را
فیوض قاسم الخیرات را صدیقؔ می نازم　　بود دیوانہ گر در بزم او فرزانہ می آید

آپ کا مطب | آپ کو روحانی علاج کی طرح جسمانی علاج میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ ایک حاذق حکیم اور بلند پایہ نباض تھے۔ آپ کی نباضی کے محیر العقول واقعات ہیں۔

وصال | ۲۴ رشوال ۱۳۴۴ھ کو شب جمعہ میں ساڑھے دس بجے بہ عمر ۸۴ سال آپ کا وصال ہوا۔[1] بعد نماز جمعہ آپ کے جنازے کی نماز حضرۃ مولانا نواب محی الدین احمد خاں صاحب فاروقی مراد آبادی تلمیذ حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتوی و خلیفہ حضرۃ حاجی صاحبؒ نے پڑھائی۔

اولاد | آپ کے دو فرزند مولانا حکیم عبدالرحمٰن اور مولانا حکیم محمد فاروق تھے۔ موخرالذکر ایک سال کے بعد اپنے بزرگ والد سے جا ملے۔ ان کے فرزندوں میں محمد احسن، محمد محسن، حکیم محمد عمر، مولانا اصلاح الدین اور پروفیسر محمد عثمان استاذ شعبہ انجینئرنگ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ہیں اور اول الذکر عربی و فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ حضرۃ گنگوہیؒ سے بیعت تھے۔ جگر مراد آبادی نے بھی مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔[2]

---

[1] ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ میں شب جمعہ کو حضرۃ قاضی نواب محی الدین احمد خاں نے بھی وصال فرمایا۔

[2] مولانا نسیم احمد فریدی: مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی: الفرقان: لکھنؤ: مارچ ۱۹۷۶ء ص ۲۵ تا ۲۵ (تلخیص)

شاہ بدرالدین پھلواریؒ

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"حضرۃ مولانا شاہ بدرالدین سجادہ نشین پھلواری اس عہد کے جنیدؒ و شبلیؒ تھے۔ ان کا زہد و ورع، نزاہت و اتّقا، علم و عمل، صورت و سیرت، ہر چیز نمونہ سلف تھی۔ کم و بیش چالیس برس تک یہ علم و عرفان کی شمع صوبہ بہار میں روشن رہی اور اس کی روشنی دور دور تک پھیلتی رہی ان کے شب و روز کے چوبیس گھنٹے ذکر و فکر اور مطالعہ کتب کے سوا اور مشاغل میں کم تر صرف ہوتے تھے۔ ان کی نشست گاہ ایک کتب خانہ تھی، ان کے چاروں طرف کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا اور اس کے بیچ میں یہ زندہ کتب خانہ جلوہ فرما رہتا تھا۔ اس عہد میں یہی ایک ہستی تھی جو ظاہر و باطن، علم و معرفت، حقیقت و شریعت کا مجمع البحرین تھی اور جس سے ہزاروں لاکھوں علم و معرفت کے پیاسے سیراب ہوتے رہتے تھے۔ پھلواری کا سجادہ اس بزرگ ذات کی رونق افروزی سے چشمہ خورشید تھا۔ افسوس کہ یہ آفتاب اب ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔ وہ میرے والد مرحوم کے پیر بھائی تھے۔ دونوں مولانا شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہٗ سجادہ نشین پھلواری سے مستفید تھے۔ خاکسار کو آغاز عمر میں ۱۸۹۸ء میں پھلواری کی خانقاہ میں چند ماہ بسلسلہ طلبِ علم والد ماجد مرحوم کے حسبِ ہدایت رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس وقت سے اخیر عمر تک اس ہیچمدان پر خاص نظرِ عنایت تھی۔ کبھی کبھی مکرمت ناموں سے سرفراز فرماتے تو "اعزّ اخوان" کے الفاظ

سے خطاب فرماتے۔ دارالمصنفین کی کتابوں کو پسند فرما کر قیمتہً منگواتے تھے اور معارف کو اپنے مطالعہ سے سرفراز فرماتے تھے۔" (معارف ۱۳۴۲ھ/ستمبر ۱۹۲۴ء)

اولاد | اولاد میں ایک مولانا شاہ محی الدین (م ۲۹ رجادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ/۲۲ اپریل ۱۹۴۷ء بوقت صبح تھے۔ وہ اپنے والد کے بعد پھلواری کے سجادہ نشین تھے۔ ستر سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔[1] مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"سجادہ نشین حال حضرۃ مولانا شاہ محی الدین رحمہ اللہ خلف حضرۃ مولانا شاہ بدرالدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے چند سال کے اضمحلالِ طبع اور تسلسلِ علالت کے بعد ۲۹ رجادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ/ ۲۲ اپریل ۱۹۴۷ء کی صبح کو ستر سال کی عمر میں اس دارِ فانی کو الوداع کہا اور زمانہ قدیم کی ایسی یادگار مٹ گئی، جس کی زیارت سے بزرگوں کی بہت سی نشانیاں ایک ذات میں نظر آتی تھیں۔ مرحوم کی پیدائش کا سال ۱۲۹۹ھ ہے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد بزرگوار امیر شریعت اول مولانا شاہ بدرالدین صاحبؒ سے پڑھیں۔ بقیہ درسیات مولانا عبداللہ صاحب رامپوری سے حاصل کیں اور تحصیلِ فراغ ۱۳۱۰ھ میں مولانا عبدالرحمٰن (ساکن آرہ) صاحب سے حاصل ہوئی۔ طب کی تعلیم بھی پھلواری ہی کے ایک قیام پذیر بزرگ مولانا حکیم وارث حسن صاحب سے حاصل کی۔ مگر عملاً کبھی مطب نہیں کیا۔ سجادہ نشینی سے پہلے تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین اور صوبہ بہار کے امیر شریعت ثانی ہوئے اور اس وقت سے اخیر وقت تک وہ ہدایت خلق اور اپنے متبعین اور معتقدین کے تزکیہ و تصفیہ و تعلیم طریقت اور اپنے نقطہ نظر سے بہار کے مسلمانوں کی قومی خدمت میں مصروف رہے۔ ۱۳۴۴ھ میں حج و زیارت کے لئے حجاز و عراق و شام کا سفر کیا اور لوگوں کو اپنی برکات سے مستفید اور ان ملکوں کے

---

[1] علامہ سید سلیمان ندوی: یادِ رفتگاں، کراچی: ۱۹۵۵ء، ص ۱۵۲

بعض بزرگوں سے استفادہ کیا۔

وہ حد درجہ شریف، نیک، صلح پسند، متواضع اور صورت اور سیرت، لباس، ہر چیز میں نمونۂ سلف تھے۔ مذاق حال سے بھی آشنا تھے۔ تقریر و تحریر پر قدرت رکھتے تھے۔ متعدد مجالس میں شرکت فرمائی۔ قومی اجتماعات میں تقریریں کیں۔ مساجد میں وعظ و پند سنائے، تحریک خلافت کے زمانہ سے سیاسیات میں بھی شرکت کی۔ خلافت کانفرنس منعقدہ آرہ اور جمعیۃ علمار بہار کے اجلاس منعقدہ دربھنگہ کی صدارت کی۔ وقتاً فوقتاً ان کے سیاسی خیالات اور امیر شریعت کی حیثیت سے ان کے فرامین بھی شائع ہوا کرتے تھے۔ اب ان کی وفات سے مسلمانانِ بہار ایک بڑی نعمت سے محروم ہو گئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانے والے کو اپنی نوازشِ بے پایاں سے اور رہ جانے والوں کو اپنی نصرت بیکراں سے سرفراز فرمائے[1]"

مولانا شاہ بدرالدین مولانا شاہ سلیمان پھلواری کے ہم زلف تھے۔ مولانا شاہ سلیمان اپنے بڑے لڑکے مولانا شاہ حسن میاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"..... مگر میرا دل چاہتا ہے کہ تم میں اپنے نانا کی نسبت کا غلبہ ہو۔ جس کی جبلّی صلاحیت بھی تم میں موجود ہے اور یہ نسبت خاص کر جناب شاہ بدرالدین صاحب (سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری) میں مجھ سے اقویٰ ہے۔ پس تم کو لازم ہے کہ انہیں کے حلقے میں بیٹھو اور انہیں سے نسبتِ رابطہ پیدا کرو اور اس فقیر کو بھی اس نسبت میں ممد کار سمجھو۔ مگر ابھی ابتداءً یکسوئی درکار ہے۔ آئندہ چل کر خود بول اٹھو گے ؎

زہر در کہ خواہم خدا را بہ بینم　　براں در رُخِ مصطفیٰ را بہ بینم[2]

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی: یادِ رفتگاں: کراچی: ۱۹۵۵ء ص ۲۹۴-۲۹۵

۲۔ شاہ غلام حسنین: شمس المعارف: کراچی، ۱۹۶۹ء ص ۶۳-۶۴

"پھلواری شریف کے صاحبِ سجادہ کا معمول رہا ہے کہ فتاویٰ پر دستخط کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس لئے جب سے آستانہ کی جاروب کشی مجھے ملی ہے۔ میں بھی دستخط نہیں کرتا ہوں اس کے ساتھ ہی میں یہ ظاہر کر دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو نامسلمانوں کے ساتھ محبت اور امداد باہمی ممنوع ہے"

(محمد بدرالدین عفی عنہ پھلواری شریف)[3]

۳: عبدالرشید ارشد مرتب: معتقدات و بیانات اکابر: لاہور مکتبہ رشیدیہ۔ ص۵۲

مولانا شاہ سلیمان پھلواریؒ

آپ ۱۲۷۶ھ کو پھلواری صوبہ بہار (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی۔ پھر مولانا عبدالحی فرنگی محلی، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے درسیات کی تکمیل کی۔

لکھنؤ کے قیام میں درسیات ختم کرنے کے بعد آپ نے طب پڑھی اور پھر کامیاب مطب کرتے رہے۔ آپ زیادہ تر اردو اور عربی میں اور کمتر فارسی میں شعر کہتے تھے۔

ندوۃ العلماء کے نام سے پہلے کانپور میں اور پھر لکھنؤ میں ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"مرحوم وسیع النظر عالم، بذلہ سنج ادیب، خوش بیان خطیب، پر اثر واعظ، موقع شناس مقرر اور بڑے بڑے بزرگوں کے حلقہ سے فیض یاب صوفی تھے۔ ان کو تاریخ کا شوق اور عربی نظم و نثر کا اچھا ذوق تھا۔ اچھے کتب خانوں اور کتابوں کی تلاش رہتی تھی اور اسی حیثیت سے وہ اپنے ہم عصروں میں پورا امتیاز رکھتے تھے۔

حاجی شاہ امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نسبت رکھتے تھے۔ پنجاب، مدراس شمالی بہار اور صوبہ متحدہ میں ان کے مریدوں کی بڑی تعداد تھی۔

میں نے بچپن میں پھلواری کے قیام کے زمانہ میں ان سے ابتدائی منطق کے دو چار سبق پڑھے

تھے۔ وہ جب ۱۹۰۲ء میں ندوہ کے معتمد تعلیمات منتخب ہوئے تھے اور مستقل قیام ندوہ میں اختیار فرمایا تھا تو ان کی بزرگانہ عنایات اور حوصلہ افزائیوں نے میری علمی ترقیوں میں مدد دی۔ یاد ہے کہ اسی زمانہ میں نواب محسن الملک مرحوم دارالعلوم ندوہ کے معائنہ کے لئے تشریف لائے تھے۔ شاہ صاحب نے مجھے اور میرے ہم درس مولانا ظہور احمد صاحب وحشی شاہجہان پوری کو امتحاناً پیش فرمایا۔ میں نے نواب صاحب کے خیر مقدم میں عربی میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ شاہ صاحب نے یہ کہہ کر مجھے پیش کیا کہ یہ میرے عزیز ہیں اور آپ کو قصیدہ سنائیں گے۔

شاہ صاحب کے چٹکلے اور تقریری دل آویز نکتے اس قدر ہیں کہ ان کو جمع کریں تو رسالہ بن جائے۔ رنگون میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ تھا۔ مولویوں نے کانفرنس والوں پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ شاہ صاحب بھی نواب محسن الملک (مہدی علی) مرحوم کے ساتھ اس جلسہ میں گئے تھے تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو فرمایا: "یہاں کے مولویوں[1] نے اہل کانفرنس پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے، جس میں شاید میں بھی داخل ہوں۔ مگر غور تو کیجئے کہ نواب محسن الملک تو مہدی ہیں، ان کو کون دجال کہے گا اور مجھ پر کفر کا فتویٰ لگ ہی نہیں سکتا کہ خود اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے کہ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا (سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا) مجمع ان نکتوں سے بے حد محظوظ ہوا اور مولویوں کی فتویٰ گری کا بادل شاہ صاحب کے ان دو چٹکلوں سے ہوا ہو گیا۔

شاہ صاحب کی ذات ایک عجیب جامع ہستی تھی۔ ایسے لوگ اب پیدا نہ ہوں گے۔ زمانہ بدل رہا ہے، ہوا کا رخ اور طرف ہے۔ وہ قدیم و جدید کے درمیان حلقۂ اتصال تھے، اب قدیم بھی جدید ہو رہا ہے اور جدید جدید ترین بن رہا ہے۔ دعا ہے کہ ان کے اخلاف برادرم شاہ حسین میاں صاحب اور ان کے بھائی اپنے بزرگ باپ کے سچے جانشین ثابت ہوں۔"[2]

---

[1] مولوی احمد رضا خاں اہل بدعت اور ان کے پیروؤں نے یہ فتویٰ لگایا تھا۔

[2] مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ یاد رفتگاں۔ کراچی ۱۹۵۵ء ص ۱۰۶ تا ۱۰۷ (کی تلخیص) ربیع الاول ۱۳۵۴ھ جولائی ۱۹۳۵ء

تصانیف میں شجرۃ السعادۃ وسلسلۃ الکرامۃ (فارسی)، رسالہ فی الصلوۃ والسلام وآداب الناصحین، ذکرالحبیب، شرح قصیدہ غوثیہ، شرح حدیث مسلسل بالاولیہ (عربی)، صلاح الدارین فی برکات الحرمین، صیانۃ الاحباب عن اہانۃ الاصحاب، عین التوحید (عربی)، شمس المعارف (مجموعہ رسائل تصوف، ۲ جز) ہیں۔" (نزہتہ الخواطر ج ۸، ص۱۶۱)

"پاک وہند کے یہ نامور عالم اور صوفی واعظ وخطیب مولانا شاہ سلیمان پھلواری، جن کی عظمتِ علمی اور کمال روحانی کو علامہ اقبال نے اپنے ایک خط میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ گوہر درخشندہ صوبہ بہار کے مشہور ضلع پٹنہ کے ایک مردم خیز قصبے پھلواری میں ۱۱ر محرم ۱۲۷۶ھ (۱۸۵۹ء) میں پیدا ہوئے۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواری نے جس خاندان میں آنکھ کھولی وہ ابتداء ہی سے شرافتِ نسبی، علم وفضل اور عرفان وتصوف سے ممتاز چلا آتا تھا۔

اس خانوادے میں اکابر علماء وفضلاء اور بزرگانِ دین گزرے ہیں، جنہوں نے صوبہ بہار کو اپنے علم وفضل اور عرفان وتصوف سے مالا مال کیا۔ اسی خاندان کے فردِ فرید مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواری کے پھوپھا مولانا محمد حسین قادری پھلواری اور مولانا آلِ احمد محدث مہاجر مدنی ہیں جو شاہ سلیمان کی نانی کے حقیقی بھائی تھے۔ اسی خاندان کے فرد شاہ نعمت اللہ پھلواری ہیں۔ اسی خانوادے کے ایک رکن رکین ماہر طبیب حکم شاہ محمد داؤد ہیں، جو حضرۃ شاہ محمد سلیمان پھلواری کے والد محترم تھے، جنہوں نے طب کی کتابیں حکیم علی حسین صاحب سے پڑھی تھیں۔

حضرۃ شاہ محمد سلیمان پھلواری نے علوم درسیہ کی تکمیل حضرۃ مولانا شیخ عبدالحی فرنگی محلی سے کی۔ فاتحۂ فراغ کی تاریخ "آج فارغ ہوا" (۱۲۹۷ھ) سے نکلتی ہے۔

علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد حضرۃ شاہ سلیمان پھلواری نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم تزکیۂ نفس اور معرفتِ الٰہی کی طرف توجہ کی۔ سلسلۂ چشت میں جن بزرگوں سے اجازت و خلافت حاصل کی ان میں سب سے پہلے بزرگ مولانا شاہ قدرت اللہ تھے جو ڈیرہ اسماعیل خان کے

رہنے والے تھے، جن سے شاہ صاحب کی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو حدیث سنانے کے لیے سہارنپور آئے تھے۔ شاہ سلیمان نے ان بزرگ سے بھی اجازت لی پھر حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے مرید ہوئے اور ان کی خلافت سے سرفراز ہوئے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں اب چشتی ہی چشتی ہوں۔

واعظ خوش بیان | جب شاہ صاحب حج کے لئے گئے تو ان کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب نے ان سے فرمایا میاں تذکیر (وعظ ونصیحت) کیا کرو۔ شاہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے کعبۃ اللہ میں جا کر غلاف کعبہ تھام کر اور رو رو کر دعا کی اور کہا پروردگار! اتنا بڑا شیخ مجھے تذکیر کے لئے کہتا ہے اور مجھے بولنا تک نہیں آتا۔ خداوندا! تو مجھے قوت بیان اور اثر کی نعمت سے مالا مال فرما۔

سنگین مسجد میں پہلا وعظ | پھلواری تشریف لانے کے بعد مولانا نے سب سے پہلے سنگین مسجد میں وعظ کیا۔ لوگ اس وعظ سے بے حد متاثر ہوئے اور زار زار روئے۔ شاید اس دعا نے درِ استجابت کو پالیا تھا یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں ان جیسا خوش گو واعظ کوئی دوسرا نہ تھا۔ وہ اپنے وعظ میں مثنوی شریف کے اشعار موقع بموقع بڑی خوش الحانی سے پڑھتے۔ مولانا کی آواز میں بڑا سوز وگداز تھا ان کی زبان سے مثنوی کے اشعار سن کر مجمع پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔

سلسلہ قادریہ میں اجازت | ۱۹۲۰ء میں شاہ صاحب نے اماکن مقدسہ کی زیارت کے لئے عراق کا سفر کیا۔ وہاں وہ اعلیٰ حضرت سید عبدالرحمٰن المحتشؒ سجادہ نشین آستانہ حضرۃ غوث پاک کے مہمان ہوئے۔ ان سے شاہ صاحب نے تبرکاً اپنے جدی سلسلہ قادریہ کی اجازت لی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ کے دورانِ قیام میں انہوں نے علوم درسیہ کی بھی تکمیل کی اور طبیب کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ خود شاہ صاحب کا بیان ہے کہ جن دنوں میں مطب کرتا تھا، برادری کے اکثر بزرگان کی نشست میرے مکان پر ہوا کرتی تھی چنانچہ اسی وجہ سے ابتدا میں حکیم محمد سلیمان کے نام سے مشہور ہوگئے۔

شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے اور لکھنؤ کے مشاعروں میں پڑھتے بھی تھے۔ اپنے پیشے کے لحاظ سے اپنا تخلص حاذق رکھ تھا۔ مشہور ہے کہ وہ مشہور عالم و شاعر شوق نیموی کے ہم درس تھے برصغیر کے متاخر علماء کی تاریخ میں مولانا کی علمی اور ملی خدمات کو ہمیشہ سراہا جائے گا۔

ملت کی تباہ حالی سے متاثر ہو کر چند بزرگوں نے مل کر ندوۃ العلماء کے نام سے پہلا کانپور میں، پھر لکھنؤ میں ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ مولانا سید محمد علی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا عبدالحق حقانی، سید ظہور الاسلام فتح پوری، مولانا ابراہیم آروی، مولانا شاہ سلیمان پھلواری اس انجمن کے ممتاز ارکین میں سے تھے۔ اسی کے پلیٹ فارم سے مولانا کی خطیبانہ تقریروں کا شہرہ عام ہوا۔ دارالعلوم ندوۃ کی بنیاد حضرت شاہ سلیمان پھلواری کی تحریک و تجویز کا نتیجہ ہے۔

رفتہ رفتہ مولانا کی خطیبانہ شہرت سے برصغیر پاک و ہند گونج اٹھا۔ سر سید نے مولانا کی وہ تقریر جو انہوں نے ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس میں کی تھی، اپنے اخبار میں "شاہ سلیمان کا نیچریانہ وعظ" کی سرخی سے چھاپی۔

ماہر تعلیم | حضرت شاہ صاحب عالم و صوفی اور رہنمائے ملت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر تعلیم بھی تھے۔ وہ کلکتہ یونیورسٹی سینٹ کے رکن تھے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کی مدرسہ کمیٹی اور نصاب کمیٹی کے رکن تھے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے قائم کرنے کی جدوجہد میں نواب سلیم اللہ کے معین و مددگار رہے۔

علامہ اقبال کا تاثر | "آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمال روحانی کے ساتھ علم و فضل سے آراستہ کیا ہے۔ آپ کے مکتوبات نہایت دلچسپ ہیں اور حفاظت سے رکھنے کے قابل، نہ کہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل۔ میں نے خود انہیں پڑھا ہے اور بیوی کو پڑھنے کے لئے دیا ہے"[1]

مولانا شاہ محمد سراج الیقین لکھتے ہیں:

---

[1] اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علمائے پاک و ہند، لاہور ۱۹۷۷ء ص ۲۵۱ (بحوالہ انوار اقبال ص ۱۰۸)

"جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری نے کتب درسیہ مولانا عبدالحی صاحب سے پڑھی ہیں اور علم حدیث حضرۃ مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے پڑھا ہے"[1]

مولانا حکیم سید عبدالحی لکھتے ہیں:

"مولانا سلیمان بن داؤد بن وحفظ اللہ بن محبوب بن پیر نذر بن فتح محمد پھلواری مشہور مشائخ میں سے تھے۔ اصل میں گھگھٹہ ضلع سارن کے تھے۔ ۱۰ محرم ۱۲۷۶ھ میں پھلواری میں اپنے نانا کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کا نام شیخ اصطفا بن وحد اللہ بن سعد اللہ تھا۔ اپنے ننھیال کے ہاں پرورش ہوئی۔ کچھ حصہ اپنے علاقہ کے علماء سے پڑھا۔ پھر علامہ عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی سے پڑھتے رہے۔ پھر دہلی میں مولانا سید نذیر حسین محدث سے حدیث پڑھی۔ سند حدیث مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے حاصل کی۔

طریقت کی تعلیم اپنے خسر حضرۃ علی حبیب پھلواری سے لی۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں سے بھی سند لی۔ پھر حج و زیارت کے لئے حجاز گئے۔ وہاں حرمین شریفین کے بزرگوں سے استفادہ کیا۔ ان میں حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان سے پڑھا بھی اور ان سے اجازت حاصل کی۔

وعظ و نصیحت میں انہیں ید طولی حاصل تھا۔ نہایت عمدہ خطیب تھے۔ جب چاہا ہنسا دیا اور جب چاہا لوگوں کو رلا دیا۔ خطاب کے دوران اکثر مثنوی کے اشعار شر سے پڑھا کرتے تھے، جو سامعین کو مسحور کر دیتے تھے۔ ندوۃ العلماء کے مؤید حضرات میں سے تھے اور اس کی تقریبات میں خطاب بھی کرتے تھے۔ ہندوستان میں ان کی شہرت عام تھی۔ لوگ ان کے خطبات اور تقریروں کے شیدائی تھے۔ نہایت ذہین تھے۔ عربی نظم و نثر پر قدرت حاصل تھی۔

---

[1] محمد سراج الیقین، شمس العارفین، لاہور۔ بلا تاریخ ص ۳۳

۲۷ صفر ۱۳۵۴ھ میں وصال ہوا۔[۱]

خود لکھتے ہیں:

"۱۳۰۲ھ اور ۱۳۰۴ھ میں حرمین شریفین میں حاضری نصیب ہوئی۔ دیگر بزرگوں کے علاوہ حضرۃ شیوخ العالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے خاص کر دلائل الخیرات کی اجازت فرمائی۔

چشتیت سے مناسبت

چشتیت سے میری اول مناسبت اپنی والدہ اور خالہ کی وجہ سے ہوئی۔ یہ حضرۃ باوا فرید گنج شکرؒ کی اولاد سے تھیں۔ ان کے اور دیگر خواجگان چشت کے احوال بیان کیا کرتی تھیں۔ بچپن سے میرا دماغ ان بزرگوں کی یاد سے معمور رہا۔ چشتیت سے میری دوسری مناسبت اس وقت ہوئی جبکہ تعلیم سے فراغت پاکر مولانا احمد علی محدث کو حدیث سنانے سہارنپور گیا۔ وہاں ایک بزرگ جن کی عمر مجھ سے بہت زیادہ تھی یعنی پچاس سے کم نہ ہوگی، اسی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ وہ ذی استعداد عالم تھے اور حضرۃ خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا نام مولانا شاہ قدرت اللہ تھا اور ڈیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے تھے۔ درس کے علاوہ جائے قیام پر بھی میرا ان کا ساتھ رہا۔ وہ ذاکر و شاغل اور عابد و زاہد شخص تھے۔ ہم دونوں میں دلی انس ایک دوسرے سے پیدا ہوگیا تھا ہم دونوں گھنٹوں بیٹھ کر ایک دوسرے سے طریقت کی گفتگو کیا کرتے یہاں تک کہ ان کی صحبت نے مجھے چشتیت سے دانغ دیا۔ میں نے ان سے ان کے طریقے کی بھی اجازت لی ہے جو "سلسلۃ الذھب" میں درج ہے۔ پھر حضرۃ شیخ المشائخ قطب مکۃ المشرفہ مولانا الحاج امداد اللہ چشتی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ البتہ ان سے مجھے بہت فائدہ پہنچا۔ ع

من کہ سر بر نہ آورم بدو کون ۔۔۔ گردنم زیر بار منت اوست

اور اپنی اجازت خلافت سے بھی مشرف فرمایا۔ یہ ان کی بندہ نوازی ہے ورنہ میں اس قابل نہیں

۱: مولانا حکیم عبدالحی: نزھۃ الخواطر، کراچی ۱۹۷۶ء ج ۸، ص ۱۷۰ (عربی سے اردو)

حضرۃ قبلہ کی چند روزہ صحبت سے نسبتِ چشتیہ مجھ پر غالب ہوگئی اور میں اب چشتی ہی چشتی ہوں۔"[۱]

عاشقانِ خواجگان چشت را ۔۔۔ از قدم تا سر نشانے دیگر است

"علومِ باطنی کی تعلیم و تربیت بھی اپنے عہد کے باکمال بزرگوں سے پائی تھی۔ پہلے اپنے خسر اور مرشد شاہ نصر پھلواریؒ، پھر مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ اور آخر میں حضرۃ حاجی صاحب مہاجر مکیؒ سے خلافت و اجازت پائی۔ ۱۳۰۴ھ میں جب حج کے لئے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں کافی عرصہ تک حاجی صاحب کی خدمتِ اقدس میں رہے۔ مثنوی کے درس میں شریک ہوئے۔ فیوض و برکات اور توجہات خصوصی سے سرفراز ہوئے۔ اجازت و خلافت پائی۔ نیز احسان و تصوف کے وہ تمام سلاسل جو برعظیم میں اور بیرون ملک رائج ہیں انہوں نے اکابر شیوخ سے حاصل کئے تھے۔ اس طرح وہ علوم ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے جامعیت کے مالک تھے۔"[۲]

۱۔ محمد طفیل: نقوش آپ بیتی نمبر، لاہور، ص ۱۵۱۹

۲۔ شاہ غلام حسنین پھلواری: شمس المعارف (مجموعہ مکاتیب)، ص ۴۲

مولانا نیاز احمدؒ

حضرۃ حاجی صاحب کی تصنیف "گلزارِ معرفت" کے جامع آپ ہی ہیں۔ گلزارِ معرفت کی ابتدا میں "التماس جامع اوراق" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"بعد حمد و صلوۃ یہ نیاز احمد معترف بتقصیرات احقر متوسلین و کمترین مقتبسین حضرۃ امام العارفین مقدم الراسخین، سراج الاولیاء تاج الکبراء، زبدۃ الواصلین، قدوۃ الکاملین، شیخ المشائخ سید السادات جنید الزمان بایزید الدوران، سیدی و سندی و معتمدی و مستندی ذخیرۃ یومی و غدی امکان الروح من جسدی حضرۃ مرشدنا و مولانا الحافظ الحاج شاہ محمد امداد اللہ المہاجر تھانوی مولداً، المکی مورداً، الفاروقی نسباً، الحنفی مذھباً، الصوفی مشرباً ادام اللہ تعالیٰ کاسمہ الشریف امداداً من اللہ علی العباد وافاضۃً علیٰ طالبی ارشاد خدمت میں اخوان طریقت و خلّان الحقیقت کے عرض رسا ہے کہ حضرۃ پیر مرشد محتشم الیہم دام ظلہٗ کا کلام منظوم ہدایت مفہوم اس کثرت سے ہے کہ اس کا احصا و ضبط دشوار ہے مگر احقر کو کچھ متفرق و منتشر اوراق ہاتھ لگ گئے بغرض اشفاع و استمتاع و احتظاظ النذاذ دوسرے پیر بھائیوں وغیرہ کے جی میں آیا کہ ان اوراق کو جمع کر کے ان کی خدمت میں پیش کش کروں اور نام اس مجموعہ کا گلزارِ معرفت رکھا۔ بڑی غرض اس سے حضرۃ قبلہ پیر مرشد کی رضامندی ہے"

گر قبول افتد زہے عز و شرف　　　　یرحم اللہ عبداً قال آمیناً[۱]

خواجہ اسحٰق بن خواجہ عبداللہ مکی نے ابتدائی تعلیم مولانا نیاز احمد صاحب سے پائی تھی۔[۲]

---

[۱] گلزارِ معرفت (کلیات امدادیہ ص ۳۴۲) کراچی: دارالاشاعت مقابل مولوی مسافرخانہ

[۲] امداد صابری: تذکرہ شعرائے حجاز اردو: مطبوعہ دہلی: ص ۲

مولانا نور محمد شاہ پوری پنجابیؒ

"مولانا نور محمد صاحب شاہ پور پنجاب کے رہنے والے تھے۔ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی سے درسیات کی تکمیل کی۔ حضرۃ مولانا فضل رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سلوک کی تکمیل کی اور اجازت پائی۔

مدت العمر مدرسہ اسلامیہ فتح پوری میں جو ان کے برادر طریقت مولانا سید ظہور الاسلام صاحب نے قائم کیا تھا۔ نہایت توکل و قناعت کے ساتھ تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے حضرۃ مولانا کے لوگوں میں بلند پایہ اور ممتاز تھے۔ ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں وفات پائی۔

مولانا سید حکیم عبدالحیٔ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اساتذہ میں سے تھے۔[۱]

مولانا حکیم عبدالحیٔ لکھتے ہیں:

"شیخ فاضل نور محمد بن شیخ احمد حنفی شاہ پوری ثم فتحپوری نیک علماء میں سے تھے ۱۲۰۳ھ کو شاہ پور پنجاب میں پیدا ہوئے۔ بعض درسی کتابیں مولوی عبدالرحمٰن بن عبیداللہ ملتانی سے پڑھیں۔ پھر دہلی کا سفر کیا اور مفتی عبداللہ ٹونکی سے مدرسہ شیخ عبدالرب سے تکمیل کی۔ علمِ طب کی تحصیل حکیم غلام رضا بن مرتضیٰ شریفی دہلوی سے کی۔ پھر علی گڑھ

---

[۱] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات عبدالحیٔ، ندوۃ المصنفین: دہلی ۱۹۷۰ء ص ۲۳ (حاشیہ)

آکر مفتی لطف اللہ بن اسداللہ کوئلی سے معقول ومنقول کی اکثر کتابیں پڑھیں۔ سلوک کی تکمیل ہمارے شیخ فضل رحمان بن اہل اللہ مرادآبادی سے کی۔ پھر مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں تدریس پر مامور ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کرکے آخر وقت تک پڑھاتے رہے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا۔ ۸ رجب ۱۳۴۲ھ کو وفات ہوئی اور فتح پور میں دفن کیے گئے۔[1]

---

[1] مولانا حکیم سید عبدالحی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد دکن: ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۵۱۱،۵ (عربی سے اردو)

مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھوی رح

"الشیخ العالم الفقیہ عبداللہ بن انصار علی بن احمد علی بن قطب علی ابن غلام محمد انصاری حنفی انبیٹھوی اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔ ولادت اور نشوونما انبیٹھہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ اپنے ماموں مولانا یعقوب ابن مملوک علی اور خسر مولانا قاسم بن اسد علی نانوتوی سے علم کی تحصیل کی۔ ۱۲۸۶ھ میں سند الفراغ حاصل کی۔ حدیث میں دوسری سندیں شیخ احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری، سید عالم علی نگینوی اور قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے حاصل کیں۔ مثنوی معنوی کا درس شیخ اجل امداداللہ تھانوی مہاجر مکی سے لیا۔ ۱۳۱۱ھ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں وعظ ونصیحت اور خطابت پہ مامور ہوئے۔ ۱۳۴۴ھ کے لگ بھگ بمبئی میں وفات ہوئی۔[1]

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں: "آپ حضرۃ بانی دارالعلوم دیوبند کے داماد تھے حضرۃ کے تلامذہ میں سے بھی تھے۔ حضرۃ حاجی امداداللہ قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز تھے۔ مکہ مکرمہ میں حضرۃ حاجی صاحب قدس سرہٗ کے پاس عرصہ تک قیام رہا۔ سرسید نے آپ کو علی گڈھ بلاکر مسلم یونیورسٹی میں ناظم دینیات کے عہدہ پر فائز کیا۔ سرسید اس پر اظہار مسرت کرتے تھے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ بھی مولانا محمد قاسم صاحب رح کی نسبت سے خالی نہیں ہے۔ احقر نے بھی مولانا عبداللہ صاحب رح سے اجازت حدیث حاصل کی ہے۔"[2]

---

[1] مولانا حکیم عبدالحی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۲۸۵، ۲۸۶ (عربی سے اردو)

[2] مولانا قاری محمد طیب: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دہلی، ۱۹۶۵ء ص ۹۵

مولانا شاہ افضل بخاری اکبر آبادیؒ

آپ جناح آباد، غزنی میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام محمد اکرم عرف صوفی تھا۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان کا رخ کیا اور آگرہ کی جامع مسجد میں قیام کر کے مولوی عبداللہ مدرس مدرسہ جامع مسجد سے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ حاجی الطاف حسین کے ہمراہ مکہ معظمہ پہنچے۔ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔

وہاں حضرۃ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھ پہ بیعت ہوئے اور دو سال ان کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں اور چاروں سلسلوں میں مجاز ہوئے۔ حضرۃ حاجی صاحب نے آپ کو خرقہ شریف کلاہ مبارک اور عمامہ شریف دیئے اور آگرہ میں رہنے کا حکم دیا۔

بیعت سے پہلے آپ اپنے اصلی نام محمد اکبر بخاری سے موسوم تھے۔ پیر روشن ضمیر نے آپ کا نام محمد افضل رکھا اور اسی سے شہرت پائی

وصال | ۱۹۲۲ء میں آپ کا وصال ہوا اور نئی بستی گلی حیم حیم والی میں اپنے سکونتی مکان میں آپ مدفون ہیں

اولاد | آپ کی پانچ لڑکیاں اور تین فرزند تھے لے

لے۔ امداد صابری: حضرۃ حاجی امداداللہ اور ان کے خلفاء، دہلی ۱۹۵۱ء ص ۱۲۴ تا ۱۲۵ (کی تلخیص)

حضرۃ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

خاندان | آپ ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ والد صاحب کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب سیدنا ابو ایوب انصاریؓ اور والدہ صاحبہ کی طرف سے سیدنا صدیق اکبرؓ تک پہنچتا ہے۔

آپ کے آباؤ اجداد میں بڑے بڑے علماء اور محدث ہو گزرے ہیں۔ ان میں شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ انصاری علمی اور روحانی لحاظ سے ایک بلند مقام پر فائز تھے۔ انہوں نے اپنے علم و فضل اور تقوی اور ورع سے توحید و سنت کی شمعیں روشن کیں۔ امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں ان کے علم و فضل اور حق گوئی و بیباکی کا نہایت بلند الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

شیخ الاسلام کی اولاد مختلف شہروں میں جا بسی۔ اس نے توحید اور جہاد فی سبیل اللہ کے علم کو بلند کیا۔ اس کی ایک شاخ ہندوستان منتقل ہوئی اور اس نے دہلی، سہارنپور، بارہ بنکی اور ریاست اودھ میں سکونت اختیار کی۔

فرنگی محل کے علماء کا تعلق بھی ان بزرگوں سے ہے جو ضلع بارہ بنکی کے قصبہ سہالی میں آٹھہرے۔ ان کے جد اکبر ملا نظام الدین تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایسی اولاد نصیب فرمائی جو تدریس اور افتا میں یکساں مہارت رکھتی تھی اور ماضی قریب تک اس کا یہی حال رہا اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے تزکیۂ نفس، قرآن و سنت کی اشاعت اور انسانی خدمت کی طرف توجہ دی جنہوں نے سہارنپور کو اپنا وطن بنایا ان میں ایک شیخ محمد بن عبدالرحمٰن انصاری

تھے۔ ان کا ذکر علامہ عبدالحی نزہۃ الخواطر میں بلند الفاظ میں کیا ہے۔ ان سے بہت سے لوگوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ ہمارے شیخ خلیل احمد کا تعلق بھی ان سے ہے۔

ولادت اور نشوونما شیخ خلیل احمد کی ولادت صفر ۱۲۶۹ھ/دسمبر ۱۸۵۲ء میں اپنے ننھیال نانوتہ میں ہوئی۔ آپ کے والد صاحب کا نام مجید علی اور والدہ کا مبارک النساء تھا۔ مبارک النساء استاذ العلماء علامہ مملوک علی نانوتوی کی دختر نیک اختر تھیں۔

آپ سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے کہ آپ کے نانا مولانا مملوک علی نے رخت سفر باندھا۔ اس وقت آپ کے والد ملازمت کی وجہ سے وطن سے کافی دور تھے۔ چنانچہ آپ کی تربیت آپ کے فاضل اور متقی ماموں مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے کی اور ان ہی کی سرپرستی میں آپ نے تحصیلِ علم کی۔ آپ نے خالص دینی ماحول میں نشوونما پائی۔

اپنے چچا انصار علی کے ساتھ کچھ عرصہ گوالیار میں بھی تعلیم حاصل کی۔ پھر واپس وطن آکر شیخ سخاوت علی کے ہاں پڑھنا شروع کیا۔

۱۲۸۳ھ میں جب آپ کی عمر تیرہ چودہ سال تھی، دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ آپ کے ماموں مولانا محمد یعقوب اس دارالعلوم کے صدر مدرس تھے۔ انہوں نے آپ کو یہاں بلا لیا جہاں آپ نے چھ ماہ تک تعلیم حاصل کی۔

شیخ سعادت علی (جو حضرۃ سید احمد شہیدؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے) نے سہارنپور میں ایک دوسرا مدرسہ قائم کیا۔ شیخ مظہر نانوتوی (جو کہ آپ کے ماموں تھے) اس مدرسہ مظاہر علوم کے صدر مدرس تھے۔ دیوبند سے آپ سہارنپور کے مدرسہ مظاہر علوم میں آگئے اور یہیں علوم کی تکمیل کر کے فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مفتی سعادت علی شیخ سخاوت علی انبیٹھوی اور شیخ سعادت حسین بہاری کے نام آتے ہیں۔ آپ کے خاص الخاص اساتذہ میں شیخ مظہر علی نانوتوی ہیں، جن سے آپ نے حدیث کی تمام کتابیں پڑھیں اور

۱۸۸۵-۸۶ء میں دورۂ حدیث پڑھا۔ عربی ادب میں بھی مہارت حاصل کی۔

پھر آپ لاہور چلے آئے اور علامہ فیض الحسن ادیب سہارنپوری استاذ اورینٹل کالج سے علم ادب کی تحصیل کی۔

مسوری میں ماموں مولانا یعقوب صاحب کے ارشاد پر کچھ عرصہ مسوری میں قیام کیا۔ وہاں "قاموس" کا ترجمہ کیا۔

آپ کو حفظ قرآن کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک حافظ قرآن کو تراویح میں سنانے کی فرمائش کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ "آپ خود کیوں حفظ نہیں کر لیتے؟" ان کی اس بات سے متاثر ہو کر آپ نے ایک سال میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور اگلے سال خود تراویح میں سنا دیا۔

شادی ۱۲ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی، جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک سال بعد آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا، جس کا عین شباب میں انتقال ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

صوفیانہ مسلک آپ کے تحصیلِ علم کے دوران امام ربانی رشید احمد گنگوہیؒ جو اپنے علم و عمل، درس و تدریس اور اصلاحِ نفوس کے سلسلہ میں لوگوں کا مرجع تھے اور ان کی شہرت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ لوگ ان سے روشنی حاصل کرتے اور ان پر گر گر پڑتے تھے، جیسے پتنگے آگ پر۔ ان سے صحیح معرفت حاصل کرتے اور ایمان کی حلاوت پاتے۔ ان کے درسِ حدیث کی بھی بہت شہرت تھی۔ فراغت کے بعد آپ منگلور پہنچے اور وہاں تدریس میں مشغول ہونے کے ساتھ قاضی اسماعیل منگلوری کی مجالس سے مستفید ہوتے رہے۔ آپ بچپن ہی سے علامہ رشید احمد گنگوہی کا نام سنا کرتے تھے۔ اس سے قبل ان کی خدمت میں حاضری کا شرف بھی حاصل کر چکے تھے۔ آپ کا دل ان کی طرف کھنچتا تھا۔ حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب سے مشورہ کے بعد ۱۹ سال کی عمر

میں ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ شیخ کی محبت دل میں گھر کر گئی اور بالآخر اللہ کی محبت نے جگہ لے لی۔ ذکر وفکر کے سلسلہ میں اتنے مجاہدے اور ریاضتیں کیں کہ لوگ تعجب کرنے لگے۔ شیخ کے مریدوں کو پیچھے چھوڑ گئے۔ اسی طرح ان کی خدمت میں نو سال کا عرصہ گزارا۔

حج | ۱۲۹۴ھ میں حج کیا اور اپنے شیخ کے شیخ الحاج امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی زیارت کی۔ انہوں نے آپ کو بہت نوازا اور بیعت کی اجازت عطا فرمائی۔ حج کے بعد جب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دی تو انہوں نے اس اجازت کی تصدیق کی اور خلافت سے نوازا اور شاید آپ اپنے شیخ کے خلیفہ اول ہیں۔ آپ برابر ان سے استفادہ کرتے رہے۔

تدریسی خدمات | پہلے منگلور ضلع سہارنپور میں تدریس کی اور پانچ سال ڈٹ کر تدریس کی۔ پھر شیخ جمال الدین کی دعوت پر اور اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب کے حکم پر بھوپال میں کام کرتے رہے۔ بھوپال ان دنوں ایک علمی مرکز تھا۔ ملکہ نواب شاہ جہاں کی بدولت بڑے بڑے علماء بھوپال میں موجود تھے۔ آپ نے افادہ اور استفادہ دونوں جاری رکھے۔ اسی دوران مفتی ریاست مولانا عبد القیوم بڑھانوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اسی دوران آپ نے پہلا حج کیا اور مدینہ منورہ کے قیام کے دوران شیخ عبد الغنیؒ سے بھی حدیث کی سند حاصل کی۔ پھر حج سے واپسی پر اپنے شیخ گنگوہیؒ کے حکم پر سکندر آباد ضلع بلند شہر کی جامع مسجد کے مدرسہ میں تدریس شروع کی۔ مگر مبتدعین نے یہاں آپ کو بہت ستایا۔ آپ نے صبر کیا اور شیخ کے حکم پر ایک ماہ بعد واپسی ہوئی۔

پھر ایک سال اپنے وطن میں رہے۔ پھر اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب کے ارشاد پر بہاولپور چلے گئے۔ وہ پورے ہندوستان میں مشہور اسلامی ریاست تھی۔ یہاں تدریس میں لگے رہے اور دس سال تک تدریس کی۔ یہاں بھی بڑے بڑے معرکے سر کئے اور دین کی بڑی خدمت کی۔ مناظرے بھی ہوئے اور غالب رہے۔ اسی دوران آپ نے ہدایات الرشید نامی

کتاب لکھی۔ آپ نے مختلف علوم وفنون کے علاوہ تفسیر اور حدیث کا بھی درس دیا۔ اسی دوران دوسرا حج کیا اور شیخ کبیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے اس سفر میں اجازت بیعت حاصل ہوئی۔ پھر مصباح العلوم بریلی میں ۱۳۰۶ھ سے ۱۳۰۸ھ دو سال تک تدریس کی۔

دار العلوم دیوبند میں | اپنے شیخ حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد پر دار العلوم دیوبند میں ۱۳۰۸ھ میں تدریس حدیث کا آغاز کیا اور چھ سال تک پڑھاتے رہے۔ طلبہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور آپ سے خوب خوب استفادہ کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ بھی ان دنوں تدریس میں مشغول تھے۔ دونوں کے درمیان محبت والفت کا مضبوط رشتہ قائم تھا۔ ہر ایک دوسرے کی دل سے قدر کرتا تھا۔ اسی دوران مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے بھی آپ سے پڑھا۔

ندوۃ العلماء کے پہلے جلسہ منعقدہ کانپور ۱۳۱۱ھ میں شریک ہوئے اور اس کی تائید کی۔

مظاہر علوم میں | ۱۲۸۳ھ میں مظاہر علوم کی تاسیس ہوئی۔ پھر اس میں وسعت ہوئی اور ۱۳۱۴ھ میں مدرسہ نے بہت قبولیت حاصل کر لی۔ شیخ رشید احمد گنگوہیؒ اس کے متولی اور سرپرست مقرر ہوئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اس مدرسہ کے لیے ایک ممتاز شخصیت کا انتخاب کیا جائے۔ نظر انتخاب آپ پر پڑی۔ آپ کو دار العلوم دیوبند سے طلب کیا گیا اور ۸ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ میں مظاہر علوم میں صدر مدرس مقرر کر دیا گیا۔ اس عرصۂ قیام میں ہزاروں طلبہ نے آپ سے پڑھا۔ آپ کے صدارت تدریس کے زمانہ میں مدرسہ نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی اور اس کی شہرت عالم میں پہنچی۔ ۱۳۲۰ھ میں آپ اس کے مدیر مقرر ہوئے اور اچھے اچھے علماء کو برائے تدریس مدرسہ میں لائے۔ ان میں مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور ان کے فرزند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ ۲۲ سال تک اس مدرسہ کے صدر المدرسین رہے اور ۶ سال تک مدیر۔ مدرسہ کی تعمیر وترقی میں اپنی تمام علمی وعملی اور ذہنی صلاحیتیں لگا دیں۔ یہاں تک کہ مدرسہ اپنے وطن سے زیادہ عزیز اور اس کے اساتذہ اپنے رشتہ داروں سے

زیادہ عزیز تھے۔ تعلیم و تدریس میں آپ کا ایک خاص طرز تھا۔ اپنے تدریسی اوقات کے سخت پابند تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بارے میں زیادہ سوچتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ بچوں کی تعلیمی بنیاد مضبوط کی جائے۔ تجوید و قرارت کو تعلیم کے اہم اجزاء میں سے سمجھتے تھے۔ امتحانی امور میں بہت سخت تھے۔ طلبہ کو دل کی گہرائیوں سے چاہتے تھے اور ان سے ایسے رہتے تھے جیسے والد اپنی اولاد سے۔ اساتذہ کا احترام اور ان کی قدر کرتے تھے اور اسباق کی نگرانی کرتے تھے۔

حج و زیارت | آپ نے سات حج کئے۔ پہلا ۱۲۹۳ھ میں کیا جبکہ بھوپال میں مقیم تھے۔ اس مبارک سفر میں آپ کی ملاقات حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے ہوئی۔ اس وقت عمر چوبیس سال تھی۔ دوسری بار ۱۲۹۷ھ میں جبکہ آپ بہاولپور میں تھے۔ حاجی صاحب سے اس سفر میں اجازت پائی۔ تیسری بار ۱۳۲۳ھ میں جبکہ آپ کے شیخ حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا وصال ہوا۔ ان دنوں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مدینہ منورہ میں تدریس میں لگے ہوئے تھے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو حضرۃ مدنیؒ نے علماء مدینہ سے آپ کا تعارف کرایا اور آپ سے درسِ حدیث دینے کو کہا جسے آپ نے منظور کیا۔ حجاز کے تمام اطراف سے طلبہ دیوانہ وار آنے لگے۔

چوتھی مرتبہ ۱۳۲۰ھ میں مظاہر علوم کے دیگر علماء حضرۃ عبدالرحیم رائے پوری اور ان کے فرزند عبدالرشید حسن کا سفر کے دوران انتقال ہوا حج کے لیے گئے۔

پانچویں مرتبہ ۱۳۳۳ھ میں حج کا سفر کیا۔ یہ سفر بڑا اہم تھا۔ اس میں شیخ الہند مولانا محمود حسن بھی ساتھ تھے، مگر سفر الگ الگ کیا اور مکہ مکرمہ میں دونوں ملے اور حج و زیارت میں اکٹھے رہے۔ مدینہ منورہ اکٹھے گئے اور "انور پاشا" وزیر جنگ حکومتِ ترکی سے ملے۔ اس مدت میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں انور پاشا، جمال پاشا اور بہت سے علماء نے شرکت کی۔ انہوں نے تقریریں کیں۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے آپ اور مولانا محمود حسن شیخ الہند کی نیابت میں تقریر کی۔ شیخ الہند مکہ مکرمہ سے طائف چلے گئے اور آپ واپس

ہندوستان آگئے۔ جونہی بمبئی پہنچے آپ کو گرفتار کر دیا گیا اور نینی تال جیل بھیج دئیے گئے بعد میں جب رہائی ہوئی تو دیوبند اور سہارنپور آئے۔ لوگوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور نہایت گرمجوشی دکھائی۔

چھٹی مرتبہ شعبان ۱۳۳۸ھ میں سفر حج پر روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت محب الدین سے ملاقات ہوئی جو کہ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلفاء میں سے تھے۔ انہوں نے ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا۔ اس لیے کہ یہ دن بڑے پریشانی کے تھے اور راستے بند اور بدامنی اور دلوں پر خوف طاری تھا۔ محرم ۱۳۳۹ھ کو سہارنپور واپسی ہوئی۔

ساتویں مرتبہ ۱۳۴۴ھ میں حج کیا۔ اس حج میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد ساتھ تھی اور اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ یہ آپ کا آخری سفر ہے جس کے بعد واپسی نہ ہو سکی۔

اس مبارک سفر کے لیے آپ نے ۱۳۴۴ھ میں سہارنپور سے رختِ سفر باندھا۔ پہلے حیدرآباد گئے، پھر بمبئی۔ بمبئی میں لوگوں نے نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا۔ بمبئی سے بروز جمعرات ۷ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ میں روانگی ہوئی۔ اس مرتبہ دو سو آدمی ساتھ تھے جو غم اور اشکبار آنکھوں سے آپ کو الوداع کہہ رہے تھے۔ یہ محبت و شیفتگی کا سفر تھا۔ عشق و محبت کا سفر تھا۔ حج کی سعادت حاصل کی اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ ۸ محرم ۱۳۴۴ھ کو حرم النبوی کی زیارت سے مشرف ہوئے اور باب النساء کے سامنے مدرسۃ الایتام (جو اب مدرسہ علوم شرعیہ کے نام سے مشہور ہے) میں ٹھہرے۔ مظاہر علوم کی ذمہ داریوں سے فرصت ملی تو تدریس، تصنیف و تالیف اور عبادت و ریاضت میں لگ گئے۔ اپنی عظیم کتاب **بذل المجہود فی حل ابو داؤد** کی تکمیل کی جسے پہلے سے شروع کر رکھا تھا۔

علمائے نجد سے تعلقات اس سفر میں اس غلط فہمی کا جو حکومت نجد اور مسلمانان ہندوستان کے درمیان پیدا ہوگئی تھی کا ازالہ ہوگیا۔ قاضی القضاۃ بلیہد پہلی ہی ملاقات میں گھل مل ہو گئے۔ فقہی مسلک کے اختلاف کے ہر ایک دوسرے کی عزت کرتا تھا۔ سلطان دو تین مرتبہ آپ سے ملے۔ سلطان نے ملاقات کے لیے بلایا مگر آپ نے عذر کر دیا۔ سلطان آپ کی للہیت، تقویٰ، علمی اور عملی مجالس میں آپ کی برتری، جرأت اور سچی بات سے بہت متاثر تھا۔ دوبارہ گھر پہ ملاقات کی دعوت دی مگر آپ نے معذرت کر دی۔ مگر ان کے اصرار پر گئے اور ان سے گفتگو ہوئی اور بعض اصلاحات کے اجراء کی اسے نصیحت کی۔

سبھی لوگ آپ سے عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ یہاں تک کہ جلالۃ الملک عبدالعزیز بن مسعود، حرمین شریفین کے امام اور اسی طرح وہاں کے امراء بھی احترام کرتے تھے۔ آپ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جو لوگ دوسرا فقہی مسلک رکھتے ہیں، ان کی بعض تکالیف رفع کرائیں۔

۱۳۴۵ھ میں بذل المجہود فی حل ابی داؤد کی خوشی میں ایک عظیم دعوت دی اور لوگوں کو بلایا۔ پھر اس کے بعد اپنی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول کی اور کلی انقطاع کر لیا۔ رمضان شریف آپہنچا اور یہ آپ کی زندگی کا آخری رمضان تھا۔

علالت اور وصال اس ماہ میں آپ اس مرض کا شکار ہوئے جس میں کہ آپ کا وصال ہوا۔ شروع میں آپ پر سردی کا حملہ ہوا، پھر بخار شروع ہو گیا۔ رمضان آپ نے بہت عزیمت کے ساتھ گذارا اور سخت ریاضت کی۔ پھر آپ پر فالج کا ہلکا حملہ ہوا جس نے چلنے پھرنے سے عاجز کر دیا۔ عید کا چاند نکلا مگر آپ کی نقاہت بتدریج بڑھ رہی تھی۔ اس دوران آپ کو اصلی مرض میں کچھ خفت محسوس ہوئی اور شیخ محمد زکریا کو ہندوستان روانہ کیا بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس سال ضعف و نقاہت کے سبب حج نہ کر سکے مگر بے چینی اور

تکلیف روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو مدرسہ مظاہر علوم ایک خط لکھا، جس میں انتظامی امور سے متعلق کچھ باتیں تھیں۔ پھر اسی ماہ میں مرض نے شدت اختیار کر لی اور سینہ میں درد محسوس ہونے لگا جو بعد میں زائل ہو گیا مگر ضعف و نقاہت برابر بڑھتی چلی گئی۔ درجہ حرارت ڈاؤن ہو گیا اور حرم نبوی جانا موقوف ہو گیا۔ اپنے بستر پر تکیہ لگا کر نماز پڑھنے لگے۔ عشاء کے بعد مرض اور الم بڑھ گئے اور دوسرے دن کی عصر کے بعد بے ہوشی کی کیفیت رہی۔ رات کو قلق اور اضطراب اور بڑھ گیا۔

۱۵ ربیع الثانی بروز بدھ ۱۳۴۶ھ عصر کے بعد آپ نے بآواز بلند اللہ کا ذکر شروع کر دیا۔ پھر یہ آواز آہستہ آہستہ، آہستہ ہو گئی اور آپ کی روح ملاءِ اعلیٰ سے جا ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے وصال کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ ہر شخص غمگین تھا۔ علماء نے فقہ اور حدیث کے ایسے متبحر عالم کی وفات پر سخت افسوس کا اظہار کیا۔ معرفت و احسان والے حضرات نے آپ کی وفات پر سخت صدمہ محسوس کیا کہ جس نے اپنی عمر تربیت و تزکیہ میں بسر کی، ہر شخص جیسے یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

فَاذهب كَمَا ذَهَبَت غوادي مزنة
أثنى عليها السهل والآوهاد

سید احمد نواب مزور نے غسل دیا اور مدرسہ شرعیہ کے بانی شیخ احمد نے اس میں مساعدت کی۔ باب جبریل پر آپ کا جنازہ رکھ دیا گیا۔ شیخ طیب نے نماز جنازہ پڑھائی عشاء سے پہلے بقیع میں اہل بیت کے مقابر کے قریب دفن کئے گئے۔

آپ کے وصال پر قاضی مدینہ منورہ کا یہ مرثیہ بھی پڑھنے کے قابل ہے

عربی مرثیہ

العلم يبكي شجوه وينوح والدمع في خد الزمان سفوح
لِمَ لا وقد فُقِدَ الذي بوجوده شخص الجهالة في الورى مذبوحُ
تهمي تودُّ الزاهراتُ لَوْ أنها تفنيه مِنْ بين الورىٰ وتصوحُ
يا أهلا قطنت صفاتُ كمالِهِ في كل حيٍّ فهي فيهم روحُ
خلدْتَ مَنْ ذكر المعارف والنُّهىٰ مجدًا به شمس العلوم تلوحُ
خلصتنا مِنْ مشكلِ الافهامِ مُذْ أبذلت جهدك وَالعليه نصيحُ
لولاك ضلّت في الرجال قرائحٌ أمست بذلاتِ الفهوم تبوحُ
يا بحرُ بحرالهندِ هٰني طابهٗ وَبقيعها فيه الرضاءُ يصيحُ
لَا تخشَ باسًا مذ حللت بربعِهِ ربع بأرواحِ الجنان يفوحُ
إنّ السعادة كلّها فيمنْ ثوىٰ فيه فثارى النفسِ فيه ربيحُ
حيَّ النعيمُ وإنْ توىٰ جثمانهٗ ومضىٰ وكبدُ المجد فيه قريحُ
مَا مَاتَ مَن أبقىٰ مآثِرَ لَمْ تَزَلْ فيها غبوقٌ للثنا وصبوحُ
دمعُ الفنونِ عليه دومًا مُسبلٌ ينعى الخليلُ ولا يزال يسيحُ
راحتْ بأحمدنا الغداةَ روائحُ تلويحها في ندبه توضيحُ
حكمتْ بأخذِ بقيةِ الأعلام في عصرٍ عليه الاحتياجُ يَبْرحُ
ما مَاتَ بلْ ماتَ الأنامُ جميعُهم فالهندُ فيه والحجازُ جريحُ
تاللهِ ما أحدٌ أذبَ لدينِهِ منهُ وباعُ العلم منه فسيحُ
ايصاحبَ الزمن الطويل مقامهُ في الهند عمرًا للدروس يبيحُ
ليردّ عن روح العلومِ بفضلِهِ ويردُّ عنه باليقين جموحُ
لا ينبري أحدٌ لنقصِ كمالِهِ إلّا هوىٰ وكمالهُ المطروحُ
هادِيًا أنوارِ المعارفِ عالِمًا إنّ الحياة وطولها المزوحُ

جارى التقوىٰ مكىّ النُّهىٰ عن موطنٍ متباعِدًا حتّى حواهُ ضريحُ
في بلدةٍ سادتْ بلادَ اللهِ لا شكٌّ ولا وهمٌ بذاك يلوحُ
واللهِ هٰذا الحقُّ في إخلاصِهِ يبدو وبصدقٍ في الهدىٰ ويروحُ
هي منحةٌ مِنْ فيض إكرامِ سيّدٍ سترِ الثبوت بجودهِ مفضوحُ
علمٌ أرانا كيف نفهم دينَنا والفضلُ بحرٌ واللسانُ فصيحُ
لا يلحقُ السبّاقَ شأوَ مُبْتدٍ أمُّ المفاخرِ عن سواه نزوحُ
يا فرحةَ الحورِ الحسانِ بروحِهِ وبمثلِهِ وجه الجنانِ صبيحُ
هي حقّةٌ أرّخ بها ومقرّهٖ باب النعيم لروحِهِ مفتوحُ[1]

معاصرین کی نظر میں

آپ سے جو بھی ملا اس نے آپ کی تعریف کی اور آپ کی برتری کا اعتراف کیا اور آپ کی جامعیت کا اعتراف کیا کہ آپ بیک وقت عالم بھی تھے اور عامل بھی۔ محدث بھی تھے اور فقیہہ بھی اور شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ مختلف علوم میں چاہے ان کا تعلق مادیات سے ہو یا روحانیات سے، اس میں آگے بڑھے ہوئے تھے کسی ناقد نے یہ جرأت نہیں کی کہ کمزوری کی جگہ ہاتھ رکھ سکے، یا کہیں بھی شریعت حقہ سے آپ کا ادھر ادھر ہونا ثابت کر سکے، بلکہ مؤرخین کا آپ کی مثالی شخصیت پر اتفاق ہے۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کہتے ہیں کہ "جید علماء میں سے تھے۔ فقیہہ محدث، زاہد اور متقی تھے۔ حرم نبوی میں سالوں انھوں نے تدریس کی۔ ان سے ہندوستان افغانستان، بخارا اور تاشقند کے بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا اور ہزاروں افراد نے

---

[1] الشیخ عمر البری بن الشیخ ابراہیم البری سابق قاضی مدینہ طیبہ بمرثیہ المظاہر سہارنپور۔ رمضان ۱۳۴۶ھ ص ۱۵ تا ۱۱

ان کے ہاتھ پر توبہ کی۔ وہ ثقہ تھے، حافظ تھے، اچھے تھے۔ سنت کے زندہ کرنے والے اور بدعات کا قلع قمع کرنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ آپ کا شعار تھا اور تقویٰ اور اللہ کا خوف آپ کا شیوہ۔ اللہ کے معاملہ میں کسی کی پرواہ نہ کرنے والے تھے کسی ظالم کا خوف آپ کو صحیح راستے سے ہٹا نہ سکا۔ فضل وکمال کے میدانوں میں اپنے سب ساتھیوں سے آگے نکل گئے۔ اللہ کے راستے میں جہاد کا علم بلند رکھا اور مضبوط علمی دلائل پیش کئے۔ آپ کے افادات سے علم کے چشمے جاری ہو گئے اور آپ کے افاضات سے احسان اور تقویٰ کے دریا بہہ نکلے۔ حدیث کی زمین روایات کے نور سے روشن ہوئی اور فقہ کے آسمان درایات کی روشنی سے چمک اٹھے۔ سالکین، علماء اور طلبہ کے لیے وہ روشنی کا ایک مینار تھے۔ پوری امت کے مخلص ناصح تھے۔ عاملین اور ہادیوں کے امام تھے۔ عالم انسانی کے سچے خادم تھے۔ رسول پاک کی سنتوں پر ٹھیک عمل کرنے والے تھے اور اسلاف اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے والے تھے جب لوگ سوئے ہوتے وہ عبادت کرنے والے تھے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

یبیت شمرا شہر اللیالی	وصار نہارہ للہ خیفہ
وَمَانَ لِسَانہ عن کلِ اقب	ومَازالت جوارحہ عفیفہ
یعف عن المحدم والملاہی	وَمَرضاة الالٰہ وظیفہ

علامہ سید عبدالحی حسنی لکھتے ہیں:

"شیخ خلیل احمد کا فقہ اور حدیث میں قوی ملکہ تھا۔ مناظرہ میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ دینی علوم، معرفت اور یقین میں بہت مضبوط تھے۔ رقیق القلب، حساس، حق والے، صحیح بات کرنے والے، سنت کے انتہائی پابند، بدعت سے کوسوں دور، مہمانوں کا بہت اکرام کرنے والے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہت نرمی کرنے والے، ہر چیز میں ترتیب اور نظام کو چاہنے والے اوقات کے پابند، اس چیز سے تعلق رکھنے والے جو دینی لحاظ سے نافع ہو، دینی حمیت اور

غیرت والے اور سیاست سے کنارہ کش تھے۔"

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی تحریر فرماتے ہیں:

"حضرۃ مولانا الحاج الحافظ المولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور مدفیضہ۔ آپ کا سلسلہ نسب چند پشت پر حضرۃ امام ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہی) قدس سرہٗ سے ملتا ہے اور نیز ایک سلسلہ سید شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہے۔ اس وقت بظاہر کسی کی بیعت حضرۃ کے ہاتھ پر آپ سے مقدم نہیں ہے۔ قدرت کے ہاتھوں صورت اور سیرت میں آپ کو اپنے شیخ کے ساتھ مشابہت کا حظ وافر عطا ہوا ہے۔ ایک بار آپ نے بعد رمضان [illegible]ھ میں اپنا خواب حضرۃ سے بیان کیا کہ "حضرۃ! میں اعتکاف میں تھا۔ خواب میں دیکھا کہ خربوزہ تراش رہا ہوں اور قاشیں آپ کو دے رہا ہوں۔ آپ رغبت کے ساتھ کھا رہے ہیں اور کھانے کے وقت آپ کے دہن سے جو لعاب وغیرہ گرتا ہے وہ میں اپنی زبان پر لیتا ہوں" حضرۃ مسکرائے اور فرمایا "تم خود سمجھتے ہو گے آخر نسبت تو ایک ہی ہے" مولانا ممدوح ۱۲۹۶ھ میں جب دوبارہ حج کے لیے مکہ روانہ ہوئے تو امام ربانی نے مرشد العرب والعجم اعلیٰ حضرۃ حاجی صاحب کی خدمت میں لکھا کہ مولوی خلیل احمد کو اجازت فرمادیں۔ حضرۃ اعلیٰ مولانا کی حالت دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ محرم ۱۲۹۷ھ میں خلافت نامہ مزین بمہر کر کے عطا فرمایا اور کمال مسرت سے اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر مولانا کے سر پر رکھ دی۔ مولانا ممدوح نے دونوں عطیہ حضرۃ امام ربانی کے حضور میں پیش کر دیے اور عرض کیا کہ "بندہ تو اس لائق نہیں، حضور کی بندہ نوازی ہے" حضرۃ نے فرمایا "تجھ کو مبارک ہو" اس کے بعد خلافت نامہ پر دستخط فرمائے مع دستار آپ کو خود عطا فرمایا۔ مگر آپ کا یہ ادب تھا کہ طالب کو بیعت کرتے وقت معاصی سے توبہ کرانے کے بعد یہ الفاظ فرماتے تھے کہ بیعت کی میں نے حضرۃ مولانا رشید احمد صاحب

سے خلیل احمد کے ہاتھ پر۔

حضرۃ قدس سرہٗ کو مولانا سے خاص محبت تھی۔ ایک مرتبہ بھوپال سے یکصد روپیہ مشاہرہ پر آپ کی طلبی ہوئی۔ مگر جب آپ نے حضرۃ کی خدمت میں لکھا تو حضرۃ نے تحریر فرمایا کہ "میں اپنے لوگوں کو اپنے سے جدا کرنا اور دور بھیجنا نہیں چاہتا۔"

حضرۃ نے ایک مرتبہ آپ کے بارہ میں فرمایا کہ "جو میں وہ مولوی خلیل احمد"[1]

ایک خط میں حضرۃ مولانا کو یہ شعر تحریر فرماتے ہیں ؎

در گور برم از سر گیسوئے تو تارے

تا سایہ کند بر سر من روزِ قیامت"

مولانا سراج الیقین لکھتے ہیں:

"آپ اکابر علمائے ہندوستان میں ہیں۔ آپ حضرت محمد یعقوب صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ عالیہ دیوبند کے ارشد تلامذہ اور حضرۃ مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی کے اجل اور اعظم خلفاء میں ہیں۔ آپ کچھ دنوں تک مدرسہ عالیہ دیوبند میں مدرس رہے اور اب مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس اعلیٰ ہیں۔ آپ کی ذات بھی فیض و برکت کی سرچشمہ ہے۔ سفر حج میں فقیر کی اور آپ کی معیت رہی۔ آپ مکارم اخلاق کے جامع اور معدن ہیں۔ مدینہ منورہ کے سفر میں آپ قافلہ میں نماز پنجگانہ اول جماعت کثیرہ کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ قافلہ میں کبھی ایک وقت کی جماعت آپ کی فوت نہیں ہوئی۔ مدینہ منورہ میں فقیر نے دیکھا کہ اہل عرب آپ کا احترام اور اعزاز کرتے تھے اور اس قلیل زمانہ قیام میں طلباء حدیث پڑھنے کے لیے آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوتے تھے۔ آپ تصنیفات عالی رکھتے ہیں۔"[2]

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید: دہلی: بلا تاریخ۔ ص ۱۵۴

[2] مولانا سراج الیقین: شمس العارفین: لاہور: بلا تاریخ۔ ص ۹۳

علامہ رشید رضا مصری جب ہندوستان آئے تو مظاہر علوم دیکھا اور اس کے مدیر شیخ خلیل احمد سے بھی ملاقات کی اور ان کے بارے میں یوں لکھا

لم أنس ولا أنسى زيادة مدرسة "مظاهر علوم" في مدينة سهارنپور وأكبر مدرسيها الشيخ خليل احمد الذى لم أر في علماء الهند الأعلام أشد منه انصافاً ولا ابعد عن التعصب للمشايخ والتقاليد وما ذلك إلا لإخلاصه وقوة دينه ونور بصيرته[3]

"میں مدرسہ مظاہر علوم اور اس کے بڑے استاذ خلیل احمد کو نہ بھولا ہوں اور نہ کبھی بھولوں گا۔ میں نے ہند کے ممتاز علماء میں ان جیسا منصف اور تعصب سے دور شخص نہیں دیکھا اور یہ صرف ان کے اخلاص، دینی قوت اور نور بصیرت کی وجہ سے ہے۔"

شیخ احمد البرزنجی مفتی الشافعیہ یوں لکھتے ہیں:

صاحب الفضل والسماحة والعلم والرجاحة الماجد الورع و الشهم السميذع الفائز من مدارك التقى بأوفر نصيب والحائز من مسالك الهدى السهم المصيب ذى المجد البازخ والجد الشامخ اللوذعى الكامل والعلامة الفاضل حضرة جناب الشيخ خليل احمد حفظه الله الصمد۔ (مجموعہ مسلسلات ص۵)

حجاز کے قاضی القضاۃ ابن بلیہد جو ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کے وقت میں نجد کے ممتاز علماء میں سے تھے، آپ کے بارے میں بلند کلمات میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ وہ اکثر مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ سے فتویٰ لیتے تھے

---

[3] دکتور یوسف الیش: رحلات الامام محمد رشید رضا، بیروت: ص ۷۹

اور آپ کو اپنے اساتذہ کا مقام دیتے تھے۔ آپ کے پاس آتے، مجالس میں حاضری دیتے اور علمی موضوعات پر بحث و مباحثہ بھی کرتے تھے۔[1]

علامہ انور شاہ کشمیری کے الفاظ آپ کے بارے میں یہ ہیں

"الولی الهمام العلام العارف الفقیه المحدث شیخنا و شیخ الفقه والحدیث و مسند الوقت"

شیخ الادب مولانا اعزاز علی یوں لکھتے ہیں:

"المولیٰ الحاج السید خلیل احمد الذی تسرقت الأقطار والأماکن بذکره وصفه وتعطرت من طیب عرقه، سحاب علم أخصب الهند بدوام دیمه وبحر مواج لا تؤتی إلا لیقتبس من علمه وکرمه"

مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

"فهامة زمانه، امام أوانه، المتکلم الفائق علی أقرانه المولی الهمام العالم الأوحد الشیخ السید السند مولانا خلیل احمد"

بہت سے علماء نے نہایت بلند کلمات میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر یہاں اختصار کے پیش نظر صرف دو تین اقتباسات دیے گئے ہیں۔

آپ کے اخلاق و صفات

اتباع سنت | زندگی کے ہر میدان میں سختی سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے تھے اور اس سے سرمو بھی ادھر ادھر نہیں ہوتے تھے۔ سفر حضر اور جلوت و خلوت میں ہر جگہ اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا۔

---

[1] : مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الخلیل. کراچی ص ۲۹۹ (وہاں بھی یہ ذکر ہے مگر میں نے عربی سے اردو ترجمہ کیا ہے)

محبت رسولؐ | زندگی محبت رسول صلی اللہ میں گزاری۔ مدینہ منورہ اور مسجد نبوی کا اشتیاق حد سے بڑھا ہوا تھا۔ جب بھی تذکرہ کرتے ایک ایک لفظ سے اس کا اظہار ہوتا تھا جب بھی ذکر ہوتا بے قرار ہو جاتے۔ اسی وجہ سات مرتبہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ آخری عمر میں تو صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ ہجرت کی، وہیں رہے، وہیں وفات ہوئے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ جب تک ہندوستان میں رہے زبان حال سے یہ دو شعر ہمیشہ پڑھا کیے اور گنگناتے رہتے

إذا هبت ریاح من طیبة — أهاج فؤادی طیبها وهبوبها
فلا تعجبوا من الوعتی وصبابتی — هوی کل نفس أین حل حبیبها

"جب طیبہ سے ہوائیں چلتی ہیں تو ان کی خوشبو سے میرا دل اڑا جا رہا ہے۔ میری محبت پر تعجب کرنے کی کوئی بات نہیں کہ ہر آدمی وہیں گرتا ہے جہاں اس کا حبیب ہو"

عزیمت پر عمل | اصحاب عزیمت میں سے تھے۔ تقویٰ اور ورع میں ان کی مثال اسلاف صالحین کے بغیر کہیں نہیں ملتی۔ اس حرص و شوق کا مظاہرہ پچھتر سال کی عمر بھی قابل دید ہے، جبکہ انتہائی کمزور ہو گئے تھے اور ہاتھوں میں رعشہ کی تکلیف بھی تھی مشکل ترین اوقات میں بھی حرم شریف کی نماز نہیں چھوڑتے تھے اور پہلی صف میں پہنچنے کی غرض سے دوسروں سے سبقت لے جاتے۔ ایک دن ہنگامی بارش کی وجہ سے جب راستے بند ہو گئے، چراغ ہاتھوں میں لیا اور حرم شریف جا پہنچے۔ راستوں میں پانی چل رہا تھا اور قدموں پر کنکر لگتے تھے مگر اس کے باوجود حرم شریف کی پہلی صف میں نماز ادا کی۔

سچی بات | آپ کی اخلاقی خوبیوں میں ایک سچی بات کا اعلان اور آپ کی جرأت و بے باکی ہے اور اس میں ظالم بادشاہ کی پرواہ بھی نہ کرتے تھے اور اللہ کے معاملہ میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ انگریز کے خلاف فتویٰ دیا اور ہجرت کا ارادہ کر لیا۔

خاص صفات | استغناء، قناعت، تواضع، حلم و بردباری، سخاوت و بخشش، صبر و استقامت، شفقت و رحمت اور راتوں کو جاگنے میں اپنے ساتھیوں سے ممتاز تھے۔ مہمانوں کا بہت اکرام کرتے تھے اور کھلے ماتھے سے ملتے تھے۔ نہایت مشکل اوقات میں بھی کبھی کسی سے قرض نہیں لیتے تھے اور اپنی ضرورت کا اظہار لوگوں کے سامنے نہیں کرتے تھے۔ لوگوں سے استغنا اور تواضع سے ملتے تھے۔ یہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ آپ ضرورتمند ہیں اور جب اللہ تعالیٰ وسعت اور گنجائش دیتے اور مال پاس آجاتا تو اسے اپنے پاس سٹور کر کے نہیں رکھتے تھے بلکہ مسکین اور فقراء میں اسے تقسیم کر دیتے تاکہ اس سے ان کا اپنا دل خوش ہو اور دل مطمئن ہو اور رب راضی ہو۔ آپ کے کلام کی شیرینی اور مٹھاس کا کیا کہنا۔ یہاں تک کہ چھوٹے انہیں اپنے باپ کی جگہ سمجھتے۔ قرآن مجید کی تلاوت نہایت ذوق سے کرتے تھے اور یہ رات دن کا مشغلہ تھا اور حدیث نبوی میں مشغول رہتے۔

درس و تدریس کے بہت ہی پابند تھے۔ اسی طرح تصنیف و تالیف، اصلاحِ نفس اور تہذیب اخلاق اور وعظ و ارشاد کے اوقات میں پابندی کرتے تھے۔ آپ کی بچی کا آخری وقت تھا اور آپ ساری رات سو نہیں سکے تھے کہ اس نے آپ پر تکیہ لگا رکھا تھا۔ جب تہجد کا وقت ہوا تو اہلیہ سے کہا کہ اب آپ آجائیں۔ انہوں نے آپ کی جگہ لی اور آپ مصلیٰ پر جا پہنچے۔ آپ نے نماز شروع کی تو بچی کا سانس ٹوٹنے لگا اور اس کی روح نے جسم کو الوداع کہی اور آپ اپنے مالک حقیقی کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے اور زاری کر رہے تھے۔

قبولیت عامہ | طلبہ اور اصلاحِ نفس کے مشتاق ہر ہر کونے سے آپ کے ہاں نہایت کثرت سے پہنچنے لگے اور آپ کے شیخ حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی کے وصال کے بعد تو اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی قبولیت سے نوازا اور ایسی کشش عطا فرمائی کہ لوگ آپ کی طرف اس طرح کھنچے چلے آتے تھے، جیسے لوہا مقناطیس کی طرف۔

آپ کی وجہ سے روحانی سلسلہ کی بہت اشاعت ہوئی۔ آپ کے خلفاء میں دو حضرات کے نام دینے پر اکتفا کرتے ہیں، جنہوں نے دعوت و ارشاد کے فرائض باحسن طور انجام دیئے۔ ایک مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغی جماعت ہیں اور دوسرے حضرۃ مولانا محمد زکریا کاندھلوی ہیں، جنہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور جنہیں اصلاح نفوس اور تزکیہ باطن میں مہارت حاصل ہے۔ ان سے ہزاروں نے فیض پایا۔

نظام الاوقات | آپ ٹائم ٹیبل کے سخت پابند تھے۔ جب آپ کو کوئی دیکھتا تو کہہ اٹھتا:

كل امرئٍ في امور الدهر مشتغلٌ ‏ ‏ ‏ وأنت عن كلها في أحسن الشغلِ

کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے میں سنت کے سخت پابند تھے۔ قرآن مجید کے حافظ تو تھے ہی، بس اٹھتے بیٹھتے اس کی تلاوت کرتے رہتے۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و ارشاد، نظامِ مدرسہ، دیگر مشکل مسائل اور ان کے حل، گھر کا خیال ہر کام وقت پر کرتے اور نظم و سلیقہ سے کرتے تھے۔ ایسے زاہد نہ تھے کہ کسی مکان کا گوشہ اپنے لیے منتخب کیا ہوتا، بلکہ ان کی پوری زندگی سفر و حضر اور خلوت و جلوت کے لحاظ سے مرتب اور منظم تھی۔

ظاہری جمال | اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کو اخلاقی خوبیوں کے لحاظ سے باطنی حسن سے نوازا تھا، اسی طرح ظاہری حسن و جمال کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

يزيدك وجهه حسناً ‏ ‏ ‏ إذا ما زدته نظراً!

"اور جتنا آپ محبوب کی طرف دیکھیں گے اتنا ہی وہ آپ کو حسین دکھائی دے گا۔"

آپ حسن و جمیل تھے۔ آپ کا قد لمبائی کی طرف مائل تھا۔ رنگ سفید تھا جس میں سرخی غالب تھی۔ جسم موٹا نہیں تھا۔ جلد نرم، پیشانی چمک لیے ہوئے۔ خوش مزاج اور صفائی پسند تھے۔ کپڑے صاف ستھرے پہنتے تھے اور لباس عمدہ ہوتا تھا، مگر اس میں نہ اسراف ہوتا تھا نہ تکلف۔

آپ کی آراء، افکار اور مسالک | آپ اصول دین اور اس کی فروع میں سلف صالحین کی اقتدا کرتے تھے اور اپنے آپ کو ایسے علماء سے جوڑ رکھا تھا جنہوں نے سنت کو زندگی دی اور شرک کی جڑ کاٹ دی۔ بدعات اور خرافات کا قلع قمع کیا۔ اس طبقہ کے سربراہ حضرۃ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ہیں۔ پھر اس علم کو شاہ ولی اللہ، ان کے فرزندوں . . . . شاہ اسماعیل شہید، سید احمد بریلوی اور اخیر میں حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح اور حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی کے مسلک پر تھے۔ احیاء سنت میں انہی کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ کتاب و سنت کے ساتھ مضبوط تعلق تھا اور یہ انہیں ورثہ میں ملا تھا اور کتاب و سنت کی نشر و اشاعت میں انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں لگا دیں۔ وہ دل سے کتاب و سنت کی اشاعت چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ پورے عالم میں یہ پھیلے تاکہ لوگ اپنے اصلی مرکز سے استفادہ کریں اور حقیقی منبع سے پیاس بجھائیں اور آپ کہا کرتے تھے إنهما

دواء كل داء وبلسم كل جرح ومنار كل من ضل الطريق ومشعل لكل من ابتغى السبيل ۔ کہ دونوں ہر بیماری کی دوا، ہر زخم کا مرہم، گم کردہ راہ کے لیے مینار ہدایت اور راہ حق کے متلاشی کے لیے مشعل ہیں۔[1]

اللہ کی محبت | آپ اپنے چاہنے والوں اور مریدوں کے دلوں میں اللہ کی محبت کے بوٹے لگاتے تھے۔ وہ انہوں سے یہ چاہتے تھے کہ ان کی زندگی مثالی ہو اور اس پر اللہ کی محبت چھائی ہوئی ہو اسی کا ان پر غلبہ ہو۔ اللہ کی محبت اور اس کے ذکر سے ان کے دل آباد ہوں۔ اسی لیے کتاب و سنت کی اشاعت میں تدریس و تصنیف سے کام لیا۔ وہ ہر اس قول کو جو کتاب و سنت کے خلاف ہو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ جب

---

[1] محمد ثانی حسنی، حیات خلیل، تعریب عبداللہ ندوی حسنی: البعث الاسلامی لکھنوی (عربی سے اردو ترجمہ)

تدریس کی تو حدیث کی تدریس کی اور اس کا نمونہ آپ کی عظیم کتاب بذل المجہود ہے، جو ابوداؤد کی شرح ہے اور چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ خلافِ شرع اور خلافِ سنت کاموں کو مٹانے میں وہ ننگی تلوار تھے۔ بدعات کے رد میں ان کی کتاب براہین قاطعہ ہے

صحابہ کی محبت | صحابہ کی محبت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ صحابہ کے خلاف ایک کلمہ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح اہل بیت سے بہت محبت کرتے تھے، اپنی کتابوں میں اسی اعتدال و توازن کی آپ نے تاکید کی۔

صوفیانہ مسلک | اپنے اسلاف اور مشائخ کے طریق کار کے پابند تھے۔ اصلاحِ نفوس کی طرف پوری توجہ دیتے تھے۔ اللہ کے ذکر کی طرف توجہ دلاتے۔ لوگوں کی توجہ ان امور کی طرف مبذول کراتے جن سے تزکیۂ نفس ہوتا، جو دلوں کو منور کرتے اور ذہنوں میں چمک پیدا کرتے، جو انہیں اللہ کا محبوب بنائیں۔ اس کی اہمیت بتاتے اور ضرورت کا احساس دلاتے۔

اتباعِ شریعت | وہ ہر مسلمان کو شریعت کے پورے اتباع کی ترغیب دلاتے اور اتباعِ سنت پر ابھارتے۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلامی زندگی کا مقصد شریعت اسلامیہ کے اتباع کے بغیر اور کوئی نہیں ہے۔ اس میں امیر غریب، عالم، غیر عالم میں کوئی فرق نہیں۔

آپ کا فرمان تھا کہ "میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ شریعتِ اسلامیہ کا احترام ہر مسلمان پر واجب ہے اس کے اعتقاد میں، اس کے عمل میں، صرف زبانی احترام کافی نہیں"

تمام نئے مسائل شریعت کے تابع ہیں۔ اسی طرح عقل انسانی بھی شریعت کے تابع ہے، مسلمانوں کی مشکلات کا حل، مصیبتوں اور تکلیفوں سے نجات شریعت کے اتباع میں رکھی گئی ہے۔

احکام قرآن اور احکامِ رسول انسانی عقل کے تابع نہیں ہیں جو عاجز ہے اور

اسی طرح ہر عقلمند بھی شریعت کے اتباع کا محتاج ہے۔ کوئی انسان ان کے اتباع کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اور ان کے اتباع سے کوئی چارۂ کار نہیں ہے

تصنیفی خدمات ۱۔ ہدایات الرشید ۔ ۱۳۳۶ھ میں طبع ہوئی ۔ صفحات ۸۰۰

۲۔ مطرقۃ الکرامۃ ۔ حصہ اول مطبوعہ ۱۳۲۰ھ صفحات ۱۴۳ ۔ حصہ دوم ۔ غیر مطبوعہ

۳۔ تنشیط الآذان فی تحقیق محل آذان ۔ مطبوعہ ۔ صفحات ۳۲ ۔

۴۔ المھند علی المفند ۔ مطبوعہ ۱۳۲۵ھ ۔ صفحات ۷۲

۵۔ براہین قاطعہ ۔ مطبوعہ ۱۳۰۴ھ ۔ صفحات ۲۷۹

۶۔ اتمام النعم ۔ یہ تبویب الحکم کا اردو ترجمہ ہے ۔ جو آپ نے ۱۳۱۳ھ میں حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح کے حکم پر کیا تھا ۔ حضرۃ مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح کے ہاں یہ کتاب سالکین کی تربیت کے لیے مخصوص اہمیت رکھتی تھی ۔ فن تصوف کی یہ کتاب حرز جاں بنانے کے قابل ہے ۔ مطبوعہ ، صفحات ۲۰۴

۷۔ بذل المجہود فی شرح سنن ابی داؤد (عربی) ۔ فن حدیث کی یہ کتاب ۲۰×۳۰/۴ سائز کی پانچ جلدوں پر مشتمل ۔ ہے جس کی تالیف میں آپ کے دس سال صرف ہوئے یہ ابو داؤد کی عربی شرح ہے ۔ حدیث کی صحت اور سقم کا مدار اس کی سند پر ہے ۔ آپ نے اس میں سند کی بحث پر زیادہ زور دیا اور پیچیدگیاں دور فرمائی ہیں ۔ حل مطالب و اختلاف پر بھی سیر حاصل بحث فرمائی ہے ۔ مطبوعہ ، صفحات ۱۹۳۸ ہیں ۔

اولاد آپ کا نکاح شاہ عبدالرحمٰن بن شاہ حبیب اللہ گنگوہی رح کی دختر انبیا بیگم سے ہوا ۔ ان سے ۱۲۹۰ھ میں صاحبزادہ ابراہیم اور ۱۲۹۳ھ میں صاحبزادی منیر النساء اور ۱۲۹۵ھ میں ایک اور صاحبزادی پیدا ہوئیں ۔ اس ولادت میں ماں اور بیٹی دونوں عالم آخرت کو سدھار گئیں ۔ دوسرا عقد ۱۲۹۷ھ میں حاجی نظام الدین انبیٹھوی کی بیوہ صاحبزادی محترمہ منیر النساء سے ہوا ۔

یہ آپ کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور آپ کے وصال کے بعد بھی زندہ رہیں ۔

ممتاز ترین تلامذہ ۱۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رح ۔

۲۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح	۳۔ مولانا ظفر احمد عثمانی رح
۴۔ حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی رح	۵۔ مولانا بدر عالم میرٹھی رح
۶۔ مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رح	۷۔ مولانا محمد زکریا قدوسی
۸۔ مولانا منظور احمد صاحب سہارنپوری	۹۔ مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی
۱۰۔ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رح	۱۱۔ مولانا عبدالحق مدنی
۱۲۔ مولانا عتیق احمد دیوبندی	۱۳۔ مولانا شبیر علی تھانوی
۱۴۔ مولانا اسعد اللہ رامپوری	۱۵۔ مولانا محمد حامد صاحب مدرس کالج پشاور
۱۶۔ مولانا محمد عرفان ہزاروی	۱۷۔ مولانا عبدالرحیم غزنوی
۱۸۔ مولوی غلام حیدر بخاری	۱۹۔ مولوی روشن دین بہاولپوری
۲۰۔ مولوی محمد الدین کشمیری	۲۱۔ مولوی غلام الرحمٰن تبتی وغیرہم[1]

---

[1] مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی ، تذکرۃ الخلیل ، کراچی ۱۹۷۱ء ص ۳۳۴

مولانا اسعد آفندیؒ

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی لکھتے ہیں:

"ایک شخص مولانا رومیؒ کے سلسلہ کے اسعد آفندی جو کہ عالم بھی تھے، صاحب سلسلہ بھی تھے، سب کچھ تھے لیکن حضرۃ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) سے بیعت ہوئے، خرقہ حاصل کیا، اجازت اشغال کی لی۔ حضرۃ حاجی صاحب مثنوی شریف پڑھا رہے تھے۔ اردو میں تقریر فرما رہے تھے، مولوی نیاز احمد نے عرض کیا کہ "اگر یہ اردو سمجھتے ہوتے تو ان کو بہت لطف آتا۔" فرمایا کہ "اس لطف کے لیے اس زبان کی ضرورت نہیں اور برجستہ یہ اشعار پڑھے ؎

پارسی گو گرچہ تازی خوشتر است   عشق را خود صد زبان دیگر است

عشق آں دلبر چو پرآں می شود   ایں زباں ہا جملہ حیراں می شود

ترجمہ (۱)۔ اے مخاطب فارسی میں گفتگو کر۔ اگرچہ زبان عربی بہت اچھی زبان ہے۔ لیکن عشق کی سینکڑوں زبانیں ہیں۔ (۲) اسی دلبر کا عشق جب پرواز کرتا ہے تو یہ سب کی سب زبانیں حیران د ششدر ہو جاتی ہیں۔"[۱]

---

[۱] مولانا نسیم احمد فریدی: حکیم الامت کی محفل ارشاد: الفرقان ج ۰۴ ۔ شمارہ ۴ ص۲۵۔

حضرت مولانا شفیع الدین نگینویؒ

مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

"مکہ مکرمہ میں مولانا شفیع الدین نگینوی تھے۔ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ بہت اونچی نسبت والے تھے۔ ۴۵ سال مکہ مکرمہ میں قیام رہا اور روزانہ سردی گرمی، بارش، دھوپ میں حضرۃ حاجی صاحبؒ کے مزار پر جایا کرتے تھے۔

ان سے پہلے سفر حج میں، میں نے بیعت کے متعلق درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ "میری مجلس میں آیا کیجیو"۔ میں ان کی مجلس میں جایا کرتا تھا۔ پھر انہوں نے مجھے بیعت کیا اور ساتھ ہی مجھے اپنا مجاز بیعت بھی بنایا۔ ان کی مجلس میں مجھے بہت زیادہ فائدہ ہوا۔"

مزید لکھتے ہیں:

"حج کو جانے کا اتفاق ہوا۔ مولانا عزیر گل صاحب نے فرمایا کہ سید محمد شفیع الدین ایک بزرگ ہیں، ان کو ضرور دیکھیں۔ موصوف مکہ معظمہ میں مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ روزانہ حاجی صاحب کے مزار پر جاتے اور باقی اکثر اوقات کعبہ مبارکہ پر نظر جمائے رکھتے۔ بیٹھے بیٹھے سوتے اور جاگتے تاکہ نظر کعبہ مبارکہ سے ہٹ نہ جائے۔ اسی میں پیر بھی ماؤف ہو گئے۔ پھر اپنے مکان کی کھڑکی سے کعبہ مبارکہ کو دیکھا کرتے تھے۔ انہوں نے ۴۵ سال مکہ معظمہ میں گزارے۔ اسی دوران میں صرف ایک مرتبہ مدینہ منورہ گئے اور اس دفعہ بھی ایسی دیر ہوئی کہ حج

پر پہنچنا مشکل ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے خواب میں تسلی دی اور مکہ معظمہ پہنچنے کا غیب سے انتظام ہو گیا۔"[1]

آپ کے خلفاء

۱۔ مولانا سید محمد یوسف بنوری۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ، نیو ٹاؤن کراچی ۵[2]۔

۲۔ مولانا سید مہدی حسن شاہجہان پوری۔ استاذ دار العلوم دیوبند۔[2]

۳۔ مولانا عبد العزیز دعاجو دہلویؒ[3]

---

[1] مولانا عبد القدوس مراسلہ، بینات، کراچی۔ جلد ۳۲۔ شمارہ ۱۔ ص ۵۲۔۵۳

[2] قاری فیوض الرحمٰن: مشاہیر علماء دیوبند۔ لاہور: ۱۹۷۶ء ج ۱، ص ۶۱۱

[3] عزیز الکلام: سوانح شاہ عبد العزیز دعاجو۔ کراچی: ۱۳۹۶ھ ص ۱۵

مولانا فدا حسین دربھنگویؒ

شیخ، عالم، فقیہ، فدا حسین حسینی حنفی دربھنگوی نیک علماء میں سے تھے۔ چھوٹی عمر میں ہی تحصیلِ علم میں لگ گئے اور اکثر درسی کتابیں مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے پڑھیں کچھ کتابیں فنونِ ریاضی کی مفتی نعمت اللہ لکھنوی سے پڑھیں۔ اصول فقہ، شرح چغمینی، ہدایۃ الفقہ کی جلد رابع مولانا عبد الحی بن عبد الحلیم لکھنوی سے اور توضیح تلویح، السنن ترمذی اور ھدایہ کا کچھ حصہ شیخ محمد قاسم نانوتوی سے پڑھیں اور حدیث مولانا احمد علی حنفی سہارنپوری محدث سے پڑھی اور سلوک کی تکمیل شیخ امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی اور ان کے ساتھی شیخ رشید احمد گنگوہی سے کی۔ پھر درس و تدریس میں لگ گئے ایک مدت تک اکبر آباد، آرہ، پٹنہ، رسولپور اور دوسرے شہروں میں پڑھاتے رہے۔ آپ سے بہت لوگوں نے فیض حاصل کیا۔[1]

امداد صابری لکھتے ہیں: "آپ ہروانی ضلع مونگیر میں پیدا ہوئے اور موضع محی الدین ضلع دربھنگہ میں مقیم تھے۔ اکثر کتب معقولات اور دینیات مولانا محمد لطف اللہ علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے اور صحاح ستہ تمام و کمال مولانا احمد علی مرحوم محدث سہارنپوری سے اور بعض کتب اصول فقہ شرح چغمینی وغیرہ مولانا عبد الحی صاحب مرحوم لکھنوی سے حاصل کیں۔ حضرۃ حاجی صاحب سے طریقت میں بیعت ہوئے۔"[2]

---

[1] مولانا سید عبد الحی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد: ۱۹۷۰ء ج ۸، ص ۳۵۹ (عربی سے اردو)

[2] امداد صابری: حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء، دہلی۔ ۱۹۵۱ء ص ۱۲۷

مولانا حکیم عبدالحی الحسنی لکھنویؒ

ولادت | مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸ر رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ (۲۲ر دسمبر ۱۸۶۹ء) میں دائرہ شاہ علم اللہ بیرون شہر رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام سید احمد رکھا گیا۔ لیکن مشہور عبدالحی کے نام سے ہوگئے۔

بچپن | آپ کا بچپن جن دو مقامات (ہسوہ ضلع فتح پور و دائرہ شاہ علم اللہ ضلع رائے بریلی) میں گزرا۔ حسن اتفاق سے خاندان کی ان دونوں شاخوں کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ[1] ہی سے تھا اور دونوں جگہ دو بڑے شیوخ و مربی، جن سے آپ کو تعلق خاندانی کے علاوہ قرابت قریبہ حاصل تھی موجود تھے۔ ہسوہ میں حضرۃ شاہ احمد سعید صاحب دہلوی کے خلیفہ اجل مولانا سید عبدالسلام صاحب واسطی جو آپ کی والدہ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے اور دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں حضرۃ شاہ ضیاء النبی[2] ہیں، جو آپ کے والد ماجد مولانا حکیم سید فخرالدین صاحب کے رشتہ میں ماموں اور

---

[1] حضرۃ مجدد الف ثانی کا سلسلہ دو واسطوں سے ساری دنیائے اسلام میں پھیلا۔ ایک ان کے خلف ارشد اور ان کی تعلیمات و کمالات کے شارح و ترجمان حضرۃ خواجہ محمد معصومؒ۔ دوسرے ان کے نامور خلیفہ حضرۃ سید آدم بنوریؒ۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ خاندان علم اللہی کا تعلق شروع سے حضرۃ سید آدم بنوری کے سلسلہ سے رہا اور ہسوہ میں سلسلہ معصومیہ کے شیخ مولانا عبدالسلام تھے جو حضرۃ شاہ احمد سعید صاحب دہلوی کے خلفاء کبار میں ہیں۔ اسی طرح مولانا سید عبدالحی صاحب کو عہد طفولیت ہی میں جن خاندانی مشائخ کی صحبت نصیب ہوئی ان کا تعلق سلسلہ مجددیہ ہی سے تھا۔

[2] حضرۃ شاہ ضیاء النبی، آپ کی دادی فاطمہ بی بی بنت مولانا سید محمد ظاہر صاحب کے چچا زاد بھائی تھے۔

روحانی رشتہ سے پیر بھائی تھے۔

حصول تعلیم | آپ نے مختلف مقامات پر مختلف اساتذہ سے تعلیم پائی۔ خاندانی بزرگوں کے علاوہ جن بزرگوں سے درسیات کی تعلیم حاصل کی ان میں مولانا امیر علی، مولوی الطاف حسین، مولوی فتح محمد تائب اخوند مولانا احمد شاہ ولایتی، مولانا فضل اللہ اور مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے نام آتے ہیں۔ یہ آپ کے لکھنو کے اساتذہ ہیں تکمیل کے لئے بھوپال تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا قاضی عبدالحق سے باقی کتب درسیہ اور مولانا سید احمد دہلوی سے ریاضی اور مولانا شیخ محمد عرب سے ادب اور مولانا شیخ حسین بن محسن الیمانی سے حدیث کی تحصیل کی۔ شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی سے آپ نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد اول سے آخر تک لفظ بلفظ پڑھیں (اور خود ان کتابوں کی قراءت کی۔ نیز سنن نسائی و سنن ابن ماجہ، مسند دارمی اور مشکوٰۃ و مؤطا کی سماعت کی۔ اساتذہ اور علمائے بھوپال کی ایک خصوصی مجلس میں شیخ صاحب نے آپ کو آخری سبق پڑھایا اور سند فراغ دی اور تمام علوم میں آپ کو درس و تدریس کی تحریراً و تقریراً اجازت دی۔ یہ واقعہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء کا ہے۔ آپ کو مولانا قاری عبدالرحمٰن محدث، مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے بھی اجازت حاصل تھی۔ علم طب کی تحصیل حکیم عبدالعلی سے کی۔

صوفیانہ مسلک | آپ کو اپنے خسر حضرۃ شاہ ضیاء النبی اور والد ماجد مولانا سید فخرالدین اور حکیم امین الدین کنھوی (خلیفہ شاہ عبدالسلام صاحب) سے چاروں مشہور سلاسل میں خلافت و اجازت حاصل ہوئی۔ حضرۃ حاجی امداد اللہؒ سے بذریعہ خط بیعت کی تھی۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے خط و کتابت و بیعت غائبانہ | یہ وہ زمانہ تھا کہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا آفتاب رشد و ارشاد نصف النہار پر تھا آپ اگرچہ عرصہ ہوا ہندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت فرما چکے تھے لیکن آپ کے باکمال خلفاء نواح سہارنپور میں حضرۃ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

کانپور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور الٰہ آباد میں مولانا محمد حسین الٰہ آبادی حضرۃ حاجی صاحب کے نام اور کام کو یہاں زندہ و تابندہ بنائے ہوئے تھے۔ مولانا سید عبدالحی صاحب کے حقیقی ماموں زاد بھائی مولوی سید ابوالقاسم صاحب ہسوی جو آپ سے عمر میں چند سال بڑے اور تعلق و محبت کے لحاظ سے بالکل حقیقی بڑے بھائی کی طرح تھے، حاجی صاحب اور مولانا گنگوہی سے مستقل خط و کتابت رکھتے تھے۔ حضرۃ حاجی صاحب نے ان کو اجازت بھی عطا فرمائی تھی۔ غالباً ان کی صحبت کے اثر اور اس چشتی ذوق اور اس رقت و رنگینی کی بنا پر جو شروع سے آپ کے قلب میں پائی جاتی تھی۔ آپ کو حاجی صاحب کی طرف انجذاب ہوا اور آپ نے ان کی خدمت میں خط لکھ کر ان سے بیعت غائبانی کی درخواست کی۔ حاجی صاحب نے یہ درخواست نہ صرف قبول کی بلکہ ایک ایسا خط تحریر فرمایا کہ جس کے لفظ لفظ سے شفقت و محبت و یگانگت و تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ نے جس وقت حاجی صاحب کو خط لکھا تھا اس وقت آپ کی عمر ۱۹ سال کی تھی۔ حاجی صاحب نے ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۰۵ھ/ ۲۵ جولائی ۱۸۸۸ء کو مکہ معظمہ سے یہ والانامہ تحریر فرمایا ہے، جو یہاں من و عن درج کیا جاتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

از فقیر امداد اللہ عفی اللہ عنہ،

بخدمت سراپا برکت مولوی ابوالبرکات محمد عبدالحی صاحب حسنی الحسینی نور اللہ قلبہ بنور معرفتہ و محبتہ

بعد سلام مسنون و دعائے ترقی درجات عالیات مشہود ضمیر منیر باد مکتوب محبت و ارادت ورود ہوا۔ ممنون و مشکور ہوا اور آپ صاحبوں کی خیریت معلوم ہونے سے مسرور ہوا۔ آپ نے جو استدعا بیعت غائبانی سلسلہ علیہ صابریہ و سلسلہ نقشبندیہ احمدیہ کی ہے۔ یہ آپ کا ظن خیر ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔ باقی جن میرے دوستوں اور محبوں کو کچھ فائدہ ہوا ہے وہ بسبب ان کے حسن عقیدت و ارادت کے۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ کی سنت یوں جاری ہے کہ جیسا بندہ اس کے ساتھ گمان و ظن رکھے گا، ویسا ہی حضرۃ حق اپنی رحمت و عنایت مبذول حال اس کے کرے گا۔ علاوہ اس کے اب

میری طبیعت اس امر عظیم سے بہت گھبراتی ہے۔ بہرکیف میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ آپ کے حسن ظن و نیک عقیدت و ارادت کے موافق اللہ تعالیٰ عم نوالہ کے فضل و کرم کی امید و بھروسہ پر آپ کو دونوں طریقے یعنی سلسلہ علیہ چشتیہ صابریہ و سلسلہ علیہ نقشبندیہ احمدیہ میں بیعت غائبانی کر کے جو کچھ فقیر کے رسالہ ضیاء القلوب و رسالہ ارشاد و مرشد میں ہے اس کی اجازت بخشی کہ جو کوئی اہل و لائق اس کا ہو، اس کو بھی اس کی تعلیم و اجازت دیجئے اور خود بھی جو کچھ مناسب حال اپنے سمجھئے عامل ہو جیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حسن عقیدت میں مثمر برکات و فیوض کرے و درجات عالیات و قرب و مراتب عنایت فرمائے آمین بجاہ حضرۃ سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم

بسبب کبر سنی کے ضعف جسمانی و ضعف بصارت بہت ہو گیا ہے، اس لئے اپنے ہاتھ سے لکھنے پڑھنے میں مجبوری ہے اور اگر ضرورۃً کبھی کچھ لکھتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے اپنے دوستوں سے استدعا کرتا ہوں کہ میرے جواب نہ لکھنے پر یا خط و کتابت نہ کرنے پر معاف فرماویں و دعائے حسن الخاتمہ کی فرماویں۔ رسالہ "ارشاد و مرشد" ارسال خدمت ہے۔ ضیاء القلوب کے نسخے تقسیم ہو گئے مقام دیوبند وغیرہ تلاش کرنے سے ملے گا اور شجرہ عزیزم مولوی صاحب یہاں سے لے گئے ہیں، آپ کو اجازت ہے، آپ اس سے نقل کر لیجئے۔ آپ کی ہمشیرہ مرحومہ و والدہ ماجدہ مغفورہ کے انتقال کا حال معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے و غریق مغفرت و عنایت کرے۔ زیادہ والسلام علیکم، اللہ تعالیٰ اپنی محبت و قرب عطا فرمائے۔

بخدمت مکرمی مولوی سید ابوالقاسم صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، اللہ تعالیٰ اپنی رضا و عشق عنایت فرما کر اپنے مقربین میں داخل کرے۔ آپ نے جو دس روپے واسطے خیرات مساکین یہاں کے ارسال فرمائے تھے پہنچے اور ان کو مستحقین و مساکین کے حوالہ کر دیا گیا۔ والسلام فقط۔

رقیمۂ دعا، فقیر امداد اللہ عفی اللہ عنہ،

از مقام مقدس مکہ معظمہ مرقومہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۰۵ھ قدسی (مطابق ۴ر اگست ۱۸۸۸ء)

نشان مہر | محمد امداد اللہ فاروقی ۱؎

نظامت دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ | آپ ایک عرصہ دراز تک ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم رہے ہیں۔ ۲ر اپریل ۱۹۱۵ء میں ندوۃ کے ناظم منتخب ہوئے اور زندگی کی آخری گھڑیوں تک خدمات انجام دیتے رہے بہت سی اصلاحات کیں اور کار تعلیم کو آگے بڑھایا۔

تصانیف | آپ کی تصانیف میں یاد ایام (تاریخ گجرات) گل رعنا، تلخیص الاخبار، منتہی الافکار، تذکرۃ الابرار، کتاب الغناء، قرابادین، ارمغان احباب، طبیب العائلہ، شرح سبعہ معلقہ (ناتمام)، ریحانۃ الادب وشمامۃ الطرب، تعلیم الاسلام، نور الایمان، رسالہ در بیان سلاسل خانوادہ نقشبندیہ، القانون فی انتفاع المرتہن بالمرہون (عربی)، جنۃ المشرق اور نزہۃ الخواطر ۸ جلدوں میں (عربی)

وصال | ۱۶ جمادی الآخرۃ ۱۳۴۱ھ (۲ر فروری ۱۹۲۳ء) کو واصل بحق ہوئے اور آپ کو حضرۃ شاہ علم اللہ اور حضرۃ سید محمد عدل کے پائتیں سپرد خاک کیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر قمری حساب سے ۵۵ سال اور شمسی حساب سے تقریباً ۵۲ سال کی تھی۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"دوسری فروری ۱۹۲۳ء کی شام کو اس مجلس کا جو ممبر اٹھا ہے اس کا اس دنیا میں مجازی نام عبدالحی تھا۔ مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء عہد جدید کے اولین علماء میں سے تھے۔ سادات رائے بریلی کے مشہور خانوادہ علم و عمل سے تھے۔ کے بعض افراد سلاطین کے درباروں میں اور بعض تصنیف و تالیف کی مسندوں پر جلوہ آرا تھے۔ اس خاندان کے آخری رکن مولانا سید احمد صاحب شہید بریلوی تھے جو سید صاحب کے نام سے عموماً مشہور ہیں اور جو مولانا اسماعیل صاحب

۱؎: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات عبدالحی: دہلی: ۱۹۷۰ء ص ۹۰ تا ۹۲

شہید کے پیر تھے اور وہ اپنے عہد کے اس فرقہ کے جو ہندوستان میں اسلام کی غربت کی چارہ سازی کے لئے اٹھا تھا اور جو دینی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے مسلمانوں کو بیدار کرنا چاہتا تھا، امام اور امیر المومنین تھے۔ بنگال سے لے کر پنجاب تک غدر سے پہلے مجاہدین کا جو سیلاب سکھوں کے مقابلہ کے لئے اٹھا تھا اس کا منبع سید موصوف ہی کی ذات تھی۔ بالآخر سکھوں کے ایک معرکہ میں پٹھانوں کی بے وفائی سے اپنے رفقائے خاص کے ساتھ بہادری سے شہید ہو گئے۔ مولانا عبدالحی مرحوم کے والد ماجد بھی ایک فاضل یگانہ تھے۔ شعر و سخن، تاریخ و سیر کے ماہر اور داستان کہن کی بولتی زبان تھے۔ ان کا سفینہ ایک یادگار چیز ہے اور ان کا تذکرہ ان کے عہد کا تاریخی سرمایہ ہے۔

مولانا عبدالحی مرحوم کو یہ ذوقِ فن باپ ہی سے وراثت میں ملا تھا۔

مولانا مرحوم کانپور آئے۔ اس وقت ندوۃ العلماء کا مرکز یہی شہر تھا۔ مولانا سید محمد علی صاحب ناظم تھے۔ ان کی نگاہ انتخاب فوراً اس جوہرِ قابل پر پڑی۔ وہ دن ہے اور ان کی وفات کا دن ہے کہ ندوہ ان کی خدمات سے کبھی محروم نہ رہا۔ ندوہ پر کیا کیا انقلابات آئے۔ کتنے ارکان بدلے، کتنے منتظمین آئے اور کتنے گئے ... مگر ان تمام حالات و حوادث کے طوفان میں ثبات و استقلال کی صرف ایک چٹان تھی، جو اپنی جگہ پر تھی اور وہ مولانا سید عبدالحی صاحب مرحوم کی ذات تھی۔

باوجود شغلِ مطب، فرائض ندوہ اور مذہبی رجوع عام کے وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھا کرتے تھے۔

اسلامی ہندوستان کے پورے ہزار سالہ عہد میں شعراء و مشائخ اور سلاطین کے سینکڑوں تذکرے اور تاریخیں لکھی گئیں، لیکن آزاد بلگرامی کی تصنیفات کو چھوڑ کر کوئی مختصر سا رسالہ بھی مستقل یہاں کے علماء اور فضلائے فن کے حالات میں نہیں لکھا گیا۔ مولانا مرحوم نے اس نقص کو محسوس کیا اور پورے بیس برس اس کام پر انہوں نے صرف کئے اور اس عرصہ میں ہندوستان کی اس سرحد سے اس سرحد تک کوئی کتب خانہ نہیں چھوڑا جہاں ان کو ذوق طلب کھینچ کر نہ لے گیا ہو اور بالآخر آٹھ جلدوں میں علماء ہند کی پوری سوانح عمریاں جمع کیں۔ اس کا مقدمہ لکھا، جس میں ہندوستان

کے اسلامی علوم وفنون کی تاریخ مرتب کی۔

اس ہیچمدان نے ادبِ عربی میں مقاماتِ حریری ان سے پڑھی تھی اور اردو مضمون نویسی کا آغاز انہیں کے حکم اور حوصلہ افزائی سے شروع کیا تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً[1]

مولانا حکیم سید عبدالعلی (فرزند مولانا حکیم عبدالحی) کو لکھتے ہیں:

برادرم سلمہٗ اللہ

السلام علیکم! حادثۂ جانکاہ کی نسبت کلماتِ صبر لکھنا بیکار ہے کہ مرنے والا صرف آپ کا باپ نہیں، بلکہ ہم سب کا باپ تھا۔ خدا کی مرضی! میں واقعہ کے تیسرے روز لکھنؤ پہنچا، پہنچنے کے ساتھ اطلاع ملی۔ خرمنِ صبر پر بجلی گری۔ آپ نہ تھے، راستہ میں تھے۔ چند گھنٹے ٹھہر کر علی گڈھ دہلی چلا گیا۔ وہاں سے لکھنؤ واپس آیا تو میں بیمار ہو گیا اور آپ رائے بریلی میں تھے۔ یہاں اسی بیماری کی حالت میں واپس آیا۔ افسوس کہ لکھنؤ میں میری بیماری کا مسیحا نہ رہا۔

مولانا کی تصنیفات بحفاظت رہیں۔ انشاء اللہ سب چھپیں گی۔ والسلام

سید سلیمان۔ ۱۷ر فروری ۱۹۲۳ء[2]

"پس ماندگان | پس ماندگان میں دو لڑکے مولوی حکیم سید عبدالعلی (جو اس وقت میڈیکل کالج لکھنؤ کے چوتھے سال میں زیرِ تعلیم تھے)، راقم سطور ابوالحسن علی۔ دو لڑکیاں ایک امۃ العزیز (والدہ مولوی سید محمد ثانی، مولوی سید محمد رابع اور مولوی سید محمد واضح سلمہم) دوسری امۃ اللہ عائشہ (مصنفہ زادِ سفر، بابِ کرم، او بچوں کی قصص الانبیاء و موجِ تسنیم وغیرہ و مدیرہ رضوان) ایک پوتا سید حسن اور ایک نواسہ سید محمود حسن ابن سید رشید احمد چھوڑا"[3]

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی: یادِ رفتگاں، کراچی: ۱۹۵۵ء ص۴۹۶ تا ۵۰۱ (سے اقتباس)

[2] مولانا ابوالحسن علی ندوی: حیاتِ عبدالحی، دہلی: ۱۹۷۰ء ص۲۳۸

[3] " " " " ص۲۴۴

حاجی سیّد محمّد عابد حسین دیوبندیؒ

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں:

"دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم حضرۃ حاجی سید عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی تھے جو طریقہ چشتیہ صابریہ کے ایک معروف صاحبِ سلسلہ بزرگ تھے اور زہد و ریاضت کا پیکر تھے۔ آپ کا حلقۂ اثر دیوبند اور اطراف وجوانب میں بہت وسیع تھا۔ آپ اوّلاً محرم ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء سے رجب ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء تک مہتمم رہے۔ ثانیاً ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء تا ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء اور ثالثاً ربیع الاول ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء تا شعبان ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء مہتمم رہے"[1]

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی لکھتے ہیں:

"حاجی حافظ سید محمد عابد صاحب دیوبندی عرف حاجی عابد حسینؒ کا نسبی تعلق ساداتِ رضویہ سے ہے۔ آپ حضرۃ میاں جی کریم بخش صابری ساکن رامپور منہیاراں کے خلیفہ مجاز تھے۔ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی آپ کو خلافت حاصل تھی۔ آپ مجوزین دارالعلوم میں سے ہیں۔ تین مرتبہ اس ادارے کے مہتمم مقرر ہوئے تھے۔ آخر مرتبہ شاہ رفیع الدین عثمانیؒ کے سفرِ ہجرت کے بعد ۱۳۰۶ھ میں مہتمم مقرر ہوئے اور ۱۳۱۰ھ تک مسندِ اہتمام پر فائز رہے

---

[1] مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، کراچی ۱۹۷۲ء ص۹۴۔

۲۰ رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء کو وصال فرمایا اور ۲۰ رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ کو بروز جمعہ دیوبند میں مدفون ہوئے[1]

حضرۃ حاجی محمد عابد دیوبندی دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم تھے۔ بڑے متقی و پرہیزگار اور صاحب اثر بزرگ تھے۔ مولانا فروغ ان کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

"اور حضرۃ معدنِ لطف وکرم　　متقی و حاجیٔ بیت الحرم
ہے محمد اور عابد جن کا نام　　حق نے ان پر کی ہر اک خوبی تمام
کی انھوں نے ہے ریاضت اس قدر　　جس سے عاجز رہتے ہیں اکثر بشر
اس قدر طاعات حق لائے بجا　　نفس ان کا حکم میں اُن کا ہوا
ہیں بہت پاکیزہ خصلت نیک خو　　رات دن رہتے ہیں محو ذکر ہو
یاد حق میں قلب ہے ان کا گرو　　مہتمم ہیں جامع مسجد کے وو
مدرسے میں دل سے وہ عالی مقام　　رہتے ہیں دائم شریک انتظام
ان کی برکت سے یہ مسجد و مدرسہ　　ہے ترقی روز افزوں پر سدا
ہمت باطن کا ہے اون کے اثر　　جس سے دیوبند میں ہوئی یہ کرّ و فر
اجر ان کو ان کی نیت کا ملے　　حق انھیں اس کی جزائے خیر دے
یہ ترقی دین کی اون سے ہوئی　　ایسی ہمت کر سکے گا کب کوئی"[2]

حاجی صاحب کا سالِ ولادت ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء ہے۔ قرآن شریف اور فارسی پڑھ کر علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے دہلی گئے۔ نظام تعلیم میں تصوف کا شوق ایسا دامن گیر

---

[1] مولانا نسیم احمد فریدی: جواہر پارے: الفرقان، لکھنؤ فروری ۱۹۷۸ء ص ۳۳ حاشیہ بحوالہ تذکرۃ العابدین

[2] مولانا فروغ: مثنوی فروغ: برہان دہلی جو ۱۹ ص ۵۵

ہوا کہ علوم کی تکمیل نہ کر سکے۔ متعدد بزرگوں سے خلعت خلافت حاصل کیا۔ میاں جی کریم بخش رامپوری[1] اور حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی شرف خلافت حاصل تھا۔

حاجی صاحب کا ساٹھ برس تک چھتہ کی مسجد میں قیام رہا۔ مشہور ہے کہ تیس سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ نماز تہجد کا ایسا التزام تھا کہ ساٹھ سال تک قضا کی نوبت نہیں آئی۔ صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔ رشد و ہدایت کے علاوہ "عملیات" میں زبردست ملکہ حاصل تھا۔ وقت کے بہت پابند تھے۔ اتباع سنت کا غایت اہتمام تھا۔ ان کا مقولہ ہے کہ:

"بے عمل درویش ایسا ہے، جیسے سپاہی بے ہتھیار۔ درویش کو چاہیے کہ اپنے آپ کو چھپانے کے لئے عامل ظاہر کردے۔"

"طریقہ چشتیہ صابریہ کے بزرگ اور زہد وریاضت کا مجسمہ تھے۔ آپ کی ذات سے مخلوق کو بہت نفع پہنچا۔ غیر مذہب والے بھی آپ کے معتقد تھے۔ گھر باہر زمین باغ جس قدر آپ کی ملک میں تھا سب کا سب راہ خدا میں دے کر محض خدا پر تکیہ کیا ہوا ہے۔ تذکرۃ العابدین میں آپ کے تفصیلی حالات مذکور ہیں۔

آپ خود اپنا نام محمد عابد ہی لکھتے تھے۔

پنجشنبہ، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء کو ۸۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔"[2]

نظامی بدایونی لکھتے ہیں:

"عابد حسین دحاجی، مدرسہ عربیہ دیوبند کے بانی پیدائش ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء مولوی محمد قاسم

---

[1] میاں جی کریم بخش کو مولانا محمد حسن رامپوریؒ (م ۱۲۷۹ھ) سے خلافت حاصل تھی۔

[2] سید محبوب رضوی: تاریخ دیوبند دہلی، ج ۲ ص ۲۲۵۔

نانوتوی کے ساتھ ساتھ آپ کی کوشش مشہور مدرسۂ عربیہ دیوبند کی بنیاد رکھنے میں شریک رہی۔ اس مدرسے کی بنیاد ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۰ء میں ڈالی گئی اور جامع مسجد دیوبند کی تعمیر بھی آپ ہی کی کوششوں سے ہوئی۔ اس کے بعد اپنا مکان وغیرہ مسجد کے لئے وقف کر کے مع اہل وعیال عرب کو چلے گئے۔ وہاں قریب ایک سال کے رہے۔ ہندوستان واپس آکر مدرسے کی ترقی میں مصروف ہوئے اور مسجد کی تعمیر مکمل کی۔ ابتدا میں عربی مدرسہ مسجد کی سہ دریوں میں تھا۔ بعدہٗ علیحدہ زمین خریدی گئی جس پر اس وقت تخمیناً ایک لاکھ روپے کی عمارت مدرسے کی موجود ہے اور نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر کے طلبہ بھی حدیث وغیرہ جملہ علوم کی تعلیم پا رہے ہیں۔ بانیٔ مدرسہ نے اپنے مرنے سے کچھ دن پہلے، مدرسے کی نگرانی کا کام چھوڑ دیا تھا۔

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں آپ نے ساتواں حج کیا۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں بمقام دیوبند میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے[1]

---

[1] نظامی بدایونی: قاموس المشاہیر: بدایوں: نظامی پریس ۱۹۲۶ء ج ۲ ص ۱۵۰-۵۱

شاہ محمد حسین الٰہ آبادیؒ

سلسلۂ نسب | آپ کا سلسلۂ نسب بتیالیسویں پشت میں حضرت عمرؓ اور انیسویں پشت میں حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ اور ساتویں پشت میں حضرت خواجہ شیخ محب الٰہی سے ملتا ہے۔

آپ کے دادا حضرت مولانا شاہ رضا حسین اور والد حضرت مولانا شاہ تفضل حسین الٰہ آبادی تھے۔ مسلم اور غیر مسلم ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ولادت | مولانا محمد حسینؒ ۱۸۵۳ء میں موضع میکمن ضلع الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔

تعلیم | حافظ احمدالدین سے قرآن مجید حفظ کیا۔ ابتدائی فارسی، اردو اور عربی کی کتابیں اپنے چچا مولوی مہدی حسن سے پڑھیں۔ اس کے بعد مولوی نعمت اللہ آپ کو فرنگی محل لے گئے اور شروع سے خود تعلیم دیتے رہے۔ پھر مولانا عبدالحی کے سپرد فرمایا۔ مولانا عبدالحیؒ آپ پر بہت مہربان تھے اور آپ ان کے محبوب شاگردوں میں سے تھے۔ انہوں نے آپ کو الواز کار کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ اکثر آپ کو یہی حکم دیتے کہ فلاں مسجد میں وعظ بیان کرو اور یہ بھی فرماتے کہ آج میں تمہارا وعظ سنوں گا۔ آپ کو ہر موضوع پر برجستہ تقریر و تحریر پر قدرت حاصل تھی۔ دو سال تک مولانا عبدالحی صاحب سے درسی کتابیں پڑھیں۔ مولوی عبدالرحمٰن پانی پتی اور مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے سند حدیث حاصل کی۔ فن ادب کی تحصیل مفتی محمد عباس سے اور علم طب کی حکیم سید محمد لکھنوی سے کی۔

تدریس | فراغت کے بعد الہ آباد میں تدریس کی۔ پھر خاندان نقشبندیہ کے اشغال و اذکار کی تعلیم آپ نے چچا مولوی شاہ تجمل حسین سے شروع کی۔ کچھ عرصہ بعد حجاز کا سفر کیا۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں مولانا شاہ عبدالغنی سے بیعت ہونے کا ارادہ ہوا کہ آپ نے اپنے جد امجد شیخ محمد افضل الہ آبادی کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے حافظ شیرازی کا یہ شعر پڑھا ؎

باغ مرا چہ حاجت سرو و صنوبر است
شمشاد سایہ پرور من از کہ کمتر است

اس خواب سے آپ کو شرح صدر ہوا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت ہونا چاہیے چنانچہ انہی سے بیعت ہوئے۔ دوسرے حج میں آپ کو حضرت حاجی صاحب نے خلافت نامہ عطا فرمایا۔ اس کے ساتھ ایک ٹوپی، ایک کنگھی، ایک مسواک اور ایک جبہ بھی عنایت فرمایا۔

خطابت | حج سے واپسی پر مسلمانوں کے اصرار پر آپ نے جامع مسجد الہ آباد کی امامت و خطابت قبول کرلی۔ آپ کے وعظ اور خطبات بہت مقبول ہوئے۔ آپ کو شہر کے مختلف علاقوں میں مدعو کیا جاتا جہاں آپ خطاب فرمایا کرتے۔ آپ جری، نڈر اور بے باک مقرر تھے۔ حکومت انگلشیہ کی ہر اس بات پر جو خلاف شرع ہوتی کھلی تنقید کیا کرتے۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں آپ نے مسلمانوں کو ترکی کی حکومت کی اعانت پر آمادہ کیا۔ ہر طرح سعی کی اور کافی روپیہ جمع کر کے ترکوں کو بھیجا۔ اختتام جنگ پر سلطان عبدالحمید خاں مرحوم نے آپ کو تمغے اور کچھ تحفے بھیجے، جس کے شکریہ میں مولانا نے انہیں مسلمانوں کی طرف سے شکریہ کے خطوط لکھے

مولانا کا پبلک میں جو اعزاز تھا اس سے متاثر ہو کر حکومت انگلشیہ نے آپ کو "خان بہادری" کا خطاب دیا، تو آپ نے یہ کہہ کر وہ خطاب واپس کر دیا کہ میں نے تو ایک چڑیا بھی نہیں ماری میں خان بہادر کیسے ہو گیا؟

آپ نے اصلاحی کاموں کے لیے ایک انجمن رفاہِ عامہ بھی بنائی اور اس نے بہت سے

اصلاحی کام کیے۔ ایک مدرسہ بھی اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ کے نام پر "مدرسہ امدادیہ" قائم کیا جو جدید و قدیم دونوں علوم کی پرورش کر رہا ہے۔

۱۳۰۲ھ میں ندوۃ العلماء کی تحریک فرمائی اور ۱۲ شوال ۱۳۱۱ھ میں ندوۃ العلماء کے جلسہ میں اس کے قیام کی غرض بیان کی اور مدرسہ کے نصاب میں جو اصلاح ہوئی اس میں بھی حصہ لیا۔

آپ کا شمار صاحب دل ہستیوں میں تھا۔ آپ سماع کو کھیل کود یا حصولِ لذت کے لئے نہیں بلکہ محض لوجہ اللہ اور حضور الٰہی کے لیے سنتے اور آخرت کی فکر کرتے تھے۔

وصال | حضرت قطب عالم عبدالقدوس گنگوہیؒ کی غزل کا سماع جاری تھا اور آپ اس کے معنی بیان کر رہے تھے اور جب آپ نے یہ مقطع سنا ؎

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

تو اس مقطع کے معنی بیان کرتے ہوئے ۸ رجب دوشنبہ ۱۳۲۲ھ نو بجے صبح واصل بحق ہو گئے۔
مولانا زین العابدین نے حسب ذیل تاریخ وفات کہی ؎

دریں ویرانۂ دنیائے فانی — رسیدی در بہشتِ جاودانی
پئے تاریخ تو حوراں بگفتند — امام المسلمیں شیخ جہانی ۱۳۲۲ھ [1]

مولانا حکیم سید عبدالحی لکھتے ہیں:

"وہ شیخ، بڑے فاضل محمد حسین بن تفضل حسین الہ آبادی بزرگ علماء میں سے تھے۔ ولادت و نشو و نما الہ آباد میں ہوئی۔ ابتدائی کتابیں مولانا شکر اللہ الہ آبادی سے پڑھیں پھر لکھنؤ گئے۔ وہاں کچھ کتابیں مولانا محمد نعیم بن عبدالحکیم اور باقی تمام کتابیں مولانا العلامہ عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی سے پڑھیں۔ علم ادب مفتی عباس تستری سے حاصل کیا اور علم طب کی تحصیل مظفر حسین لکھنوی سے کی۔ پھر الہ آباد آکر ایک عرصہ تک تدریس کرتے رہے۔ پھر حرمین شریفین پہنچے۔

[1] مولانا کے مفصل حالات کے لیے مولانا محمد انظار وقی الہ آبادی کی تالیف "سوانح شاہ محمد حسین" مطالعہ فرمائیے۔ ہم نے مولانا کے حالات کے سلسلہ میں [illegible] سے استفادہ کیا ہے

حج کیا اور حدیث کی سند شیخ احمد بن زین دحلان شافعی مکی سے حاصل کی۔ سلوک کی تکمیل حضرۃ شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے کی۔ پھر واپس آکر ایک عرصہ دراز تک تدریس کی۔ پھر دوبارہ حج کے لئے سفر کیا اور حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں رہ کر ان سے خلافت حاصل کی۔ چار مرتبہ حجاز کا سفر کیا اور ہر مرتبہ حال طاری ہوتا یہاں تک کہ وہ مغلوب الکیفیت ہو گئے۔ آخر میں سماع کی طرف مائل تھے۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاتا رہا۔ بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دیا کرتے تھے۔

فرید الدھر تھے، نہایت ذہین تھے، حافظہ بہت اچھا تھا۔ تقریر و تحریر میں بہت اچھے تھے، شریف الطبع اور حمیدہ اخلاق کے مالک تھے۔

ان کی موت عجیب تھی۔ عرس کے دوران اجمیر گئے۔ مرزا نثار علی بیگ نے مجلس سماع منعقد کی۔ اس میں ان کی دعوت پر مولانا نے شرکت کی۔ قوال سے کہا کہ وہ یہ پڑھے۔ ؎

خشک تار و خشک چنگ و خشک پوست
از کجا می آید ایں آوازِ دوست

اس پر ان کو حال طاری ہوا، پھر فرمائش کی کہ یہ پڑھے۔ ؎

نے ز تار و نے ز چنگ و نے ز پوست
خود بخود می آید ایں آوازِ دوست

پھر اس قوال سے کہا کہ وہ حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے ابیات پڑھے جن کا مطلع یوں ہے۔

آستیں بر رو کشیدی ہم چو مکار آمدی
با خودی خود در تماشا سوئے بازار آمدی

وہ ان ابیات کی تشریح کر رہے تھے کہ قوال نے یہ شعر پڑھا ؎

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

قوال نے یہ شعر بار بار پڑھا تو مولانا نے کہا کہ نیا علم وارد ہوا کہ "خود بخود آزاد" یہ کہا اور اپنی طرف اشارہ کیا اور تین بار یہ کہا اور گردن جھکا دی۔ انہیں ایک بزرگ حضرۃ واجد علی سندیلوی نے اٹھایا اور زیادہ وقت نہیں گزرا کہ ان کی روح پرواز کر گئی۔ یہ پیر ۸ رجب ۱۳۲۲ھ کی تاریخ تھی[1]

آپ حضرۃ مولانا عبدالحی صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں ہیں اور حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے اجل خلفاء میں ہیں۔ تقریر آپ کی نہایت پرزور ہوتی تھی۔ آپ صاحب وجد و سماع تھے۔ اجمیر شریف میں حضرۃ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ایک شعر پر آپ کو حالت پیدا ہوئی اور واصل بحق ہوئے اور وہیں حضرۃ خواجہ بزرگ کے مزار شریف کے احاطہ میں مدفون ہوئے[2]

مولانا سید ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

"یہ وہ زمانہ تھا کہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا آفتاب رشد و ارشاد نصف النہار پر تھا آپ اگرچہ عرصہ ہوا ہندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت فرما چکے تھے لیکن آپ کے باکمال خلفاء نواح سہارنپور میں حضرۃ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، کانپور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور الہ آباد میں مولانا محمد حسین الہ آبادی، حضرۃ حاجی صاحب کے نام اور کام کو یہاں زندہ و تابندہ بنائے ہوئے تھے"[3]

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

"شاہ محمد حسین بن تفضل حسین ۱۸۵۲ء میں الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ مولوی نعمت اللہ فرنگی محلی مولوی عبدالحی فرنگی محلی اور قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے علوم مروجہ کی تحصیل کی، حاجی امداد اللہؒ کے

---

[1] ۔ مولانا سید عبدالحی: نزہۃ الخواطر: کراچی ۱۹۷۶ء ج ۸ ص ۱۲۵ تا ۱۲۶ (عربی سے اردو)
[2] ۔ محمد سراج الیقین، شمس العارفین: لاہور: بلا تاریخ ص ۸
[3] ۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حیات عبدالحی: دہلی ندوۃ المصنفین ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء: ص ۹۰

مرید و خلیفہ تھے۔ اجمیر شریف میں عین محفل سماع میں ۸ رجب ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں انتقال ہوا۔

شاہ صاحب کی تصانیف میں ۱۔ رسالہ مقولات عشرہ ، ۲۔ رسالہ در بیان ثناۃ بالتکریر
۳۔ شرح میزان البلاغۃ ، ۴۔ دوازدہ مجلس ترجمہ عشرۃ کاملہ ، ۵۔ ہادی الامم الی الارض الحرم اور
۶۔ قیامت نامہ مشہور ہیں۔[1]

خلفاء | مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادیؒ کے خلفاء میں صرف ایک نام مولانا عبد الشکور عرف رحمان علی مصنف "تذکرہ علمائے ہند" کا معلوم ہوا ہے۔

خود لکھتے ہیں :

"چاروں خاندانوں میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کے ساتھ اجازت بیعت و خلافت مولانا حاجی محمد حسین عمری محب اللہی الہ آبادی سے پائی ہے۔"[2]

---

[1] پروفیسر محمد ایوب قادری : تذکرہ علمائے ہند : کراچی ۱۹۶۱ء ص ۲۰۳ (حاشیہ)
[2] مولانا رحمان علی : تذکرہ علمائے ہند : کراچی : ۱۹۶۱ء ص ۲۰۱

حضرت مولانا عبد الرحیم صاحبؒ رائے پوری

مولانا عاشق الٰہی لکھتے ہیں۔

"اصل وطن آپ کا تگڑی ضلع انبالہ ہے، مگر عرصہ سے رائے پور ضلع سہارنپور میں قیام ہے۔ آپ کی ذات جامع جمیع کمالات ہے، جو قلب ابتدائے ولادت سے حضرۃ کی محبت کا تخم اپنے اندر لیے ہوئے تھا وہ میرے علم میں صرف آپ کا قلب ہے۔ یقصہ عذر اعلحضرت حاجی صاحبؒ کی روپوشی کے زمانہ میں جبکہ امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، قدس سرہٗ پنجلاسہ جاتے ہوئے تگڑی میں ٹھہرے تو آپ ہی کے والد ماجد راؤ اشرف علی خاں صاحب کے مہمان بنے تھے۔ مولانا ممدوح اس وقت طفل سہ سالہ تھے۔ حضرۃ نے پیار کیا اور سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی تھی اس وقت سے آپ کو امام ربانی کے ساتھ تعلق تھا۔ جوں جوں ہوش سنبھالا باپ کی زبان سے حضرۃ کے مناقب سن سن کر گویا حضرۃ ہی کی محبت میں نشوونما پایا۔ جس قلب میں قطب وقت کی بدعقیدگی کا کبھی وسوسہ بھی نہ گذرا ہو اس کے مراتب علیہ کی کنہ کوئی کس طرح ادراک کرے۔ آپ نے طفولیت ہی میں گنگوہ کی آمد و رفت شروع کر دی اور حضرۃ کے مربیانہ فیضان سے مستفید ہونے لگے تھے۔ سہارنپور میں بزمانۂ طالب علمی حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور صاحب نسبت و مجاز طریقت بنے اس زمانہ میں بھی امام ربانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری اسی محبت و شوق کے ساتھ رہی جو ماقبل و مابعد زمانہ میں تھی اور باوجود مولانا کے دوسری جگہ بامراللہ مرید

بن جانے کے حضرتؒ کا تعلق بھی آپ سے وہی مربیانہ رہا جو اس سے قبل یا بعد میں تھا۔ شاہ صاحب مرحوم کے وصال کے چار سال بعد آپ کو حضرتؒ نے بیعت کیا اور بیعت کے ساتھ ہی ساتھ مجاز طریقت بنایا۔ مولانا ممدوح اپنی متوکلانہ گذران میں اپنے شیخ کے شبیہ مجسم ہیں۔ باوجودیکہ تگری والے پور میں آپ کی موروثی جائیداد قابل گذران موجود ہے مگر آپ کے استغنا کی بدولت دوسروں کے کام آرہی ہے۔ تواضع اور تذلل میں آپ کا ثانی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ مہمان نوازی کی حد نہیں۔ دسترخوان کی وسعت دیکھ کر امراء حیران ہو جاتے ہیں۔ کتمان حال بے انتہا اور لطافت نسبت خلوت پسند ہے۔ چونکہ صنائع بیچوں کی گلکاری کے نظارہ سے طبع زیادہ مانوس ہے اس لئے رائے پور کے مغرب سمت لب نہر جمن شرقی اس باغ میں آپ کی سکونت ہے جو دنیاد دین کی راحت رسانی کے اعتبار سے گویا دنیا میں جنت ہے۔ آپ کی مقبولیت کے آثار بدیہیات سے زیادہ نمایاں ہیں نقشبندیہ کے فیضان سے انس پانے والی جماعت کو آبشار نہر کی دلکش صداؤں اور جنگل کے درختوں کی روح بخش سنسناہٹ میں آپ کی بابرکت ذات کے بقاء حیات کی دعا مسموع ہوتی ہے اور یوں تو شاداب قصبہ کے ہر ہر پتے کو آپ کے فیضان شام کو شبنم اور صبح کو باد نسیم بن کر ہرا بھرا منظر بنائے ہوئے ہے۔ آپ کے حالات اس درجہ عجیب ہیں کہ غنچہائے دل ان کے تصور و خیال سے کھلے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ ان کا اظہار آپ کو ناگوار ہے اور مجھ کو ممانعت کر دی گئی ہے اس لئے بجز اس کے کچھ نہیں لکھ سکتا کہ اَلسَّعِیْدُ مَنْ سَعِدَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ ؎

زدلم نشاں چہ خواہی کہ زدل خبر ندارد
تو بگو کہ دل چہ باشد من از راشہ ندارم"[1]

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی : تذکرۃ الرشید : دہلی ۔ ص ۱۵۵، ۱۵۶

مولانا شاہ سراج الیقین لکھتے ہیں:

"آپ بھی بہت بڑے عالم ہیں اور حضرۃ مولانا رشید احمد صاحبؒ کے اجل خلفاء میں ہیں"[1]

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

"حضرۃ شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز قصبہ رائے پور ضلع سہارنپور کے باشندہ تھے۔ نہایت بزرگ و متقی اور باخدا تھے۔ حضرۃ گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے خلیفہ تھے۔ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ممبر اور حضرۃ شیخ الہندؒ کے نہایت معتمد دوست تھے۔ ابتداء میں حضرۃ شیخ الہندؒ نے ان کو خبر تک نہیں کی اور سالہا سال تک اپنی سرگرمی عمل میں لاتے رہے اور انتہائی اخفا کو جیسا کہ مقتضاء وقت تھا، کام میں لائے۔ مگر اس قسم کی کاروائی کہاں تک چھپ سکتی تھی۔ ان کو بھی اطراف و جوانب سے خبریں پہنچتی رہیں۔ چنانچہ جب ۱۳۳۰ھ میں مجھ کو حسب وعدہ چند مہینوں کے لئے ہندوستان حاضر ہونا پڑا تو رائے پور بھی حاضر ہونے کی نوبت آئی۔ مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ حضرۃ شیخ الہند لوگوں سے بیعت جہاد لیتے ہیں، یہ تو بہت خطرناک امر ہے۔ انگریزوں کو اگر خبر ہو گئی تو دارالعلوم کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور مسلمانوں کا یہ مرکز علمی اور دینی اجاڑ دیا جائے گا۔ چونکہ مجھ کو اس کی کوئی خبر نہ تھی میں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور یہ عرض کیا کہ میں خود حضرۃ شیخ الہند سے پوچھوں گا۔ میں نے واپسی پر مولانا عبدالرحیم صاحب کا مقالہ ذکر کیا تو حضرۃ شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ حضرۃ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرمائی تھی کہ پچاس برس تک یہ دارالعلوم قائم رہے، سو بحمد اللہ پچاس برس گزر چکے ہیں اور دارالعلوم اپنی خدمات باحسن وجوہ انجام دے چکا ہے۔ میں یہ جواب سن کر دم بخود

[1] سراج الیقین : شمس العارفین : لاہور۔ بلا تاریخ ۔ ص ۲۴۸

ہو گیا اور سمجھ گیا کہ جو واقعات نقل کئے جا رہے ہیں وہ صحیح ہیں۔ حضرۃ کا اس امر میں پختہ خیال ہو گیا ہے اب اپنے ارادے سے ٹل نہیں سکتے اور نہ کوئی ہٹا سکتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کی اور حضرۃ شیخ الہندؒ کی آپس میں تنہائی میں مکمل کر بات چیت ہوئی تو حضرۃ شیخ الہندؒ نے ان کو بالکل ہم خیال اور ہم نوا بنا لیا اور دونوں حضرات یک جان دو قالب ہو گئے اور اخیر تک اسی پر قائم رہے۔ جبکہ اعلانِ جنگ کے بعد حضرۃ شیخ الہند حجاز جانے لگے تو انہیں کو اپنا قائم مقام بنا گئے اور اپنے کارکنوں کو تاکید کر دی کہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب کو میرا قائم مقام سمجھنا اور مہتم بالشان امور کو ان سے مشورہ لے کر اور پوچھ کر انجام دینا۔ چنانچہ اسی طرح عمل درآمد رہا کیا۔

حضرۃ رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نہایت دل سوزی اور استقلال اور عالی ہمتی سے نہایت رازداری کے ساتھ امورِ مہمہ کو انجام دیتے رہے اور ان کے خاص خدام بھی دلچسپی لیتے رہے مگر افسوس کہ ہمارے مالٹا میں اسیر ہونے کے کچھ بعد ہی مولانا رائے پوری مریض ہو گئے اور عرصہ تک بسترِ مرض پر ناچارگی اور ضعف میں مبتلا رہے۔ . . . افسوس کہ ہماری اسارتِ مالٹا کے زمانہ ہی میں حضرۃ رائے پوریؒ کا وصال ہو گیا۔ جس کی خبر مالٹا ہی میں ہم کو پہنچی۔ اس پر حضرت شیخ الہندؒ کو بہت صدمہ ہوا تھا اور عرصہ تک رہا۔ ان کے مرثیہ میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا جو کہ آپ کے قصائد میں موجود ہے اور چھپ چکا ہے“[1]

مولانا سید محبوب رضوی لکھتے ہیں:

”اس سال (۱۳۳۷ھ) کے حالات میں اہم واقعہ حضرۃ مولانا عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ رکنِ اعلیٰ دارالعلوم کی وفات کا حادثہ ہے۔ آپ نے ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ کو اس دارِ فانی سے

---

[1] مولانا سید حسین احمد مدنی؛ نقشِ حیات: دیوبند: ۱۹۵۴ء ج ۲ صہ ۲۰۴ تا ۲۰۵ (سے ماخوذ)

عالمِ جاودانی کو رحلت فرمائی۔ دارالعلوم میں حسبِ معمول جلسہ منعقد کیا گیا اور ایصالِ ثواب کے لئے کلمہ طیبہ کا ختم کرایا گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے ایک طویل اردو مسدس بطور مرثیہ کے لکھ کر بھیجا۔ حضرۃ مولانا رحمۃ اللہ علیہ علومِ ظاہری و باطنی کے جامع، زہد و توکل، صبر و قناعت اور وسعتِ اخلاق میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔ حضرۃ گنگوہی قدس سرہٗ سے خلافت حاصل تھی۔ فیوض و برکات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ قرآن مجید کی تعلیم کی جانب خاص توجہ تھی سہارنپور کے مضافات اور پنجاب کے اکثر مشرقی اضلاع میں تعلیم قرآن کے بہت سے مدارس آپ کی سعی و توجہ سے جاری تھے۔ استفاضۂ باطنی کرنے والے حضرات کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا غرض کہ ظاہر و باطن کے دونوں سلسلے آپ کی ذاتِ گرامی سے قائم تھے۔ استفاضۂ باطنی کا طریقہ حضرۃ گنگوہیؒ قدس سرہٗ سے بہت اشبہ (ملتا جلتا) تھا۔ دارالعلوم کے ساتھ نہایت خصوصیت سے تعلق تھا۔ اس کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں غایت دلچسپی سے حصہ لیتے تھے“[1]

---

[1] مولانا سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند: دہلی صہ ۲۵۱، ۲۵۲

حضرۃ مولانا عبداللہ شاہ صاحب جلال آبادیؒ

وطن آبائی آپ کا تھانہ بھون جلال آبادی ضلع مظفر نگر تھا مگر بعد بارشادِ شیخؒ کرنال قیام فرمایا جو وطنِ ثانی ہوا۔ اللہ جل شانہ نے آپ کو علومِ ظاہری و باطنی ہر دو میں ید طولیٰ عطا فرمایا تھا۔ علمِ ظاہری کے لحاظ سے ایک متبحر عالم تھے۔ کمالاتِ باطنیہ آنحضرت کے نہ صرف اس عاجز و قاصر کے بلکہ بڑے بڑے صاحبانِ بصیرت کی حدِ نظر سے بالاتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رتبۂ غوثیت عطا فرمایا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اکتسابِ علومِ شرعیہ مختلف مقامات سے کیا۔ آپ نے کافیہ تک کی ابتدائی تعلیم حضرۃ مولانا فتح محمد صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل فرمائی۔ مولانا مرحوم ایک باخدا اور متشرع عالم اور مشہور بزرگ تھے جو حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ کے بعض حالات کا تذکرہ موصوف نے اپنے بعض مضامین میں فرمایا ہے۔ بڑی کتابوں میں مولانا کے ساتھی اور ہم سبق بھی رہے۔ فیمابین نہایت مخلصانہ روابط تھے۔ علومِ منطق و فلسفہ آپ نے مراد آباد میں اس فن کے متبحر علماء سے حاصل کیا۔ ۱۲۸۳ھ میں دیوبند ضلع سہارنپور میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم ہوا۔ یہ زمانہ آپ کے اکتسابِ علم کا تھا۔ آپ بھی یہاں داخل ہو گئے اور تین سال تک یعنی ۱۲۸۳ھ ۱۲۸۵ھ تک یہاں کے فقید المثال بزرگوں سے علمی فیوض حاصل فرماتے رہے۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد میر باز خاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز بھی اس مبارک مرکزِ علومِ دینیہ میں تعلیم پاتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ وغیرہما آپ کے شفیق اساتذہ میں سے تھے۔ نحو، بلاغت، ادب، منطق، حکمت، کلام

اصول، فقہ، حدیث کی بہت سی کتابیں یہاں پڑھیں اور دیگر علوم دوسرے مقامات میں دیگر اساتذۂ باکمال سے حاصل فرمائے۔ تکمیلِ حدیث حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ سے کی نیز حضرت مولانا قطب الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ۱۲۸۷ھ میں بعض کتبِ احادیث پڑھ کر سند حاصل فرمائی۔ نیز سندِ مصافحہ بھی مولانا موصوف کی طرف سے عطا ہوئی۔

علمِ طب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دورانِ قیامِ دہلی میں حکیم ہشام الدین صاحب عرف حکیم منجھلے صاحب جو اس زمانہ کے قابل اطباء میں شہرت رکھتے تھے، حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فن میں بھی اعلیٰ قابلیت اور حذاقتِ تامہ عطا فرمائی تھی۔

سہارنپور کے دورانِ قیام میں حضرت مولانا و مقتدانا مولانا محمد امیر باز خاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز سے روابطِ اتحاد ہونے کی وجہ سے اکثر ساتھ رہتا تھا۔ آپ خلاصۂ اولیاء کبار، زبدۃ الاتقیاء الاخیار، محرمِ اسرارِ احدیت، ہمدمِ انوارِ وحدیت حضرۃ شاہ عبدالرحیم[1] صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہٗ کے سلسلہ قادریہ کے متعدد طرق ہیں۔ جن کو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

(۱) مجددیہ مومنیہ (۲) جنیدیہ (۳) معصومیہ (۴) مجددیہ محمدیہ

مجددیہ مومنیہ۔ حضرت سید الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ حضرت حسن البصریؒ۔ حضرت حبیب عجمیؒ۔ حضرت داؤد طائیؒ۔ حضرت معروف کرخیؒ۔ حضرت الشاہ عبداللہ السری السقطیؒ، حضرت الشاہ جنید البغدادیؒ، حضرت خواجہ ابوبکر شبلیؒ۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن عبدالعزیزؒ۔ حضرت خواجہ ابوالفرح الطرطوسیؒ حضرت الشاہ ابوالحسن علی المنکاریؒ۔ حضرت الشاہ ابوسعید مخزومیؒ، حضرت الغوث الاعظم السید محی الدین عبدالقادر الجیلانیؒ حضرت السید عبدالرزاق، حضرت السید شرف الدین القتالؒ، حضرت السید عبدالوہابؒ، حضرت السید بہاء الدین، حضرت السید عقیلؒ حضرت الشاہ شمس الدین الصحرائیؒ، حضرت الشاہ گدا رحمنؒ، حضرت الشاہ ابوالحسنؒ، حضرت الشاہ شمس الدین العارف ابن شلو ابی الحسن المذکور حضرت الشاہ گدا رحمن، حضرت الشاہ فضیلؒ، حضرت الشاہ کمال کیتھلیؒ، حضرت الشاہ سکندر کیتھلیؒ، حضرت الشیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ

حضرت السید آدم بنوریؒ [۲۹]، حضرت الشاہ حبیبؒ [۳۰]، حضرت السید شاہ بہازؒ [۳۱]، حضرت الشاہ مومن گڑدیؒ [۳۲]، حضرۃ الشاہ صدیق بشوانڑویؒ [۳۳]، حضرت حافظ محمدؒ [۳۴]، حضرۃ الشاہ شیب توڈمیرویؒ [۳۵]، حضرت اخوند شاہ عبدالغفورؒ [۳۶]، حضرت لاکھ شاہ عبدالرحیم السہارنفوریؒ [۳۷]۔

قادریہ جنیدیہ ۔ حضرت غوث الاعظم الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ [۱۲]، حضرت شاہ دولہؒ [۱۵]، حضرت منوؒ، حضرۃ شاہ عالم دہلویؒ [۱۸]، حضرت شیخ احمد ملتانیؒ [۱۹]، حضرت شیخ جنید پشاوریؒ [۲۰]، حضرت شاہ صدیق بشوانڑویؒ [۲۱] (جن میں سلسلہ مجددیہ مومنیہ میں نمبر پہ گذر چکا ہے۔ آگے حسب سابق)

قادریہ معصومیہ ۔ حضرت الغوث الاعظم الشیخ عبدالقادر الجیلانیؒ، حضرت شیخ احمد ستانؒ [۱۵]، حضرت شیخ احمد ملتانیؒ [۱۶]، حضرت شیخ عبداللہؒ [۱۷]، حضرت سید جلال الدین ثانیؒ [۱۸]، حضرت شیخ بہاءالدینؒ [۱۹]، حضرت سید جلال الدینؒ [۲۰]، حضرت شیخ محمد یاسینؒ [۲۱]، حضرت سید مستانؒ [۲۲]، حضرت سید زین الدینؒ [۲۳]، حضرت شیخ عبدالرزاقؒ [۲۴]، حضرت شیخ غیاث الدینؒ [۲۵]، حضرت شیخ خیر اللہؒ [۲۶]، حضرت شیخ حاجی سیدؒ [۲۷]، حضرت السید محمد معصومؒ [۲۸]، حضرت شیخ جنید بغدادیؒ [۲۹]، حضرت شاہ صدیق بشوانڑویؒ [۳۰]۔ آگے حسب سابق۔

مجددیہ محمدیہ ۔ حضرت سید آدم بنوریؒ [۲۹]، حضرت شیخ بہادر کوہاٹیؒ [۳۰]، حضرت شیخ مامون یوسف زئیؒ [۳۱]، حضرت شیخ محمد نعیمؒ [۳۲]، حضرت محمد شاہ سدوئیؒ [۳۳]، حضرت شاہ صدیق بشوانڑویؒ [۳۴]، آگے حسب سابق۔ سلسلہ قادریہ کی ایک فرع بلا واسطہ حضرۃ شاہ ابوسعید مخزومی ہے۔ یہ سلسلہ مطابق آپ کے سلسلہ نسب کے ہے ابّاً عن جدٍّ۔ اس طرح حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت حسنؓ، حضرت سید حسن المثنیٰؓ، حضرت سید عبداللہؒ، حضرت سید موسیٰ جونؒ، حضرت سید موسیٰ موروثؒ، حضرت سید یحییٰ زاہدؒ، حضرت سید عبداللہؒ، حضرت سید موسیٰ جنگی دوستؒ، حضرت سید ابو صالحؒ، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر الجیلانیؒ

اسی سلسلہ قادریہ کی ایک فرع سلسلۃ الذہب موسوم ہے اسی طرح حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت حسینؓ، حضرت زین العابدینؒ، حضرت محمد باقرؒ، حضرت جعفر صادقؒ، حضرت موسیٰ کاظمؒ، حضرت علی موسیٰ رضاؒ، حضرت معروف کرخیؒ۔ آگے مطابق سلسلہ مذکورہ، حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب سلسلہ ہے جس کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف پانچ واسطے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک بزرگ حافظ سلطان کبیر السن ہوئے۔ وہو ہذا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر الصدیقؓ، حضرت شیخ ابوسعیدؒ، حضرت شیخ محمودؒ، حضرت شیخ حافظ سلطانؒ، حضرت شیخ عبدالرحمٰنؒ، حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ ۱۲۔ اشتیاق احمد

عہ بعض سلاسل مجتوبہ میں یہ واسطہ تحریر نہیں ہے نیز بعض کتب سیر میں لکھا ہے کہ حضرت شمس الدین عارف حضرت سید گدا رحمٰن اول کے خلیفہ تھے ممکن ہے کہ آپ اپنے والد ماجد حضرت شاہ ابوالحسن کے خلیفہ ہوں اور ان کے شیخ حضرت سید گدا رحمٰن اول سے بھی ان کو خلافت ملی ہو

رحمۃ اللہ واسعۃ کے خلیفہ اول تھے۔ آپ کی معیت میں حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی مجلس مبارک میں حاضری کا اتفاق ہوتا رہتا تھا، یہاں تک کہ شرفِ بیعت سے مشرف ہو گئے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات و کرامات کا احصا ضخیم جلدوں میں بھی دشوار ہے۔ آپ نادر الوجود بزرگوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے ہزاروں خزانے اس ایک ہستی میں ودیعت فرما دیے تھے۔ افاض اللہ علینا من برکاتھم۔

اب تک جو کچھ بھی ہوتا رہا وہ سب تمہید تھی اس اصل مقصد کی تکمیل کی جس کا دور اب شروع ہوا ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم ۔ تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

چنانچہ اس سلسلہ عالیہ غفوریہ رحیمیہ میں داخل ہو کر آپ نے حسبِ ارشاد مرشد مجاہدات شروع کر دیے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ آپ کی طرف خاص تھی حتیٰ کہ اکثر آپ کے لیے لفظ فرزند استعمال فرماتے تھے۔ رحمتِ الٰہی نے استعدادِ عالی بخشی تھی۔ تقدیرِ الٰہی تھی کہ عبداللہ دریائے فیوض سے ہزاروں تشنگانِ بادۂ وحدت سیراب ہوں۔ ادھر ایسے شیخ اکمل و مکمل کی مخصوص توجہ، نتیجہ یہ ہوا کہ برسوں کی ترقی مہینوں اور مہینوں کی دنوں میں میسر ہوئی ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حتیٰ کہ ۱۲۹۳ھ میں آپ نعمتِ خلافت سے سرفراز فرمائے گئے اور ہدایتِ خلق کے لئے مامور ہوئے۔ آپ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ثانی تھے اور خلیفہ ثالث حضرت مولانا[عہ] شاہ ابوالحسن صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ تھے اور خلیفہ رابع حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری

عہ۔ یہ خادم آپ کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ نہایت متقی اور محتاط تھے۔ آپ کے بہت سے حالات اور کرامتوں سے آپ کے عزیز برادر محترم جناب منشی نثار احمد صاحب سہارنپوری کے ذریعہ سے احقر مطلع ہے۔ یہاں چونکہ موضوع بحث نہیں ہیں اور نیز تنگیٔ مقام کی وجہ سے درج نہیں کیے گئے۔ آپ کی وفات ۱۹ رجب ۱۳۳۰ھ مطابق ۵ مئی ۱۹۱۲ء یوم شنبہ کو ہوئی۔ ۱۲۔ اشتیاق احمد

نور اللہ مرقدہٗ تھے جو کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مجاز تھے۔ نیز حضرت مولانا عبد الخالق صاحب ساکن غنم ضلع رہتک نور اللہ مضجعہٗ اور حضرت مولانا قاری عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تخت ہزاروی اور حضرت نور محمد صاحب لدھیانوی نور اللہ مضجعہٗ، و دیگر جملہ خلفاء صاحب نعمت اور ہر ایک بجائے خود آفتابِ حقیقت تھے۔ ان بزرگوں میں سے ہر ایک کے حالات علیحدہ ایک دفتر چاہتے ہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے آپ کو اکابر متقدمین کی نسبت سے سرفراز فرمایا۔ تربیۃ السالکین میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خاص ملکہ تھا۔ حضرت مولانا محمد امیر باز خاں صاحب رحمہ اللہ کے الفاظ اس باب میں تیمناً و تبرکاً نقل کئے جاتے ہیں جن کو آپ نے بطور تقریظ "تعلیماتِ رحیمی" پر تحریر فرمایا ہے۔

"مولوی صاحب موصوف اعلیٰ مریدین حضرت پیر و مرشد برحق حاجی شاہ عبد الرحیم صاحبؒ سے ہیں۔ میں نے ان کو اپنے سامنے بیعت کرایا اور میرے سامنے ان کو حضرت پیر و مرشد نے اجازت بیعت کی دی اور میرے قلم سے سندِ فضیلت و کمال تحریر ہو کر عنایت ہوئی تا زمانِ ارتحال حضرت پیر و مرشد اس عالی ظرف نے اس قدر استعداد بہم پہنچائی کہ جس شخص کو ان کی توجہ میں بٹھلایا اس نے وصلِ عریانی کا جام چکھا اور جس قلبِ قاسیہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اس کو مخزنِ انوار بنایا۔ حضرت مرشد مرحوم کی توجہ خاص تا دمِ ارتحال ان پر بدرجہ اتم رہی اور بعض اوقات میں خوشنودئ مزاج کے صلہ میں ان کو اپنا فرزند فرمایا۔"

حضرت رحمۃ اللہ کے ایسے واقعات کے دیکھنے والے اب بھی موجود ہیں کہ پہلی ہی توجہ میں طالب کا برسوں کا کام پورا ہو گیا۔ جس سندِ فضیلت و کمال کا ذکر حضرت مولانا محمد امیر باز خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اس کی نقل درج ذیل کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سید المرسلین شفیع المذنبین محمد وآلہٖ اجمعین والسلام علیٰ مشائخ الکبار و اهل الطریقۃ

العظام الیٰ یوم الدین۔ بعد ازاں کہتا ہے بندۂ مسکین و حاجی، عبد الرحیم شاہ، سرساوی کہ حبیبی و مخلصی مولوی عبد اللہ شاہ جلال آبادی نے مجھ سے بیعتِ ارادت و طریقت در سلسلۂ قادری حاصل کر کے تہذیبِ اخلاق صوفیائے کرام و سلوکِ طریقت مشائخ قادریہ و نقشبندیہ و چشتیہ مع نسبتِ کاملہ مجددیہ مغفوریہ سے مشرف ہوئے اور خلعتِ صحبت و مجاہدہ و فنا و بقاء باسرہا سے مستفیض ہو اب میں نے ان کو اپنی جانب سے خلیفۂ ثانیہ قرار دے کر اجازت ہدایت طلباء صادقین و مریدانِ مخلصین کی دی کہ ہر طرق بلکہ عموم نسبت مروجہ در ہند ان کو ارشاد فرمائیں۔ اللّٰھم بارک لہ فی اهدائہٖ وامنہ عن الآفات و مخالفیہ وابقاہ بطول العمر بحرمۃ سید الثقلین نبی الحرمین صلوات اللہ علیہ آمین یا رب العٰلمین۔ تحریر فی تاریخ بست و ہشتم شہر شوال المکرم ۱۲۹۲ ہجری۔

بقلم الضعیف | محمد ۱۲۸۶ امیر باز خاں | العبد | عبد الرحیم شاہ ۱۲۸۶

بعد تکمیل و وصولِ مقاماتِ عالیہ آپ قطبیتِ کرنال پر مامور ہوئے اور حسب ارشاد حضرت شاہ صاحب کرنال ہی میں توطن اختیار فرمایا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دیگر بزرگوں سے بھی نعمتیں حاصل ہوئیں۔ ۱۳۱۲ھ میں آپ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ مکہ مبارکہ میں حضرت قطب مکہ عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ کے دستِ مبارک پر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں شرفِ بیعت حاصل ہوا اور بعد مشرف بخلافت و اجازت ہوئے اور حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے سندِ اجازت و کلاہ عطا فرمائی۔

نیز اسی سلسلہ عالیہ یعنی چشتیہ صابریہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مخصوص نسبت اویسی بھی ہے جو نہایت عظیم الشان ہے وہ یہ کہ حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۰۴ھ میں بمقام پانی پت اپنی نسبت خاصۂ جلیلہ سے آپ کو منور فرمایا اور اپنی جانب سے اس سلسلہ کی اجازت عطا فرمائی۔ آپ خلیفہ تھے حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کے، فالحمد للہ حمداً کثیراً۔

چونکہ اس قسم کا سلسلہ جس میں روح مجرد عن الجسم سے استفاضہ ہوتا ہے، حسبِ طریقِ مشائخ افاضۂ طالبین کے لئے کافی نہیں ہوتا اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہی واقعہ سبب ہوا ہو، حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ بیعت ظاہری قائم کرنے کا۔ نیز کیا عجب ہے کہ حضرت شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ہی حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تخصیص فرمائی گئی ہو کیونکہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ عظیم الشان اولیاء میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں اس سلسلہ عالیہ کے شمس ہی تھے، ایسے ماہتابِ ہدایت کے لئے ایسے شمس سے استفاضہ غایت درجہ موزوں بھی تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال واسرارہ۔

قاری محمد علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن جلال آباد نے آپ کو قصیدہ بردہ کی اجازت مع سند عنایت فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے اس کی باقاعدہ ریاضت کے ساتھ زکوٰۃ بھی دی اور عامل ہو گئے قصیدہ بردہ ایک نہایت مقبول و پر اثر اور کثیر الخواص قصیدہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جس کے مصنف امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ منجملہ اس کے خواص کے یہ ہے کہ اس کے ورد سے نسبت محمدیہ پیدا ہوتی ہے اور تجلیہ باطن میں نہایت مؤثر ہے۔

آپ کی تصنیفات میں سے سلوک میں کتاب "تعلیمات رحیمی" ہے جو حضرت مخدومی و ملاذی جناب حاجی مولا بخش صاحب مد اللہ ظلہم خلیفۂ اعظم و جانشین حضرت ممدوح کی تحریک سے تصنیف فرمائی۔ یہ کتاب سلوکِ طریقہ مجددیہ غفوریہ رحیمیہ میں ایک جامع کتاب ہے جس میں اذکار و مراقبات و اوراد وغیرہ ضروریات کو ایسے دل نشین انداز میں تحریر فرمایا گیا ہے کہ ایک پست ہمت طالب کے دل میں بھی سلوکِ طریقت کا ولولہ اور جوش پیدا ہو جاتا ہے، مراقبات و ذکر میں تصور ضروری کو ایسے سادہ اور دل نشین طور پر تحریر کیا گیا ہے کہ صحیح کیفیت خیال میں قائم ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں بزبانِ اردو اس سے بہتر کتاب اب تک تحریر نہیں ہوئی۔

دوسری تصنیف آپ کی "قطرات" ہے جو حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "ہمعات" کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب اصل میں بزبان فارسی تھی۔ حضرت مولاناؒ نے حضرت حاجی صاحب

مد ظلہم کی تحریک سے اس کا بزبانِ اردو ترجمہ فرمایا ہے۔ یہ کتاب تصوف و معرفت میں بے نظیر و لطیف مضامین کا خزانہ ہے۔ اردو زبان میں یہ ترجمہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اصل تصنیف ہی اردو زبان میں ہوئی ہے۔ اصل کتاب کی جو شان ہے وہ سب ترجمہ میں محفوظ ہے ہر طالب علم کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ اس کتاب کے ایک سو صفحات ہیں۔

تیسری تصنیف آپ کی ایک مختصر رسالہ "الختم الکامل" ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ تراویح میں ہر سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے اور بغیر اس کے تراویح میں ۱۱۳ آیات کی کمی رہتی ہے اور ختم کامل کا ثواب نہیں ملتا اور اس بارہ میں ایک فتنہ کھڑا کر دیا ان کو مسکت اور تحقیقی جوابات دیئے ہیں۔ احادیث صحیحہ و آثار معتبرہ اور اقوالِ فقہاء سے زبردست دلائل دے کر اصل مسئلہ محقق فرمایا ہے جس کی توثیق و تصدیق اکابر علماء ہند و علماء حرمین نے فرمائی اس رسالہ سے آپ کی ایک خاص کرامت متعلق ہے جو آئندہ مذکور ہوگی۔

چوتھی تصنیف توحید کے بیان میں ایک مختصر رسالہ ہے جو "التوحید" سے مسمی کیا گیا۔ کاش کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کا علمی اشتغال مستقل ہوتا تو علوم ظاہری میں بھی آپ کے افاضات ایک بحر ذخار کی طرح مخلوق کو سیراب کرتے۔ آپ کے مزاج میں اخفائے حال بدرجہ کمال تھا اسی کا اثر تھا کہ ایک عطار خانہ کھول کر بیٹھ گئے اور بظاہر حال ایک تاجر معلوم ہوتے تھے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی تھی کہ آپ کی اولاد امجاد میں یہ سلسلہ تجارت جاری ہے مگر جب چاند چڑھتا ہے تو کل عالم دیکھتا ہے۔ انوار چھپائے سے چھپ نہیں سکتے۔ مریدین و متوسلین کی تعداد ہند اور بیرون ہند میں ہزاروں کی ہے۔ آپ کے مواعظ پر اثر ہوتے تھے کہ بسا اوقات پورے کے پورے مجمع پر حالاتِ وجد طاری ہو گئے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مقامِ قرب کس درجہ عالی تھا اس کی حقیقت علمِ ذاتی کی بناء پر تو اہلِ نظر ہی خوب جانتے ہیں لیکن وہ شواہد و آثار جو سوانح مبارکہ و حالاتِ طیبہ پر توجہ

کرنے سے پیشِ نظر ہیں اس کا بیّن ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقامِ رفیع عطا فرمایا تھا۔ اپنے ان بزرگوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے ثمارِ باطنی سے نوازا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے لباسِ تقویٰ سے آراستہ اور مبالغۂ کلام سے پاک ہیں اس خادم الخدام کو معلوم ہوا ہے کہ حضرت کا مرتبۂ غوثیت کا تھا اور آپ کو حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نسبت خاص تھی اس بیان کی تائید اشارۃً حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔ جو "تعلیمات رحیمی" میں بیانِ لطائف کے ذیل میں تحریر فرمایا گیا ہے اور راقم اپنے وجدان کی طرف رجوع ہو کر دیکھتا ہے تو اپنا حال مطابق بیان حضرت صمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاتا ہے الخ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے انوارات سے جملہ متوسلین کے قلوب کو منور فرمائے اور اس نااہل کے قلبِ قاسیہ کو بھی صلاحیت بخشے وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

در محفلے کہ اوست دانم نرسم   ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی کرامتیں معتبر ذرائع سے ہم کو معلوم ہیں۔ ان میں سے چند کرامتیں یہاں بھی مذکور ہوں گی:

ایک دفعہ آپ ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوئے۔ سب ڈاکٹر و اطبّا اس پر متفق تھے کہ اس مہلک مرض سے آپ کا جانبر ہونا ناممکن ہے۔ ایک دن آپ نے فرمایا کہ "ہم کل اچھے ہو جائیں گے"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اچانک آپ کو شفاء کاملہ مرحمت فرمائی۔ اس مرض کے دوران عجیب و غریب حالات و کیفیات پیش آئیں۔ حجاباتِ ظاہری سب اٹھے ہوئے تھے۔ جملہ علومِ لدنی و اکتسابی کے متعلق بدرجۂ اتم شرحِ صدر ہو چکا تھا۔ حضرت مولانا نے فرما دیا تھا کہ صرف چالیس روز تک ہر بات اور سوال کا جواب دیا جا سکے گا جس کا جو کچھ دل چاہے سوال کر لے اس کے بعد جواب نہ دیا جائے گا۔ چنانچہ اس عرصہ میں بہت لوگوں نے دقیق سوالات کئے اور جواب باصواب سے مطمئن ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے بعض بزرگوں کی نسبتہائے باطنیہ کے متعلق سوالات کئے جن کے صحیح جوابات پائے۔ ایک شخص نے ایک بزرگ صاحب کی نسبت دریافت کی۔ آپ اس طرف متوجہ ہو گئے، فوراً ایسی حالت طاری ہوئی کہ آپ بہت زیادہ اونچے اچھلے اور

بلند ہو کر آہستہ سے زمین پر آ رہے۔ آپ نے اس کے بعد فرمایا کہ ان کی نسبت برقی ہے۔ یہ نسبت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔ آپ جس بزرگ کی نسبت کی طرف توجہ فرماتے تھے اس کا عکس اپنی پوری کیفیت کے ساتھ آپ کے قلبِ منور پر متجلی ہوتا تھا۔ ایک صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی نسبت دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا کی نسبت بہت زیادہ قوی اور غیر متناہی ہے۔ بعض صاحبان نے سوال کیا کہ حضرت خواجہ بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ حقیقۃً کہاں مدفون ہیں، کرنال میں یا پانی پت میں؟ آپ اس طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ وہ دیکھو کرنال میں بیٹھے ہیں۔ بعض صاحبان نے سوال کیا کہ روئے زمین میں سب سے اونچی کس کی نسبت ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ لاہور میں ایک درویش ہیں جن کا دیناشاہ نام ہے ان کی نسبت سب سے بلند ہے۔ ان سے لوگوں کو فیض بہت کم پہنچتا ہے یعنی صرف ڈھائی آدمی کو؛ دو مرد اور ایک عورت کو۔

آپ کی تصنیف "الختم الکامل" جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے ایک زندۂ کرامت اور اسی زمانہ کی یادگار ہے اس کتاب میں بطور استشہاد کتبِ تفسیر و احادیث وغیرہ کے بہت سے حوالے منقول ہیں اور بعض عبارات تو بقدر ایک ڈیڑھ صفحہ کے طویل ہیں یہ سب بغیر دیکھے زبانی لکھائی ہیں چونکہ اس کیفیت کا غلبہ تھا اس لیے متوجہ ہوتے ہی سب مضمون پیشِ نظر ہوتا تھا۔ کتاب دیکھنے کی حاجت ہی نہیں تھی بعد میں احتیاطاً کتابیں لے کر مقابلہ کیا گیا ہے تو سب ہو بہو تھا، مطلق تفاوت نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعبیر رؤیا کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کی تعبیرات اور ان کے اسی طرح مطابق ارشاد ظہور پذیر ہونے سے لوگ متحیر رہ جاتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں تو آپ بھی تعبیر خواب عام اصول کے ماتحت دیتے تھے لیکن آخر میں آپ کا حال یہ تھا کہ تعبیر خواب متشکل ہو کر سامنے آ جاتی تھی۔ آپ کے تصرفات قوی تھے اس کے شواہد اور بہت سے عظیم واقعات کو یہاں تحریر نہیں کیا گیا۔

بپایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی

اولاد امجاد | حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادوں میں سب سے بڑے صاحبزادے جناب حکیم

ظہورالدین صاحب مدفیوضہم کرنال کے مقتدر اور صالحین اصحاب میں سے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۲۹۰ھ کی ہے۔ اس حساب سے موجودہ عمر آپ کی ۸۲ سال ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ خدام پر قائم رکھے۔ آپ نے طبی کتب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیل کیں اور بذریعہ مطب خدمت خلق اللہ میں مشغول ہیں۔ آپ کے تین صاحبزادے جناب حکیم محمد مظفر حسن صاحب اور جناب راغب حسن صاحب اور جناب حکیم محمد محمود حسن صاحب اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بابرکت خاندان کے ساتھ ہمیشہ اپنی رحمت شامل حال رکھے۔ حضرت حکیم صاحب کے صاحبزادے اور بھی تھے۔ اظہارالدین اور مرغوب احمد رحمہما اللہ۔ اول الذکر کا تو صغر سنی ہی میں انتقال ہوگیا اور مولوی مرغوب احمد صاحب نے بعالم جوانی ہی میں عالم جاودانی کی راہ لی۔ صرف ۴۲ سال عمر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فردوس کے اعلیٰ مقامات عطا فرمائے مرحوم ذکی الطبع عالم تھے۔ طبیہ تعلیم بھی طبیہ کالج دہلی میں باقاعدہ حاصل کر چکے تھے اور نہایت صالح تھے۔ ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل و حافظ قرآن تھے۔ ان کے ایک صاحبزادے تھے جن کا بعالم جوانی انتقال ہوگیا۔ ان کا نام مقصود احمد تھا۔ مشکوٰۃ تک تعلیم پا چکے تھے، طاعون میں وفات ہوئی اور دو صاحبزادیاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ طویل عمر بخشے اور صلاحیت و تقویٰ کی دولت سے مشرف فرمائے۔ اولاد اناث میں حضرت رحمہ اللہ کے ۳ صاحبزادیاں بقید حیات ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و خدام کی تعداد ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں ہزاروں ہیں۔ ان میں سے جو صاحبان ارشاد و خلفاء مجاز ہیں، ان کے اسمائے گرامی مع مختصر تعارف تحریر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تفصیلی حالات تحریر کرنے سے تنگی مقام مانع ہے۔

خلفاء | حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اول اور جانشین عمدۃ الاصفیاء حضرت حاجی مولا بخش صاحب مدت فیوضہم ہیں[۱]۔ جن کا نام نامی بضمن تذکرہ حضرت اقدس متعدد بار تحریر ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا ظل ہمایوں ہم خدام پر قائم رکھے۔ آپ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب اسرار خلفاء میں سے ہیں عمر کا بڑا حصہ آپ کی معیت میں گزارا ہے۔ نادر الوجود مقبولین میں سے ہیں۔ فی زمانہ اس پایہ کے بزرگ شاذ و نادر ہیں۔ آپ کا اصل وطن شاہ آباد ضلع کرنال ہے لیکن اقامت مستقلاً کرنال رہی اور اب بھی وہیں آستانۂ شیخ پر ہی رونق افروز ہیں۔ تجرید و تفرید کا آپ پر غلبہ ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے نکاح نہیں کیا۔ خدام و متوسلین ہزاروں ہیں جن میں ایک ادنیٰ خادم یہ کمترین بھی ہے۔ آپ کی ذات والا صفات درویشی کی صحیح تفسیر ہے۔ آپ کے عجیب حالات ہیں جو انشاء اللہ العزیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تحریر کئے جائیں گے۔

دوسرے خلیفہ آپ کے جناب مولانا مولوی عزیز صاحب سرحدی تھے۔ آپ نے کتب احادیث حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ اس کے بعد سلوک میں بھی حضرتؒ ہی کے مبارک ہاتھوں پر تکمیل ہوئی۔ تیسرے خلیفہ حضرت شاہ غلام محی الدین صاحب تھے۔ حضرت نے آپ کو غلامی شاہ سے ملقب فرمایا تھا۔ آپ پنجاب قریب سرحد کے رہنے والے تھے۔ آپ کی وفات کرنال ہی میں ہوئی۔ چوتھے خلیفہ حضرت شاہ رکن دین

---

[۱] حضرت حاجی صاحب مدفیوضہم یگانہ روزگار اور یادگار سلف اکابر میں سے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر شریف نوّے سال کے قریب ہے۔ ابتدائے عمر سے جاذبہ حقیقت آپ کے قلب میں موجزن رہا ہے اور بہت سے بزرگوں کی صحبت و زیارت کا اس سلسلہ میں آپ کو شرف حاصل ہوا۔ آپ کے قدیم وطن شاہ آباد میں ایک کبیر السن بزرگ تھے، جو کہ حضرت شاہ مادھو رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے کامل مکمل اور نہایت عالی نسبت بزرگوں میں سے تھے، حضرت حاجی صاحب مدظلہم نے ابتداءً آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کے الطاف و توجہات سے مستفید ہوتے رہے لیکن تکمیل باطن حق تعالیٰ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے مقدر کی تھی اس لئے حضرت شاہ مادھو صاحب اور آپ کے بعد دوسرے بزرگوں نے اسی کی طرف رہبری کی۔ اس لئے برسوں تک آپ حضرت مولانا کی جستجو میں سرگرداں رہے۔ بالآخر قدرت کی دستگیری سے آپ اس چشمۂ سیراب پر پہنچے اور خوب سیراب ہوئے۔ حضرت شاہ مادھو صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ محمد علی صاحب قدس اللہ سرہ کے خلفاء میں سے تھے جو حضرت شاہ ابو سعید نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی قدس اللہ سرہ خلیفۂ اعظم حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔

صاحب تھے جو تحصیل کرنال کے رہنے والے تھے ۔ اکثر ابتداءً غلبہ حال میں مکان کے گرد گھومتے رہتے تھے ایک مدت تک نقاب پوش رہے ۔ پانچویں خلیفہ آپ کے حضرت مولانا رحیم بخش صاحب تھے۔ آپ کا اصل وطن ساڈھورہ ضلع انبالہ تھا ۔ بعدہٗ کھاروں تحصیل جگادھری میں اقامت گزیں ہوگئے تھے ۔ بڑا آپ عارف باللہ حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت رکھتے تھے ۔ آپ کے ارشاد سے حضرت مولانا سے شرفِ ارادت حاصل کیا اور مشرف بخلافت ہوئے ۔ چھٹے خلیفے آپ کے پیرجی مراتب علی صاحب تھے جن کا وطن مبارک کیتھل ہے ۔ ساتویں خلیفہ آپ کے حضرت حافظ ابو علی صاحب تھے ملقب بہ خوشبو علی ہیں ۔ صاحب خوارق و مقامات جلیلہ ہیں ۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے خاص انس تھا ۔ ایک عرصہ تک آپ پر جذب کا غلبہ رہا اس حالت میں مختلف مقامات پر گشت کرتے رہے پھر سلوک میں آگئے ۔ اب ایک عرصہ سے قریہ چھت میں قیام فرما ہیں ۔ یہ متبرک مقام بنور سے قریب ہے جو حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے انتساب کی وجہ سے کافی شہرت رکھتا ہے ۔ یہ قریہ ریاست پٹیالہ کے مضافات میں سے ہے ۔ اصل وطن آپ کا ایک موضع مسے کھڑ ہے جو انبالہ کے مضافات میں سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تا دیر قائم رکھے ۔ راقم الحروف پر شفقت فرماتے ہیں ۔

وفات | اولیاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی وفات ظاہر بین نگاہوں میں موت ہوتی ہے لیکن چشمِ حقیقت بین سے دیکھیے تو موت نہیں بلکہ یہ تو حیات و بقا کا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بقائے دوام کا مرتبہ بروز یکشنبہ ۱۲ر شوال مطابق ۱۵ر مئی ۱۹۲۴ء کو عطا فرمایا ۔ محبی جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب مرحوم نے آپ کی وفات کے متعلق کچھ اشعار نظم کئے تھے ۔ اس میں کے دو شعر مناسب مقام لکھتا ہوں ۔ ؎

روز یکشنبہ پس نصف النہار روحِ قدسی رفت نزدِ کردگار
روحِ پاکش داخلِ خلدِ حسن شد برحمِ منتِ ربِ زمن

۲۴ ۵ ۱۹ ۴۳ ۵ ۱۳

اس شعر کے مصرعِ اول سے سنِ عیسوی اور مصرعِ ثانی سے سنِ ہجری نکلتا ہے ۔

اشتیاق احمد عفی عنہ ، ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء

حضرت حاجی مولا بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اعظم حضرت مولانا عبداللہ شاہ صاحبؒ نے ۱۳ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۴ر جولائی ۱۹۲۹ء بیوم دوشنبہ کرنال میں وفات پائی ۔ حضرت مولانا عبداللہ شاہ قدس سرہٗ کے مرقدِ مبارک کے قریب پائنتی کی جانب سپردِ خاک ہوئے ۔ عمر مبارک سو برس سے متجاوز تھی ۔

حافظ ابو علی صاحب خلیفہ حضرت مولانا عبداللہ شاہؒ کی عمر تقریباً اسی سال کی ہوگی جب ۱۹۴۷ء کے فتنے میں وہاں سے ہجرت کے دوران میں آپ گولی سے شہید کر دئے گئے ۔

حضرت مولانا عبداللہ شاہ صاحب کے خلفِ اکبر مخدومی جناب حکیم ظہور الدین صاحبؒ کی وفات ۱۹۴۶ء میں ہوئی ۔ ۱۲

اشتیاق احمد عفی اللہ عنہ ۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ

حضرۃ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی ؒ

"خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے خلفاء میں پیر سید مہر علی شاہ صاحبؒ ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ انہوں نے موجودہ دور میں نہ صرف احیاءِ تصوف کی کوشش کی، بلکہ بہت سے عقائد باطلہ کی تردید میں بھی سرگرم رہے۔

خواجہ صاحبؒ کا سلسلہ نسب ۲۴ ویں پشت میں حضرۃ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے۔ ان کی نانی حضرۃ مخدوم جہانیاں کی اولاد سے تھیں۔ خواجہ صاحبؒ کے والد ماجد سید نظیر الدین شاہؒ نے اپنے بیٹے کی ابتدائی تعلیم و تربیت نہایت ہی جگر سوزی کے ساتھ کی تھی۔ خواجہ صاحبؒ خود بہت ذہین اور باشوق تھے۔ تھوڑی ہی عمر میں علومِ ظاہری سے فارغ ہو گئے اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا، پھر حجاز چلے گئے۔ وہاں ایک عرصہ تک رہنے کے بعد واپس آئے اور اصلاح و تربیت کا ہنگامہ برپا کر دیا۔

مکہ معظمہ میں ایک دن وہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حاجی صاحبؒ نے نہایت اصرار اور تاکید سے ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا اور فرمایا: "در ہندوستان عنقریب یک فتنہ ظہور کند، شما ضرور در ملک خود واپس بروید، واگر بالفرض شما در ہند خاموش نشستہ باشید تاہم آں فتنہ ترقی نکند و در ملک آرام ظاہر شود"۔[۱]

---

[۱] علامہ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت: لاہور بلا تاریخ ص ۷۲۳ تا ۷۲۶، بحوالہ اقبال نامہ ج ۱ ص ۲۲۴

(کہ ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا تم ضرور اپنے وطن واپس چلے جاؤ اگر بالفرض تم ہندوستان میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو وہ فتنہ ترقی نہ کرے گا اور ملک میں سکون رہے گا۔)

خواجہ صاحبؒ، حاجی صاحبؒ کے اس کشف کو فتنہ قادیانی سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو اس فتنہ کی مخالفت کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ خواجہ صاحبؒ نے اپنی زبان اور اپنے قلم دونوں سے قادیانیوں کے عقائد باطلہ کی پرزور تردید کی۔

خواجہ صاحبؒ بڑے متبحر عالم تھے۔ ان کے ملفوظات ان کی بلندیٔ فکر اور وسعتِ معلومات کے بہترین آئینہ دار ہیں۔ حضرۃ شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے خاص عقیدت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

"کمالاتِ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مرحوم بحد غایت کمال رسیدہ اند۔ در علمِ ظاہر و باطن نظیرِ خود خود گذشتہ اند"۔

شیخ اکبرؒ کے نظریۂ وحدت وجود پر جو عبور ان کو حاصل تھا اس کی اس صدی میں نظیر نہیں ملتی۔ فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیتے تھے اور اس کے اسرار و رموز کو خوب سمجھتے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے ایک مرتبہ شیخ اکبرؒ کے فلسفہ کے متعلق ان کو ایک خط لکھا جس میں ان سے عقیدت و ارادت کا اظہار اس طرح کیا تھا:

لاہور۔ ۱۸ اگست ۱۹۲۳ء

مخدوم و مکرم حضرۃ قبلہ

السلام علیکم۔ اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے تاہم اس سے پہلے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اس محرومی کی تلافی اس عریضہ سے کرتا ہوں

گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہر حال جناب کی وسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیشِ نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرۃ مجدد الف ثانیؒ پر ایک تقریر کی تھی، جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرۃ محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاقِ کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

۱۔ اول یہ کہ حضرۃ شیخ اکبرؒ نے تعلیم حقیقت زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور آئمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

۲۔ یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں۔ اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کرسکوں۔

۳۔ حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقتِ زماں پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سید انور شاہ مرحوم و مغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا۔ اس کا نام تھا "درایۃ الزمان"، جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس لئے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔"

مخلص محمد اقبال [1]

---

[1] علامہ خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت: لاہور۔ بلا تاریخ ص۲۱۲ تا ۲۱۴، بحوالہ اقبال نامہ ج ۱ ص۲۳۳

غیر شرعی رسومات سے خواجہ صاحبؒ کو بڑی نفرت تھی۔ ان کے ملفوظات میں جگہ جگہ اتباع سنت نبوی کی تلقین ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے شریعت نبوی کے اتباع سے بڑھ کر کوئی فخر نہیں ہوسکتا [1]

خواجہ صاحبؒ کو شعر و سخن سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی لیکن پھر بھی شعر خوب کہہ لیتے تھے۔ ان کی ایک فارسی غزل ملاحظہ ہو۔

صبا ز طرہ شبرنگ مہوشِ طناز — کشود نافۂ مشکین بر روئے اہل نیاز
نسیم گدائے در مفلسی کوتاہ دست — کجا ایں خالیہ عطری و قصہ ہائے دراز
توئی کہ ذرہ صفت را با آسماں بری — چگونہ شکر تو گوید کمینہ بندہ نواز
عرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست — کمال حشمت محمود را بعجز ایاز
رہین ساقی چشم کہ جرعہ بخشاند — ز جام چہرہ ترکاں مہوشان حجاز
بہ بزم بادہ فروشاں بہ نیم جو نخرند — متاع زاہد طماع چہ حج و صوم و نماز
مراز پیر مغاں رازہائے سربستہ است — فغاں ز واعظ خود بیں کجاست محرم راز

اگرچہ حسن تو از مہر غیر مستغنی است
من آں نیم کہ از ایمان خویش آیم باز [2]

حالاتِ زندگی آپ یکم رمضان المبارک بروز پیر ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۹ء کو گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا اسم گرامی پیر سید نذر دین شاہ تھا، حسنی سید تھے۔

ابتدائی تعلیم ابتدائی تعلیم گولڑہ شریف میں حاصل کی۔ عربی، فارسی اور صرف و نحو کافی حد تک

---

[1] علامہ خلیق احمد نظامی: بحوالہ ملفوظات۔ ص۱۴۳

[2] علامہ خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت: لاہور ص۷۱۱

کی تعلیم مولوی غلام محی الدین بکھلوی ہزاروی سے وہیں حاصل کی۔ پھر مکھڈ ئی کاڑ ضلع کیمبلپور میں مولانا محمد شفیع قریشیؒ کے درس میں اڑھائی سال تک شامل رہ کر رسائل منطق قطبی تک اور نحو اور اصول کے درمیانہ اسباق کی تعلیم حاصل کی۔ پھر انگہ ضلع سرگودھا میں کچھ عرصہ تک مولانا سلطان محمود صاحب سے تعلیم حاصل کی۔ موصوف کی بیعت حضرۃ خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے ہاتھ پر تھی اور وہ سال میں کئی بار اپنے مرشد کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے آپ بھی اپنے استاذ محترم کی معیت میں حضرۃ سیالویؒ کی خدمت میں جایا کرتے اور وہ بھی آپ پر شفقت فرمایا کرتے۔ آخر سلسلہ چشتیہ میں انہیں سے بیعت کی۔ انگہ ضلع سرگودھا میں بھی اڑھائی سال تک پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم | ۱۲۹۰ھ کے قریب اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ نے ہندوستان کا رخ کیا اور مولانا لطف اللہ علی گڈھی کی خدمت میں رہ کر ۲½ سال تک اعلیٰ کتب کا درس لیا اور بعد میں ان سے سندِ اجازہ حاصل کی۔

سہارنپور میں | پھر سہارنپور میں حضرۃ مولانا احمد علی محدّث سہارنپوری سے کتب حدیث بخاری و مسلم پڑھ کر ۱۲۹۵ھ میں سند حاصل کی۔

تدریسی خدمات | فراغتِ علوم کے بعد واپس وطن آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا دور دور سے طلبہ آکر آپ سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھتے تھے۔ ۱۲۹۵ھ تا ۱۳۰۰ھ تدریسی خدمات انجام دیں۔

اسی دوران میں آپ کی شادی اپنے ننھیال میں سید چراغ علی شاہؒ کی دخترِ نیک اختر سے ہوئی۔

حضرۃ سیالویؒ کی خدمت میں | قیام انگہ ضلع سرگودھا کے دوران اپنے استاذ مولانا حافظ سلطان محمود صاحبؒ کے ہمراہ حضرۃ خواجہ شمس الدین سیالویؒ کی خدمت میں جانے کا معمول

تھا۔ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر واپس پہنچے تو سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں حضرۃ خواجہ صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے اور بعد میں ان سے مجاز ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ حضرۃ خواجہ صاحبؒ کے آخری خلیفہ ہیں۔

۱۳۰۰ تا ۱۳۰۷ھ کا زمانہ آپ کے جذب و سیاحت کا زمانہ ہے۔ اس دوران میں تدریس بھی کی، سیاحت بھی کی۔ مختلف مقامات پر مجاہدے بھی کئے۔ ۱۳۰۷ھ میں سفرِ حجاز پیش آیا۔ وہاں حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شرکت کی۔ اسی موقع پر حضرۃ حاجی صاحبؒ نے آپ کو اپنا سلسلہ چشتیہ صابریہ عنایت فرمایا، جس پر آپ نے ان کی عنایت کا شکریہ ادا کیا۔

آپ فرماتے تھے کہ "جب میں عرب شریف سے واپس آیا تو ایک مدت کے بعد دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف کے تقاضا پر سلسلہ چشتیہ صابریہ کے وظائف انہیں تلقین کئے۔ اس وقت حضرۃ حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس عطیہ کی حکمت معلوم ہوئی۔" آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ "عرب شریف کے قیام کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجھے اسی جگہ رہائش اختیار کر لینے کا خیال پیدا ہو گیا۔ مگر حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ پنجاب میں عنقریب ایک ایسا فتنہ نمودار ہو گا، جس کا سدِ باب صرف آپ کی ذات سے متعلق ہے۔" آپ پر بعد میں یہ حقیقت کھلی کہ اس فتنہ سے مراد قادیانیت تھی۔

مسندِ ارشاد | ۱۳۰۷ھ تا ۱۳۵۶ھ مسندِ ارشاد پر فائز رہتے ہوئے ایک عالم کو اللہ کے رنگ میں رنگ دیا۔

تردیدِ مرزائیت | آپ نے مدّعی نبوت غلام احمد قادیانی کے خلاف کامیاب قلمی اور لسانی جہاد کیا، حتّٰی کہ اس محاذ پر مسلمانوں کے تمام فرقوں کی جانب سے متفقہ طور پر آپ ہی قائد تسلیم کئے گئے اور مدعی نبوت مناظرہ کا چیلنج دے کر بھی سامنے نہ آسکے اور آپ کی تصانیف

تردیدِ مرزائیت میں بے نظیر شاہکار قرار دی گئیں۔ ان میں "سیفِ چشتیائی" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

تصانیف ۱۔ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق (فارسی)، ۱۸۹۷ء میں لکھی گئی۔ ۱۹۶۲ء میں فارسی متن کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔ ۲۔ شمس الھدایۃ فی اثبات حیات المسیح ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء میں لکھی گئی۔ قادیانی تحریک کے رد میں ہے۔ ۳۔ سیفِ چشتیائی۔ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں لکھی گئی۔ مرزائیت میں آپ کی یہ معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ علماء نے اسے آپ کا علمی شاہکار قرار دیا ہے۔ ۴۔ اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ما اُھِلَّ بہٖ لغیر اللہ۔ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں لکھی گئی۔ ۵۔ الفتوحات الصمدیہ۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۹ء میں لکھی گئی۔ یہ غیر مقلدین کے دس سوالات کا جواب ہے۔ ۶۔ تصفیہ ما بین سُنّی و شیعہ (قلمی)۔ ۷۔ فتاویٰ مہریہ۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔

شاعری آپ اردو، فارسی اور پنجابی کے شاعر بھی تھے۔ جب جی چاہا ان زبانوں میں لکھ لیا۔ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان زبانوں میں بے تکلف لکھ سکتے تھے۔ یہاں خطوط کے جواب میں جو آپ نے فی البدیہہ اردو اشعار لکھوا دیئے، نقل کیے جاتے ہیں۔ ۱۹۱۲ء میں ملک سلطان محمود خاں ٹوانہ نے آپ کی خدمت میں اپنی کسی پریشانی کے متعلق عریضہ ارسال کیا اور عنوان پر یہ شعر لکھا

؎ گر چارہ مرے زخمِ جگر کا نہیں کرتے　　اچھا یہی کہہ دو کہ ہم اچھا نہیں کرتے

آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ ؎

اس چشمِ سیاہ دلبری پر سحر و فتن سے　　سلطان بھی اگر اُلجھیں تو اچھا نہیں کرتے
بے ساختہ تھا زخمِ جگر نوکِ مژہ سے　　پھر شکوہ ہی کیا ہے کہ وہ اچھا نہیں کرتے
کہہ دیوے بھلا کیسے کوئی میرِ عرب سے　　"اچھا یہی کہہ دو کہ ہم اچھا نہیں کرتے"
ہے مہر و وفا طرز و ادا آلِ عبا کی　　ہرگز نہ کہیں گے کہ ہم اچھا نہیں کرتے

ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین تونسویؒ نے آپ کے صاحبزادہ جناب بابوجی صاحب کو خط میں یہ اشعار لکھ بھیجے ؎

اے وعدہ فراموش، کروں کیوں نہ شکایت　　تو نے تو یہ وعدہ کیا تھا دمِ رخصت
بھولوں گا کبھی تجھ کو نہیں تا بہ قیامت　　گر یاد تمہیں ہم تھے تو کیوں از رہِ اُلفت
خطّے نہ نوشتی و مرا یاد نہ کردی
گاہے بہ زبان قلم شاد نہ کردی

بابوجی صاحبؒ نے یہ خط آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے جواب کے لئے یہ اشعار لکھوا دیئے۔ ؎

ہوں وعدہ کا پکا نہ کرو میری شکایت　　میں نے تو یہ وعدہ کیا تھا دمِ رخصت
بھولوں گا کبھی تم کو نہیں تا بہ قیامت　　ہے یاد مجھے آپ کی ہر لحظہ بہ اُلفت
ہے یاد صفت دل کی نہ کاغذ نہ قلم کی
جب یاد ہو دل میں نہیں حاجت ہے رقم کی

قاضی سربلند خان پشاوریؒ سے خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے لکھا کہ آپ کو ہمارا کچھ خیال نہیں۔ مدت ہوئی یاد نہیں فرمایا۔ جواب میں صرف ایک شعر تحریر فرمایا ؎

خاکساروں سے خاکساری ہے　　سربلندوں سے انکسار نہیں

قاضی صاحب نے جواب دیا ؎

حلقہ بگوشوں میں سربلند ہے آج　　حضرتِ مہر شاہ کو خیال نہیں

اس کے جواب میں فرماتے ہیں ؎

شاعری میں بڑی سربلندی ہے　　قافیہ بھی یہاں بکار نہیں
مہر اور مہرباں، مہر کیا معنی!　　جمع اضداد ناگوار نہیں

وصال ایک طویل عرصہ تک دینی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات انجام دے کر یوم سہ شنبہ ۲۹ر صفر ۱۳۵۶ھ/۱۱ر مئی ۱۹۳۷ء کو واصل بحق ہوئے اور ۱۲ر مئی ۱۹۳۷ء کو بعد از نمازِ عصر ساڑھے چھ بجے شام مولانا قاری غلام محمد صاحب مرحوم کی اقتداء میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے نمازِ جنازہ ادا کی اور مسجد کے جنوبی باغ میں تدفین ہوئی۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اولاد آپ کی تین صاحبزادیاں اور ایک فرزند شاہ غلام محی الدین المعروف بہ بابوجی تھے۔ جن سے آپ کی اولاد پھیلی۔ بابوجی دسمبر ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ تجوید کی تحصیل قاری عبدالرحمٰن جونپوری سے اور دیگر علوم کی تحصیل مولانا محمد غازی صاحب سے کی۔ پھر سلوک کی منزلیں اپنے والد گرامی کی رہنمائی میں طے کر کے ان کے جانشین اور خلیفہ ہوئے۔ بابوجی کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور دو فرزند شاہ غلام معین الدین (المعروف بہ لالہ جی) اور شاہ عبدالحق ہیں۔ بڑے ۱۹۲۰ء اور چھوٹے ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے اور حضرۃ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی نوازشات سے بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ ملا۔ ان حضرات نے جامعہ بہاولپور میں رہ کر دینی علوم پڑھے۔ شاہ معین الدین صاحب نے "مولوی فاضل" کا امتحان بھی پاس کیا ہے اور نعت گو شاعر بھی ہیں مشتاق تخلص فرماتے ہیں کلام میں رقت کا غلبہ ہے۔ مجالس میں ان کے شعر پڑھے جاتے ہیں۔

شجرۂ مہریہ

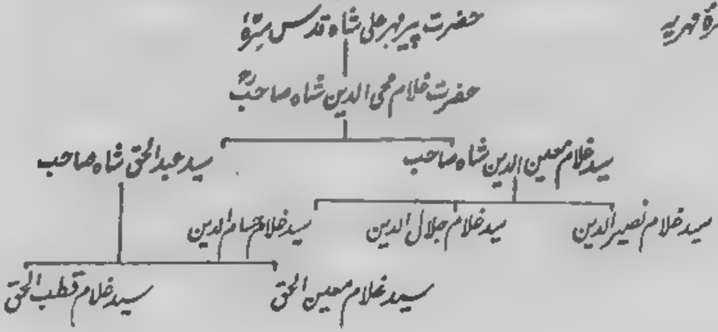

خلفاء مجازین آپ کے متوسلین ہزاروں کی تعداد میں ہیں، جن میں مندرجہ ذیل حضرات اس لحاظ سے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں کہ آپ نے انہیں سلسلہ چلانے اور ذکر و فکر کا طریقہ بتانے کی ہدایت فرمائی تھی۔

۱۔ حضرۃ سید چانن شاہ صاحب ساکن جابہ کیمبلپور۔
۲۔ حضرۃ سید ممتاز علی شاہ صاحب ساکن ریاست پونچھ۔
۳۔ حضرۃ مولانا فقیر محمد امیر صاحب ساکن کوٹ اٹل ڈی۔آئی خان۔
۴۔ حضرۃ مولانا ولی محمد صاحبؒ۔ ساکن بانڈی (عطائی خان)، ضلع ہزارہ۔
۵۔ حضرۃ مولانا محمد چراغ صاحب اور ان کے فرزند مولانا غلام سرور، چکوڑی ضلع گجرات
۶۔ حضرۃ مولانا معز الدین صاحب ساکن وڈانگ صوبہ سرحد۔
۷۔ حضرۃ سید صدیق شاہ صاحب ساکن مانگووال تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا۔
۸۔ حضرۃ پیر ولایت شاہ صاحب ساکن نوشہرہ تحصیل خوشاب۔
۹۔ حضرۃ مولانا حافظ حمید الدین صاحب۔ کوٹ نجیب اللہ ضلع ہزارہ۔
۱۰۔ حضرۃ سید امام شاہ صاحب۔ مہر آباد۔ تحصیل لودھراں۔
۱۱۔ حضرۃ سید عبداولی صاحبؒ۔ ساکن گوالیار۔ (بھارت)
۱۲۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی۔

بعض ممتاز مسترشدین ممتاز مسترشدین میں استاذ العلماء مولانا محمد غازی صاحب کیمبلپوری۔ مولانا قاضی غلام محمد صاحب پشاوری، مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب جونپوری، مولانا محبوب عالم صاحب ہزاروی مقیمانِ آستانہ عالیہ، مولانا شیر محمد صاحب لاہوری، شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی، مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب میانوی مولانا عبدالحق صاحب سراوی اور مولانا گل فقیر صاحب پشاوری کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ؔ آپ کا صحیح نام اولی احمد ہے "مہر منیر" کے مرتب مولانا فیض احمد صاحب کو سہو ہوا ہے۔ یہ سوانحی تذکرہ زیادہ تر "مہر منیر" سے ماخوذ ہے۔

مولانا محمد یعقوب نانوتوی صدیقیؒ

آپ استاذ العلماء مولانا مملوک علی صاحب کے فرزندِ رشید اور مایۂ ناز شاگرد تھے۔
۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء تاریخ پیدائش ہے اور منظور احمد تاریخی نام ہے۔ وطن میں قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد دہلی میں والدِ ماجد سے علومِ متداولہ کی تکمیل کی۔ علمِ معقول و منقول میں اپنے والدِ ماجد کے مثل تھے۔ ذہن نہایت رسا پایا تھا اور حق تعالیٰ نے عظیم الشان جامعیت عطا فرمائی تھی۔

حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بہت قریب کا تعلق تھا، خود تحریر فرماتے ہیں:

"حقیر کے اور مولوی صاحب (محمد قاسم نانوتویؒ) کے علاوہ قربِ نسب کے بہت سے روابطِ اتحاد تھے۔ ایک مکتب میں پڑھا۔ ایک وطن، ایک نسب، ہم زلف ہوئے، ایک استاذ، ایک وقت میں علم حاصل کیا اور بعض کتابیں مولانا سے بھی پڑھیں۔ ایک پیر کے مرید ہوئے دو مرتبہ حج میں ہم سفر رہے اور ایک زمانۂ دراز تک ساتھ رہے۔" (سوانح قاسمی)

تبحرِ علمی حدیث شریف آپ نے بھی شاہ عبد الغنی صاحبؒ سے پڑھی ہے معقولات، منقولات غرضیکہ تمام فنون میں آپ اپنے دونوں ساتھیوں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے کم نہ تھے۔ ذکاوت اور ذہانت اللہ تعالیٰ نے بدرجہ اتم عطا فرمائی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ طلبِ علم کا بے انتہا شوق تھا۔[1]

---

[1] مفتی عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند، کراچی ۱۹۶۴ء ص۱۷۱

تدریسی خدمات والدِ ماجد کے انتقال کے بعد ملازمت پر اجمیر تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے۔ جب دار العلوم قائم ہوا تو حضرۃ مولانا نانوتویؒ نے صدر مدرسی کے لئے دیوبند طلب فرمایا۔ ہر چند اجمیر میں ڈیڑھ سو روپے کا گراں قدر مشاہرہ تھا۔ مگر آپ نے کمالِ ایثار فرماتے ہوئے دار العلوم کے ۲۵ روپے ماہانہ کو اس پر ترجیح دی اور دار العلوم میں درسِ حدیث جاری فرمادیا۔ آپ دار العلوم کے سب سے پہلے شیخ الحدیث ہیں۔ ۱۹ سال کی مدت میں ۱۵ا طلبہ نے آپ سے علومِ نبویہ کی تحصیل کی، جن میں مولانا عبد الحق پور قاضوی، مولانا عبد اللہ انبیٹھوی، مولانا فتح محمد تھانوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، مولانا احمد حسن امروہوی، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا حکیم منصور علی خاں مراد آبادی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمدؒ فاضل سکندر پوری ہزاروی اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہم اللہ جیسے مشاہیر اور یگانۂ عصر علماء شامل ہیں۔

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور ان کے تلامذہ کے فیضِ تعلیم کو دیکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ آج ہندوستان و پاکستان، افغانستان اور وسطِ ایشیا میں جس قدر علماء موجود ہیں وہ تقریباً سب کے سب اسی خوانِ علم کے زلہ ربا ہیں۔ دار العلوم میں تدریسِ حدیث کے ساتھ فتویٰ نویسی کا کام بھی آپ ہی کے سپرد تھا۔[1]

مولانا قاری محمد طیب قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

"دار العلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس پر سب سے پہلے حضرۃ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نانوتوی قدس سرہٗ فائز ہوئے جو اپنی جامعیت علومِ ظاہرہ و باطنہ کے سبب شاہ عبد العزیز ثانی تسلیم کئے جاتے تھے۔ آپ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء سے ربیع الاول ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۶ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔"[2]

---

[1] سید محبوب رضوی: تاریخ دار العلوم دیوبند: دہلی ص۱۴۴

[2] مولانا قاری محمد طیب قاسمی: دار العلوم: دہلی، ۱۹۶۵ء ص۹۸

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں کہ:

"دار العلوم دیوبند میں درس و تدریس کے علاوہ افتا کا کام بھی ابتدا ہی سے ہوتا رہا۔ سب سے پہلے حضرۃ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جو دار العلوم کے صدر المدرسین تھے وہی اس کام کو بھی انجام دیتے رہے۔ چنانچہ آپ نے ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۰۱ھ تک اس خدمت کو بھی انجام دیا"[1]

صوفیانہ مسلک | آپ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاء مجازین میں سے تھے۔

شاعری | آپ اردو، فارسی اور عربی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ منظوم کلام کے علاوہ آپ کے مکاتیب اور سوانح عمری مولانا محمد قاسم صاحب یادگار ہیں۔ گمنام تخلص تھا۔

نمونہ عربی کلام

یا رب صل علی النبی محمد   یٰسین وطٰہٰ ذی المکارم احمد
بأبی وأمی ذا الرسول الاکرم   نفسی الفداء وما ملکت یدی
الیوم یا أملی و یا کل المنٰی   وشفاعتی ونجاح نفسی فی الغد
أنت الکریم رؤفنا ورحیمنا   یاسیدی یا سیدی یا سیدی
فبجبه ارجو النعیم بجنة   وحظیت فی الدنیا بعیش ارغد
فی فرحة من حبه ومسرة   لازلت مذا دعی باسم محمد[2]

وصال | وصال سے چند روز قبل وطن مالوف نانوتہ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں ۳ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۶ء کو داعی اجل کو لبیک کہا[3]

[1] مولانا قاری محمد طیب قاسمی: دار العلوم، دہلی۔ ۱۹۶۵ء ص۴۹ (عنوان: دار العلوم کے مفتی)

[2] مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری: تذکرہ مشائخ دیوبند، کراچی ۱۹۶۴ء ص۱۱۶ (بحوالہ دار العلوم دیوبند۔ محرم ۱۳۷۲ھ)

[3] سید محبوب رضوی: تاریخ دار العلوم دیوبند۔ دہلی۔ ص۱۲۵

نانوتہ میں باغ نو میں لب سڑک آپ کا مزار ہے[1]

آپ کی عربی شاعری کے بارے میں پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اردو اور فارسی ادب کے بعد مولانا کے عربی ادب کا تذکرہ کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں بھی کہا ہے کہ حضرۃ مولانا محمد یعقوب صاحب کی ذات جامع الصفات تھی۔ وہ نہ صرف اردو اور فارسی کے شاعر تھے، بلکہ عربی شاعری میں بھی ان کا قلم کہیں نہ رکتا تھا۔ فی البدیہہ لکھتے چلے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک قادر الکلام جس کی مادری زبان عربی ہے اپنے قلم کو جنبش میں لاتا ہے تو عربی زبان اس پر فخر و ناز سے مرحبا بول اٹھتی ہے۔ آپ کا عربی کلام جو اس وقت ہماری تحقیق میں آسکا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ آپ کا ایک عربی قصیدہ سلطان عبد الحمید خلیفہ عثمانیہ کی شان میں ہے جو قصائد قاسمی میں ہے۔ یہ قصیدہ ایک کم ساٹھ (۵۹) اشعار پر مشتمل ہے یا سات نعتیہ اشعار ہیں یا ایک عربی قطعہ ہے جو دو اشعار کا ہے۔ یہ سات نعتیہ اشعار اور ایک قطعہ بیاض یعقوبی میں درج ہے۔

قطعہ عربی

هجرت الخلق طرا فی هواك   وأيتمت العيال لكی أراك
ولو قطعتنی فی الحب اربا   لما حن الفؤاد الی سواك

سلطان عبد الحمید کی مدح میں ۵۹ اشعار کا قصیدہ دراصل آپ نے ۱۲۹۴ھ میں اس وقت لکھا تھا جب کہ ترکوں کی روسیوں سے جنگ ہو رہی تھی اور سلطان عبد الحمید خاں نہایت بہادری سے لڑ رہے تھے اور ان کی فوج کا سپہ سالار عبد الکریم اپنی مردانگی کے جوہر دکھا رہا تھا اس قصیدے کا پہلا اور آخری دو شعر نقل کئے جاتے ہیں

[1] مفتی عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند۔ کراچی ۱۹۶۴ء ص۱۱۶

الوعظ ينفع لو بالعلم والحكم　　فالسيف ابلغ وعاظ على العقم
يارب صلّ وسلّم ما بدا وغدا　　بالسيف نصرالهدى والدين والشيم
على النبي نبي السيف هادينا　　بالمومنين رءوف سيد الاُمم [1]

مولانا شاہ محمد سراج الیقین لکھتے ہیں:

"آپ بھی اکابر اور مشاہیر علمائے ہندوستان میں ہیں۔ مدرسہ عالیہ دیوبند میں عرصہ دراز تک آپ کا درس تدریس جاری رہا۔ اکابر علماء آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ بھی حاجی صاحبؒ سے بیعت ہیں۔" [2]

امداد صابری لکھتے ہیں:

عالمانہ خودداری "نواب محمود علی خان آف چھتاری اکثر کہا کرتے کہ کسی طرح مولانا کو یہاں لاؤ۔ ایک مرتبہ امیر شاہ نے عرض کیا کہ حضرۃ! نواب صاحب کی بے حد خواہش ہے کہ آپ ایک مرتبہ چھتاری تشریف لائیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے پاس جاتا ہے تو نواب صاحب اس کو سو روپے دیتے ہیں۔ ہمیں نواب صاحب خود بلاتے ہیں اس لئے شاید دو سو دے دیں۔ سو دو سو روپے ہمارے کتنے دن کے ہوں گے۔ اس طرح ہم وہاں جا کر مولویت کے نام کو دھبہ نہیں لگائیں گے۔ (امیر الروایات ص۱۱۔ بحوالہ سیرت حاجی صاحب)

بزرگوں کی باہمی محبت ایک مرتبہ حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ عصر کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ پیچھے سے کسی نے کہا کہ مولوی صاحب آ گئے۔ حضرۃ گنگوہی نے مڑ کر دیکھا تو مولانا یعقوب صاحب تشریف لا رہے تھے۔ حضرۃ مصلے پر سے ہٹ گئے اور مولانا یعقوب سادگی

---

[1] مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی: سیرت یعقوب و مملوک: کراچی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء مکتبہ دار العلوم ص۲۱۶تا۲۱۹ (مکمل قصیدہ اسی کتاب میں مطالعہ کیا جائے)، [2] شاہ محمد سراج الیقین: شمس العارفین - لاہور - ص۶۹

کے ساتھ مصلے پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت گنگوہیؒ کی نظر مولانا کے قدموں پر پڑی تو پنڈلیوں پر غبار تھا حضرۃ گنگوہیؒ نے اپنے کرتے کے دامن سے مولانا کے پاؤں کا غبار جھاڑا" [1]

مولانا یعقوب اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ نے بڑا طویل خمسہ منظوم چشتیہ خاندان کا لکھا ہے، جس کے چند بند ملاحظہ ہوں۔ [2]

شیخ کو مسجد ہوے اور مغ کو بت خانہ نصیب　　کر طلب کا اپنی مجھ کو جوشِ مستانہ نصیب
خلق کو ہوتا ہے حج زیارت خانہ نصیب　　کر مجھے اپنی مدد سے حج مردانہ نصیب
حاجی امداد اللہ ذوالعطا کے واسطے

بس چھڑا دے نفسِ شیطاں سے الٰہی دل مرا　　کر مشرفِ عشقِ رحماں سے الٰہی دل مرا
پاک کر ظلمتِ عصیاں سے الٰہی دل مرا　　کر منور نورِ عرفاں سے الٰہی دل مرا
حضرۃ نور محمد پرضیا کے واسطے

دیوبند کے بانیوں میں اور برطانوی دورِ حکومت میں ہندوستان میں علومِ دین پھیلانے والوں میں مولانا قاسم نانوتویؒ کے ساتھ مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ مولانا یعقوبؒ دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس تھے۔ ہر اعتبار سے مولانا قاسمؒ کے دستِ راست تھے۔ ہم نسب، ہم مکتب اور ہم عصر اور ایک ہی پیر کے مرید تھے۔ مولانا یعقوبؒ کا تعلق علمی خاندان سے تھا۔ [3]

"حضرۃ مولانا محمد یعقوب نانوتوی ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ کو نانوتہ میں پیدا ہوئے منظور احمد

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید ج ۲ ص۱۹۳

[2] امداد صابری: سیرت حاجی صاحب: دہلی ۱۹۵۱ء ص۸۱ (بحوالہ ارشاد مرشد ص۵۶)

[3] " " : سیرت حاجی امداد اللہ: دہلی: " ص۶۵ (بحوالہ مرحوم دہلی کالج ص۱۵۴)

غلام حسین اور شمس الضحیٰ ان کے تاریخی نام ہیں۔

ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء میں حضرۃ مولانا مملوک علیؒ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ایک سال بعد تک دہلی میں قیام رہا۔ بعد ازاں اجمیر کے گورنمنٹ کالج میں ان کا تقرر ہو گیا... بعد ازاں آپ کو سو روپے ماہوار پر بنارس بھیجا گیا۔ وہاں سے ڈیڑھ سو روپے کی تنخواہ پر ڈپٹی انسپکٹر بنا کر سہارن پور میں تقرر ہوا۔ یہیں غدر کا واقعہ پیش آیا۔

۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں دیوبند تشریف لائے اور یہاں صدارتِ تدریس کی مسند پر فائز ہوئے دارالعلوم کے پہلے شیخ الحدیث تھے۔ ان کے فیضِ تعلیم و تربیت نے بہت سے ممتاز علماء پیدا کئے جو آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

حضرۃ مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ ہر فن میں ماہر ہونے کے علاوہ بہت بڑے صاحب باطن اور شیخِ کامل بھی تھے...... یہ حال تھا کہ تفسیر کا سبق ہو رہا ہے۔ آیات کا مطلب بیان فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نے حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے سلوک و معرفت کے مقامات طے کئے تھے۔ اکثر جذب و کیف کی حالت طاری رہتی تھی۔ دنیاوی علائق کی جانب مطلق توجہ نہ تھی۔ انہوں نے جو خطوط اپنے ایک مرید منشی محمد قاسم نیانگری کے نام لکھے ہیں وہ سلوک و معرفت کا مرقع اور حقائق تصوف کا دستور العمل ہیں۔ سالک کے لئے وہ ایک جامع ہدایت نامہ ہیں۔ ان خطوط کا مقصودِ حیات اتباعِ سُنّت اور اطاعتِ خداوندی ہے اور جیسے کہ آپ روحانی طبیب تھے، اسی طرح امراضِ ظاہری کا بھی علاج کرتے تھے۔

آپ نہایت خوش وضع، خوش خلق، خوش خو، خوش لہجہ و خوش گفتگو تھے۔ بڑے صاحب کمال و مکاشفات تھے۔ مولانا محمد یعقوبؒ شعر و شاعری سے ذوق رکھتے تھے۔ گمنام تخلص تھا۔ مولانا کا فارسی اور اردو کلام بیاضِ یعقوبی میں درج ہے۔ اشعار میں قدرتِ کلام کے ساتھ سوز و گداز اور

درد اثر پایا جاتا ہے۔ تصانیف میں تین رسالے ان کی یادگار ہیں۔

سوانح قاسمی۔ اگرچہ بہت مختصر سوانح حیات ہے مگر زبان و بیان اور حالات و واقعات کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے۔ ان کا دوسرا مجموعہ مکتوباتِ یعقوبی ہے جو ۴۴ خطوط پر مشتمل ہے۔ ان میں راہِ سلوک کی دشواریوں کا حل، مسائل شرعیہ کا ذکر اور طریقت و سلوک کا دستور العمل بیان کیا گیا ہے۔ تیسرا مجموعہ بیاضِ یعقوبی ہے۔ یہ سفرِ حج کے حالات، کتبِ احادیث کی اسانید، منظومات اور عملیات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ آخر میں طبی نسخے درج ہیں۔ حضرۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دونوں مجموعوں پر حسبِ ضرورت حواشی تحریر فرمائے ہیں۔[۱]"

علامہ حکیم سید عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: "شیخ بہت بڑے عالم، محدث یعقوب بن مملوک علی صدیقی حنفی نانوتوی ہند کے نامور اساتذہ میں سے تھے۔ ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھے پھر ۱۲۵۹ھ کو اپنے والد کے ہمراہ دہلی چلے گئے اور ان سے معقول و منقول کی کتابیں پڑھیں۔ پھر دہلی اور اجمیر میں درس و تدریس کی۔ ۱۲۷۷ھ میں حجاز کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ جب ہند واپس آئے تو مدرسہ عالیہ دیوبند میں تدریس کرنے لگے اور مدت العمر یہیں پڑھاتے رہے۔ ان سے استفادہ کرنے والوں کا کوئی شمار نہیں۔ دوبارہ ۱۲۹۴ھ میں حجاز کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں حضرۃ حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کی صحبت میں رہے۔ نامور اور ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔ فقہ، اصول، حدیث اور علم ادب (سب میں) مہارت حاصل تھا۔ شعری ذوق بھی تھی۔[۲]

مزار | نانوتہ میں باغ نو میں لبِ سڑک آپ کا مزار ہے۔"[۳]

۱۔ سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند: دہلی: ج ۲ ص ۱۶۱

۲۔ علامہ حکیم سید عبدالحی: نزہۃ الخواطر: کراچی ۱۹۷۶ء ج ۸ ص ۵۲۴ (عربی سے اردو)

۳۔ قاری فیوض الرحمٰن، مشاہیر علماء دیوبند: لاہور: ۱۹۷۶ء ج ۱ ص ۶۲۵۔

حضرت مولانا مُحب الدین ولایتیؒ

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا لکھتے ہیں:

"حضرۃ مولانا محب الدین صاحب ولایتی حضرۃ (حاجی صاحب) کے مجاز تھے اور بڑے صاحب کشف تھے۔ ایک دفعہ ان کو یہ خیال ہوا کہ حدیث میں ایسی نماز کی بڑی فضیلت آئی ہے جس کے لئے کامل وضو کیا جائے، پھر دو رکعت ایسی پڑھی جائیں کہ ان میں کوئی خیال نہ آئے۔ وہ عالم بھی تھے۔ انہوں نے دل میں کہا کہ افسوس ساری عمر میں ایسی دو رکعت بھی نصیب نہ ہوئیں۔ لاؤ دو رکعت تو کوشش کر کے ایسی ہی پڑھ لیں چنانچہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ خطرات کو روکنے کے لئے انہوں نے نماز میں آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں بند کرنے سے انہیں یکسوئی ہو گئی۔ پھر ہوس ہوئی کہ دیکھیں عالمِ مثال میں اس نماز کی شکل کیا ہو گی۔ متوجہ ہو کر دیکھا تو اس نماز کی صورت سامنے آئی۔ نہایت حسین و جمیل سر سے پاؤں تک آراستہ پیراستہ آنکھیں بھی نہایت خوبصورت لیکن غور سے جو دیکھا تو ان میں روشنی نہیں تھی۔ ان کو تعجب ہوا کہ اس نماز میں کونسی کسر رہ گئی۔

رفعِ تردد کے لئے حضرۃ حاجی صاحب کی خدمت میں واقعہ عرض کیا۔ گو انہوں نے تفصیل اس کی نہیں بیان کی تھی کہ اس طرح آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی تھی، صرف خلاصہ عرض کیا تھا کہ ایسی نماز خطرات سے خالی پڑھی تھی۔ حضرۃ نے سنتے ہی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم

نے دفعِ خطرات کے لئے آنکھیں بند کر لی ہوں گی؟ انہوں نے عرض کیا کہ "جی ہاں! آنکھیں تو میں نے ضرور بند کر لی تھیں تاکہ خطرات نہ پیدا ہوں۔ حضرۃ نے فرمایا کہ "چونکہ یہ سُنّت کے خلاف تھا اس لیے یہ صورتِ نقص دکھلائی گئی۔ اگر کھلی آنکھوں نماز پڑھتے تو خواہ کتنے ہی خطرات آتے وہ نماز چونکہ سُنّت کے موافق ہوتی، وہ زیادہ مقبول ہوتی"[1]

مولانا سید محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

"۱۳۲۸ھ میں حضرۃ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے پھر حج کا عزم فرمایا..... مکہ معظمہ حاضری ہوئی تو مولانا محب الدین[2] صاحب نے جلد ہندوستان جانے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ یہاں تو قیامت[3] آنے والی ہے"[4]

محب الدین البشاوری ۱۲۶۸ھ .....

محب الدین بن وحید الدین البشاوری، نزیل الشریف المکی. ولد ببلده سنة

محب الدین بن وحید الدین پشاوری نزیل حرم شریف مکی۔ اپنے شہر میں ۱۲۶۸ھ میں پیدا ہوئے

ثمان وستین ومائتین وألف، کما أخبرنی عن ذلك هو بنفسه. وقرء القرآن العظیم

جیسا کہ خود انہوں نے مجھے بتایا تھا۔ قرآن مجید پڑھا اور علم نحو صرف اور منطق کی تحصیل

واشتغل بطلب علم النحو والصرف والمنطق، ثم رحل الی بهوپال، لطلب باقی العلوم

میں مشغول ہو گئے۔ پھر بھوپال پہنچے تاکہ باقی علوم کی تکمیل کر سکیں۔ چنانچہ وہاں

---

[1] مولانا محمد زکریا: تاریخ مشائخ چشت، کراچی۔ ۱۳۹۰ھ: مجلس نشریات اسلام: ص ۲۵۴، ۲۵۵

[2] آپ حاجی (امداد اللہ مہاجر مکیؒ) کے ممتاز خلیفہ اور بڑے صاحب کشف و ادراک بزرگ تھے۔

[3] شریف حسین کی بغاوت اور نجدیوں کے حملہ کی طرف اشارہ ہے۔

[4] مولانا سید محمد ثانی حسنی: سوانح حضرۃ مولانا محمد یوسف کاندھلوی: لکھنؤ۔ ۱۹۶۷ء ص ۹۰

مولانا محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر: سہارنپور ج ۲ ص ۳۳ و آپ بیتی ج ۴ ص ۲۱۸

فاكملها هناك، فقرء على العلامة الشيخ المحدث حسين بن محسن عدة كتب
تکمیل کی۔ علامہ شیخ محدث حسین بن محسن سے چند کتابیں علم حدیث میں پڑھیں اور ان سے
فى الحديث، وتخرج به فيه، وقرء عليه وعلى غيره وكان يخرج فى الاثنا
فراغت حاصل کی۔ ان سے اور دیگر علماء سے پڑھ۔ اسی دوران ہند کے مختلف شہروں
منها، الى بعض بلاد الهند للقرأة والاستفادة، وأذن له مشائخه بأن
میں تعلیم او استفادہ کے لئے جاتے رہے۔ ان کے مشائخ نے روایت اور آگے تدریس
يدرس لما رأوا فيه من كمال الأهلية، فتوظف ثمة يدرس ويفيد، ثم قدم
کی ان کی اعلیٰ قابلیت کی بنا پر اجازت دی۔ کچھ عرصہ سلسلۂ درس میں ملازم رہے۔ پھر مکۂ مکرمہ
مكة المعظمة للحج سنة اربع وثلثمائة، وبعد ان أدى الفريضة توطن بها و
۱۳۰۴ھ میں حج کرنے کے لئے پہنچے اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد اس کو اپنا وطن بنا لیا
تزوج بها وأولد الأولاد ودرس بها وأفاد، ثم ترك الاشتغال
اور یہیں نکاح کیا اور صاحب اولاد ہو گئے۔ یہاں تدریس و افادہ کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر تدریس
بالتدريس، ولازم على تلاوة القرآن المجيد والأوراد بالمسجد الحرام ليلاً ونهاراً
چھوڑ کر صرف قرآن مجید کی تلاوت کی طرف توجہ کی اور ہر وقت دن رات تلاوت اور ورد وظیفہ کا شغل حرم
مواظباً على أداء الصلوات الخمس مع الجماعة، وعلى مطالعة كتب الحديث
پاک میں رکھا۔ پابندی سے پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ حرم پاک میں ادا کرتے تھے۔ کتب حدیث و تصوف
والتصوف كثير الطواف والطاعة" (۱) [1]
کا مطالعہ کرتے اور بہت زیادہ طواف کرنے والے اور اطاعت گزار تھے (عربی سے اردو)

[1] لم يذكر وفاته۔

[2] شیخ عبداللہ مرداد، المختصر: ج۲ ص ۳۵۰، ۳۵۱

مولانا عنایت اللہ مالویؒ

"مولانا عنایت اللہ مالوی — حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے اجل خلفاء میں تھے۔
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد المشتاق میں ایک سے زائد مقامات پر مولانا
کا ذکر کیا ہے۔ بمبئی میں قیام پذیر تھے، وہیں وصال ہوا۔ محدث گنگوہی (مولانا رشید احمد) نے اپنے آخری
سفر حج ذیقعدہ ۱۲۹۹ھ اکتوبر ۱۸۸۲ء کے موقع پر بھی بمبئی میں مولانا سے ملاقات کی تھی۔ مولانا عنایت اللہ
صاحب نے طویل عمر پا کر ۱۳۰۵ھ میں بمبئی میں وفات پائی۔ افسوس مولانا عنایت اللہ کے مفصل
حالات کہیں نہیں ملتے"[1]

مولانا نسیم احمد فریدی لکھتے ہیں:

"مولانا عنایت اللہ صدیقی سندیلویؒ — آپ بمبئی میں ریاست بھوپال کی جانب
سے امین الحجاج کی حیثیت سے مقیم تھے۔ اس وقت کے تمام اکابر آپ سے ملاقات اور مشورہ کر کے
حج بیت اللہ کا سفر کرتے تھے۔ حضرۃ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی امروہی مفسر و محدث آپ ہی کے
باکمال فرزند تھے۔ آپ کے حالات زیادہ معلوم نہ ہو سکے۔ اتنا معلوم ہوا کہ حضرۃ سید احمد شہید کی
جماعت مجاہدین سے آپ کا رابطہ تھا۔ ۱۳۰۵ھ میں طویل عمر پا کر بمبئی میں آپ کی وفات ہوئی"[2]

[1] نور الحسن راشد: تبرکات: کاندھلہ ۱۹۷۶ء صفحہ ۶۲

[2] نسیم احمد فریدی: جواہر پارے، الفرقان: لکھنؤ۔ اگست ۱۹۷۵ء ص۱۰

مولانا حکیم سید عبدالحی لکھتے ہیں:

الشیخ الفاضل عبدالرحمٰن بن عنایة اللّٰہ الحنفی البمبوی الامروهی احد العلماء المبرزین فی الفقه والحدیث ۔ (واصله من سندیله من أسرة ینتهی نسبها الی سیدنا أبی بکر الصدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه)

(شیخ فاضل عبدالرحمٰن بن عنایت اللہ حنفی بمبوی امروہی فقہ اور حدیث کے سرکردہ علماء میں سے تھے اور اصلاً سندیلہ کے تھے اور ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا سلسلہ نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ سے جا ملتا ہے۔)[1]

"مولانا عنایت اللہ سندیلوی ۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ سندیلہ آبائی وطن تھا۔ عالم شباب میں وطن کو خیرباد کہہ کر بمبئی میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں وہ ریاست بھوپال کی طرف سے محافظ حجاج تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی اور نواب صدیق حسن خان وغیرہم حج کو جاتے وقت ان کے ہاں ٹھہرتے تھے۔ ان کا ۱۳۰۵ھ میں بمبئی میں انتقال ہوا۔"

اولاد: تین فرزند مولوی عبداللہ، مولانا حافظ عبدالرحمٰن مفسر امروہی اور حافظ عبدالرحیم اور ایک دختر تھیں جو عبدالعزیز ساعتچی مکہ مکرمہ کے نکاح میں تھیں۔[2]

---

[1] مولانا حکیم سید عبدالحی، نزھۃ الخواطر، کراچی: ۱۹۷۶ء ج ۸ صفحہ ۲۴۳ (عربی سے اردو)

[2] قاری فیوض الرحمٰن، مشاہیر علماء دیوبند، لاہور: ۱۹۷۶ء ج ۱ صفحہ ۲۷۱ (حاشیہ)

مولانا قاضی محی الدین خان مرادآبادیؒ

حضرت نانوتویؒ کے مخصوص تلامذہ اور جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ ریاست بھوپال میں قضاۃ کے عہدے پر فائز رہے۔ روداد دارالعلوم میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ:

"جناب قاضی محی الدین خاں صاحب مرادآبادی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم قاسم العلوم والخیرات حضرۃ مولانا محمد قاسم قدس سرہٗ کے قدیم تلامذہ میں سے تھے اور حضرت نانوتویؒ کے مخصوص لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ عرصۂ دراز تک ریاست بھوپال کے عہدۂ قضاء پر فائز رہے۔ نہایت وقار اور حشمت کے ساتھ عمر پوری فرمائی۔"[1]

ان کے والد ماجد بہادر شاہ ظفر کے مصاحبین خاص میں تھے۔ حضرت نانوتویؒ سے ان کو ارادت حاصل تھی۔ حضرت نانوتویؒ نے شاملی کے معرکہ میں انہی کے ذریعے سے بہادر شاہ ظفر تک اپنی تجاویز پہنچائی تھیں۔ ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور آخر تک مجلس شوریٰ کو اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرماتے رہے۔ ۱۳۴۷ھ میں وفات پائی۔

---

[1] روداد دارالعلوم ۱۳۴۸ھ صفحہ ۵۔

قاضی مرتضیٰ حسین حیدرآبادیؒ

امداد صابری لکھتے ہیں: "قاضی مرتضیٰ حسین عاجز حیدرآباد دکن کے رہنے والے تھے۔ ان کا خاندان قاضیوں کا خاندان کہلاتا ہے۔ ان کے دادا علی حسین حیدرآباد دکن کے ایک مقام کے قاضی تھے۔ ان کے والد مولوی ارتضیٰ حسین ۱۲۷۰ھ میں مع خاندان کے مکہ معظمہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ محلہ شبیکہ میں سکونت اختیار کی ان کے والد ماجد حضرۃ حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ جب مکہ معظمہ میں یہ پہنچے تو اپنے صاحبزادے مرتضیٰ حسین کو بھی حضرۃ حاجی صاحب سے مرید کرایا۔ عاجز صاحب کا محبوب مشغلہ مثنوی شریف کا مطالعہ تھا یہ بھی حرم شریف میں حاجی صاحب کی مجلس میں روزانہ شرکت کرتے تھے، جس میں مثنوی شریف کا درس ہوتا تھا عاجز صاحب حرم شریف میں زیادہ وقت گذارتے تھے پیری مریدی[۱] کے ساتھ حکمت بھی کرتے تھے یہ سلسلہ صبح تین گھنٹے جاری رکھتے تھے جس سے ان کی معاشی حالت بہت اچھی ہوگئی تھی۔ ان کی والدہ اور والد مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔

قاضی مرتضیٰ حسین شاعر بھی تھے اور مولوی حبیب الرحمٰن کاظمی لکھنوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ان کو جہاں اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب سے عقیدت تھی وہاں اپنے استاد مولوی حبیب الرحمٰن سے بھی محبت تھی۔ روزانہ ہر دو بزرگوں کے ہاں حاضری دیتے تھے۔

۱؎۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو بیعت کرنے کی اجازت تھی۔ تبھی تو پیری مریدی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔

ان کا انتقال یکم رمضان ۱۳۲۲ھ کو مکہ معظمہ میں ہوا۔ ان کے جنازے کی نماز میں علماء اور ہندوستانی مہاجرین نے بہت بڑی تعداد میں شرکت کی۔"[۱]

۱؎۔ امداد صابری: تذکرہ شعرائے حجاز اردو: دہلی۔ بلا تاریخ ص ۲۹۰، ۲۹۱

مولانا حکیم ضیاء الدین بن غلام محی الدین رامپوریؒ

ان کے جد امجد عہد اکبری میں سہارنپور آکر آباد ہوئے، پھر رامپور آگئے تھے۔ وہیں ۲۷ رمضان ۱۲۴۲ھ / ۲۵ اپریل ۱۸۲۷ء میں حکیم ضیاء الدین کی پیدائش ہوئی۔ حکیم صاحب بلند پایہ عالم اور حاذق طبیب تھے۔ ان کے محدثِ گنگوہی سے بچپن سے بہت دوستانہ اور بے تکلف روابط تھے۔ محدث گنگوہی ۱۸۵۷ء میں وارنٹ جاری ہوجانے پر گنگوہ سے رامپور آکر حکیم صاحب کے مکان میں روپوش ہوئے تھے۔ وہیں سے حکیم احمد امیر بخش کی مخبری پر گرفتار ہوئے۔

حکیم صاحب نے حضرۃ حافظ ضامن شہید سے بیعت ہوکر استفادہ باطنی کیا اور خلافت حاصل کی۔ ہمیشہ حافظ صاحب شہید کے ساتھ تھانہ بھون رہے۔ حافظ صاحب نے وصیت کی تھی کہ تھانہ بھون کو وطن نہ بنانا۔ رامپور یا کاندھلہ میں قیام کرنا۔ رامپور کو ترجیح ہے۔ اس لئے حضرۃ کی شہادت کے بعد رامپور آگئے تھے۔ یہاں آکر پیر و مرشد کے حالات میں ایک رسالہ "مونس مہجوراں" کے نام سے لکھا اور اس کا ایک نسخہ حضرۃ حاجی صاحب کو مکہ مکرمہ بھیجا تو حاجی صاحب نے تحریر فرمایا:

"رسالہ کہ در حالات حضرۃ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نوشتہ آید رسید۔ از مطالعش بسیار خوش شدم۔ از حرفش بوئے محبتِ پیراں می آید، خدائے تعالیٰ قبول فرمائید"

یہ نسخہ کتب خانہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں محفوظ ہے۔

حکیم صاحب کو حضرۃ حاجی صاحب سے بھی اجازت حاصل تھی۔

حکیم صاحب ۱۳۰۵ھ سے ۱۳۱۲ھ تک دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ حکیم صاحب کے نام حضرۃ حاجی صاحب کے سولہ گرامی نامے امداد المشتاق کا جزء ہیں

۲۰ رمضان (بظاہر ۱۳۱۲ھ) میں وفات پائی۔

محدث گنگوہی ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"البتہ ایک نیا حادثہ واقع ہوا کہ حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری نے ۲۰ رمضان کو اس دنیا سے انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اور ان کی مفارقت سے ہم کو سخت رنج ہے۔"[۱]

"حکیم ضیاء الدین صاحب رام پور منہیاراں ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے حضرۃ حافظ ضامن شہیدؒ سے بیعت تھے۔ بعد میں حضرۃ حاجی صاحب سے اصلاح کا تعلق پیدا کیا اور ان کے خلیفہ مجاز ہوگئے۔ دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر رہے ہیں۔"[۲]

۱۔ نور الحسن راشد: تبرکات: کاندھلہ: ۱۹۷۶ء ص ۴۸ تا ۵۰

۲۔ مولانا نسیم احمد فریدی: جواہر پارے: الفرقان: لکھنؤ: ۱۹۷۶ء ص ۲ (حاشیہ)

سیّد ابوالقاسم ہنسوی فتحپوریؒ

"سید ابوالقاسم بن عبدالعزیز بن سراج الدین حسینی ہنسوی فتحپوری نیک علماء میں سے تھے۔ ۵ ربیع الاول ۱۲۷۵ھ کو نصیر آباد میں پیدا ہوئے۔ علم اور مشیخت کے گہوارہ میں تربیت پائی۔ اپنے چچا سید عبدالسلام نقشبندی کی خدمت میں رہ کر ان سے علم اور معرفت کا درس لیا۔ شیخ عبدالرحمٰن بن محمد پانی پتی محدث، شیخ امین الدین کھنتوی اور سید ضیاء النبی بن سعید الدین حسنی بریلوی اور جناب والد فخر الدین حسنی سے حدیث کی اسناد حاصل کیں۔

نہایت صالح اور پاکباز تھے۔ حلم اور تواضع اور اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ مطالعہ اور تالیف و تصنیف کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ شیخ علامہ رشید احمد گنگوہی کے ساتھ بڑے تعلقات اور خط و کتابت کا سلسلہ تھا۔ حضرۃ حاجی امداد اللہ کے ساتھ بھی تعلق تھا۔ اسلافِ کرام کے مآثر سے بڑا لگاؤ تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے فرزند عبدالعزیز اور شیخ محمد عاشق پھلتی کے رسائل و مکتوبات جمع کیے۔ شیخ ابوسعید بن محمد ضیاء کے مکتوبات مکتوب العارف کے نام سے جمع کیے۔ مؤلفات میں نور علی نور۔ یہ سیرۃ کی کتاب سرور المحزون کا ترجمہ ہے اور شاہ ولی اللہ محدث کی کتاب ہے۔ عرض مخلصاں، شعلہ جاں سوز، ماشا السلام برکاتِ احمدیہ اور مجموعہ فتاویٰ سب اردو میں ہیں۔

۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ/۱۲ مارچ ۱۹۱۱ء کو وفات ہوئی اور اپنے چچا

عبدالسلام کے پہلو میں دفن کیے گئے[1]

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرۃ حاجی (امداد اللہ صاحب) سے مراسلت رکھتے تھے۔ ان دونوں حضرات کے ان کے نام بہت سے خطوط ہیں جو خاندانی مرقعہ میں موجود ہیں۔ حضرۃ حاجی صاحب نے طرق اربعہ میں اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی۔ عمدہ علمی اور تاریخی مذاق رکھتے تھے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ/ ۱۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو بروز دوشنبہ انتقال کیا[2]

ان کی تاریخ ولادت ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۸ء ہے۔

---

[1] - مولانا حکیم عبدالحی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد - ۱۹۷۰ء ج ۸ صفحہ ۱۱ (عربی سے اردو)

[2] - مولانا ابوالحسن علی ندوی: حیات عبدالحی: ندوۃ المصنفین دہلی - نومبر ۱۹۷۰ء صفحہ ۹۰-۹۱ حاشیہ

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

آپ ۱۹ر شوال ۱۲۹۶ھ/ ۱۶ر اکتوبر ۱۸۷۹ء میں بانگرمئو ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید حبیب اللہ صاحب وہاں ایک اردو مڈل سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے اس لئے متعلقین کے ساتھ ان کا قیام وہیں تھا۔ تقریباً تین سال کے تھے کہ آپ کے والد صاحب نے اپنا تبادلہ بانگرمئو سے اپنے وطن ٹانڈہ کرا لیا۔ اس کے بعد بارہ سال کی عمر تک وہیں رہے اور وہاں رہ کر ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے دو بھائی مولانا محمد صدیق صاحب اور مولانا سید احمد صاحب پہلے سے زیر تعلیم تھے۔ ۱۳ سال کی عمر میں صفر ۱۳۰۹ھ میں والد محترم نے آپ کو مزید تعلیم کے خیال سے دیوبند بھیج دیا۔ دیوبند کی فضا راس آئی اور کھیل کود کا کسی قدر شغلہ جو وطن میں تھا سب چھوڑ چھاڑ یکسوئی سے تعلیم میں لگ گئے۔ اپنی محنت اور شوق پھر بھائیوں کی نگرانی اور اساتذہ کی توجہ سے تعلیم و تعلم سے مکمل رغبت و مناسبت ہو گئی۔ دیگر اساتذہ کے علاوہ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے لطف و کرم اور توجہ کے خصوصی مرکز رہے۔ حضرۃ شیخ الہند کے پاس اگرچہ اونچے درجے کی کتابیں تھیں مگر انہوں نے آپ کو بعض ابتدائی اور متوسطات کتب بھی پڑھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرۃ شیخ الہند (مولانا محمود حسن) سے غایت درجہ تعلق اور انس تھا۔

شعبان ۱۳۱۶ھ میں آپ کے والد صاحب نے بارادہ ہجرت مدینہ منورہ کا قصد سفر فرمایا اور اپنے تینوں صاحبزادوں کو بھی ساتھ لے جانا چاہا۔ چنانچہ شعبان میں تینوں بھائی دارالعلوم سے

رخصت ہو کر گھر آ گئے۔ الوداع کہنے والوں میں خود حضرۃ شیخ الہندؒ بھی تھے جو اسٹیشن تک پیدل ساتھ ساتھ تشریف لائے اور تاکید کے ساتھ مشورہ دیا کہ تدریس سے غافل نہ ہونا خواہ ایک ہی دو طالب علموں کو پڑھاؤ۔ چنانچہ مدینہ منورہ پہنچنے پر استاد کے حسب ہدایت تعلیم دیتے رہے۔ عربی بولنے پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے قدرے پریشانی کا سامنا ہوا۔ اسی لئے ابتداءً حلقۂ درس مختصر رہا، مگر جلد ہی اس پر قابو پا لیا اور حلقۂ درس وسیع ہونے لگا۔ یہاں تک کہ عرب و ہند کے علاوہ متعدد دوسرے اسلامی ممالک کے بھی طلبہ اور شائقین علم شریک درس رہنے لگے۔ چنانچہ آپ نے سالہا سال تک مدینہ منورہ میں درس دیا۔ اس دوران متعدد بار ہندوستان بھی آنا ہوا، مگر مدینہ منورہ کا تعلق یکسر منقطع نہ ہوا۔[1]

۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں جب حضرۃ شیخ الہند حج و زیارت کا شوق اور کچھ سیاسی عزائم لے کر حجاز پہنچے تو اس وقت مولانا حسین احمد صاحب مدینہ منورہ ہی میں قیام پذیر تھے۔ حج سے فارغ ہو کر حضرۃ شیخ الہند جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ہی کے دولت خانہ پر مقیم رہے۔[2]

یہاں تک کہ دوسرے حج کے بعد حضرۃ شیخ الہند کی گرفتاری کا واقعہ پیش آیا۔ مولانا حسین احمد صاحب کو حضرۃ شیخ الہند سے غایت درجہ تعلق اور انس تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کے باوجود کہ آپ کی گرفتاری کا حکم نہ تھا، محض حضرۃ شیخ الہند کی معیت و صحبت کی خاطر آپ نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا[3] اور پوری مدت اسارت میں ساتھ رہے یہاں تک کہ ۲۰ر رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۸ر جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہونچ کر آپ سب حضرات کو رہا کیا گیا۔[4]

۱۔ اقبال حسن خان: محمود حسن: (مقالہ برائے پی ایچ ڈی علیگڑھ) ص۳۸۵ و نقش حیات ج۱ ص۱۲۹
۲۔ . . . . ص۳۸۹ و اسیر مالٹا ص۲۹
۳۔ مولانا سید اصغر حسین: حیات شیخ الہند ص۹۲ ۴۔ مولانا سید حسین احمد: نقش حیات ج۲ ص۲۳۵

حضرۃ شیخ الہند کے شاگردوں میں یوں تو بہت سے صاحب علم و تقویٰ بزرگ ہوئے لیکن آپ کے جملہ کمالات علمی اور مشاغل سیاسی کی تمام خصوصیات مولانا سید حسین احمد مدنی میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جمع فرما دی تھیں اس اعتبار سے مولانا حسین احمد مدنی صاحب حضرۃ شیخ الہند کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔ اسارت مالٹا سے کچھ قبل حضرۃ شیخ الہند نے اپنے عزائم سے آپ کو باخبر کیا۔ اس سے پہلے آپ شیخ الہند کے سیاسی عزائم سے ناواقف تھے، چنانچہ اسی وقت سے تہ دل سے ساتھ ہو گئے اور مالٹا سے واپسی کے بعد سے آخر دم تک شیخ الہند کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ دار العلوم دیوبند میں خدمت تدریس کے باوجود سیاسی مصروفیات سے کنارہ کشی کی نوبت نہ آئی۔

سیاسی زندگی کی ابتدا شیخ الہند کی صحبت سے ہوئی۔ مالٹا سے واپسی کے بعد کانگریس کے بھی ممبر بنے اور تاحیات مجمع البحرین بنے رہے۔ آپ ہی کی کوششوں سے کانگریس اور جمعیۃ میں گہرا ربط و تعلق پیدا ہوا جو آج تک باقی ہے۔

تحریک آزادی ہند میں آپ کی خدمات انتہائی قابل قدر ہیں، جن کی پاداش میں انگریزی حکومت کی نظر عتاب کے مستحق بنے رہے اور بار بار قید و بند کی مصیبتوں میں بھی مبتلا ہوئے۔ آخر زندگی تک درس و تدریس کی انتہائی مشغولیت و مصروفیت کے باوجود سیاسی راہبری کے فرائض بھی انجام دیتے رہے اور مختلف جلسہ جلوس اور کانفرنسوں میں بھی شرکت فرماتے رہے۔ حضرۃ شیخ الہند کے وصال کے بعد آپ کی تحریک کو حلقہ دیوبند میں سے مولانا موصوف ہی نے زندہ رکھا۔ مزاج و مذاق کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص سے انتہائی خوش دلی کا معاملہ فرماتے اور بڑی بات یہ تھی کہ مولویانہ تقشف سے کوسوں دور تھے۔ خانگی زندگی میں بڑے ہی نفیس الطبع اور باذوق واقع ہوئے تھے۔[۱]

---

[۱] ۔ رشید الوحیدی: مرتب محمد طفیل: رسالہ نقوش شخصیات نمبر صفحہ ۱۱۶۹ ۔ ۱۱۷۳

۱۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو وفات پائی اور استاد محترم کے قریب ہی آسودۂ خاک ہوئے۔[۱]

اعجاز احمد سنگھانوی لکھتے ہیں:

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ گیارہ بجے شب بروز منگل قصبہ بانگر مئو ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام چراغ محمد ہے آبائی وطن موضع الہ داد پور تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔ اس زمانہ میں حضرۃ مدنیؒ کے والد صاحب قصبہ بانگر مئو میں اردو مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور کئی سال سے مع متعلقین وہاں مقیم تھے۔ ابتدائی پرورش بانگر مئو میں ہوئی۔

آپ حسینی سید ہیں۔ آپ کا خاندان انیس پشت پیشتر ہندوستان میں آیا۔ والد ماجد حضرۃ سید حبیب اللہ صاحب حضرۃ مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کے خلیفہ راشد تھے۔ حضرۃ کی والدہ محترمہ پابند شریعت، بڑی صابر اور قانع خاتون تھیں۔ وہ حضرۃ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے بیعت تھیں۔ باوجود کثیر الاولاد ہونے کے وہ ہمیشہ شب خیز اور تہجد گزار تھیں۔ اخیر شب میں اٹھ کر صبح تک ذکر و شغل مناجات وغیرہ میں مشغول رہتی تھیں۔ ان کا اخیر تک معمول رہا کہ روزانہ دو سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کرتی تھیں۔ امور خانہ داری میں اخیر تک نہایت جفاکش تھیں۔ ان کی محبت اولاد سے عاقلانہ تھی اور انہوں نے اولاد کو تعلیم کے لئے جدا کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ چار سال کی عمر میں والدہ کے پاس قاعدہ بغدادی اور اس کے بعد سپارہ پڑھنا شروع کر دیا۔ پانچویں پارہ تک والدہ محترمہ نے اور پانچ سے اخیر تک والد نے قرآن شریف ناظرہ پڑھایا۔ اس کے

---

[۱] ۔ اقبال حسن خاں: مولانا محمود حسن: صفحہ ۲۹۰

ساتھ ساتھ اسکول میں تحریر واملا، شکست لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا۔ آپ نے صفر ۱۳۰۹ھ سے شعبان ۱۳۱۶ھ تک دیوبند میں قیام کیا اور مندرجہ ذیل اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔

۱۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ

۲۔ مولانا ذوالفقار علی صاحب (والد ماجد حضرۃ شیخ الہند)

۳۔ مولانا عبدالعلی صاحب استاذ دارالعلوم

۴۔ مولانا خلیل احمد صاحب استاذ دارالعلوم

۵۔ مولانا حکیم محمد حسن صاحب " "

۶۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم

۷۔ مولانا غلام رسول بغوی صاحب " "

۸۔ مولانا منفعت علی صاحب

۹۔ مولانا حافظ احمد صاحب

۱۰۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

۱۱۔ مولانا محمد صدیق (برادر کلاں حضرۃ مدنی)

۱۲۔ مولانا شیخ آفندی عبدالجلیل برادہ۔

آپ نے اعلیٰ ترین نمبروں سے ہمیشہ امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔ صرف سات سال میں جملہ علوم متداولہ سے فارغ ہو کر حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہو گئے۔

ہجرت حضرۃ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کا ایک سو پانچ برس کی عمر میں ۱۲؍ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ بروز جمعہ وصال ہو گیا جس کا حضرۃ مدنی کے والدین پر بہت زیادہ اثر ہوا اور ایک عرصہ تک شیخ کی جدائی میں بہت زیادہ مغموم رہا کیے۔ اسی دوران میں مولوی سید احمد صاحب خلف ثانی نے لکھ دیا کہ "اب ہندوستان رہنے کی جگہ نہیں، اب تو مدینہ چل دیجئے۔ یہ کلمات ایسے موثر واقع ہوئے کہ بر وقت یہ دھن لگ گئی کہ تمام گھرانہ کو لے کر وہیں چلنا چاہیے چنانچہ مع تمام اولاد وغیرہ کے شیخ مدنی کے والد عازم حجاز ہو گئے۔"[1]

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"ایک جامع فضائل ہستی کے بارہ میں یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے کہ اس کے

---

[1] اعجاز احمد سنگھانوی: سوانح حیات مدنیؒ: کراچی۔ ۱۹۷۳ء ص ۵ تا ۰

فضائل و کمالات میں مرکزی اور نمایاں صفت، کون سی ہے، جس کو اس شخصیت کی کلید قرار دیا جائے اور جس سے اس کی زندگی اور خصوصیات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ مولانا کو بہت سے لوگ ایک عالم اور محدّث کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایک شیخ طریقت اور سالک کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایک سیاسی رہنما اور مجاہد کی حیثیت سے جانتے ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو ان سب فضائل سے آراستہ کیا ہے لیکن میری کوتاہ نظر میں دو صفتیں آپ کی زندگی میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں، جنھوں نے آپ کو اپنے معاصرین میں ممتاز بنایا ہے۔ ایک عزیمت دوسرے حمیت۔ عزیمت کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ آپ نے علماء اور اہلِ درس کے حلقہ سے باہر قدم نکالا اور اس مسئلہ کی طرف توجہ کی جو وقت کا اہم مسئلہ تھا اور عین انگریزی حکومت کے عروج کے زمانہ میں اعلانِ حق کر کے "کلمۃ حق عند سلطان جائر" کے افضل جہاد کا شرف حاصل کیا۔ مالٹا میں اسیری کے دن گذارے اور ہندوستان کی جیلوں میں مہینوں رہ کر سُنّتِ یوسفی ادا کی اور دنیا کی عظیم ترین سلطنت کے مقابلہ میں برسوں سینہ سپر رہے، یہاں تک کہ آپ کا مقصد پورا ہوا۔ پھر یہ عزیمت آپ کی پوری زندگی میں نمایاں ہے۔ فرائض کی ادائیگی، نوافل و مستحبات کی محافظت، مخالف ماحول میں معمولات کی پابندی اس زمانہ میں بڑی استقامت ہے۔ وعدوں کے ایفاء، دور دراز کے جلسوں اور اجتماعات میں شرکت اور اس کے لئے ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کرنا مستقل عزیمت ہے پھر اس کے ساتھ دارالحدیث کے اسباق کی پابندی اور کتابوں کی تکمیل ایک مستقل مجاہدہ، مہمانوں کی میزبانی اور مختلف الطبائع اشخاص کے ساتھ معاملہ اور ان کی مزاجی خصوصیات تحمل مستقل جہاد، پھر مریدوں کی تربیت اور نگرانی کثیر التعداد خطوط کا جواب دینا اور سب اس ضعف و پیری اور مصروفیت میں یہ سب آپ کی غیر معمولی عزیمت اور علو ہمت کی دلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں اِنّ اللہ یحب معالی الامور و یکرہ سفسافھا پر عمل کر کے دکھا دیا۔

حمیت آپ کی کتابِ زندگی کا روشن عنوان ہے، اسی حمیت نے انگریزوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا کیا جس کی آسودگی اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک انگریز اس ملک سے چلے نہیں گئے۔ تحریکِ خلافت اور جمعیۃ علماء کی جدوجہد میں یہی روح کام کرتی رہی تھی اور یہی آپ کو سدا جوان، مستعد، سرگرم رکھے ہوئے تھی اور اسی نے سینکڑوں، ہزاروں آدمیوں کو متحرک بنا رکھا تھا، یہی حمیت تھی جس نے آپ سے مہینوں دشمنِ اسلام طاقتوں کے خلاف قنوتِ نازلہ اس جوش و ولولہ کے ساتھ پڑھوائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ محراب میں شگاف پڑ جائیں گے اور الفاظ نہیں ہیں بلکہ شرارے ہیں جو آپ کے دل سے نکل رہے ہیں، یہی حمیت ہے جو کسی منکرِ شرعی اور خلافِ سنت فعل کو اب دیکھنے کے روادار نہ تھی اور جس کی حرارت اور آنچ آس پاس بیٹھنے والوں کو اکثر محسوس ہوتی جن لوگوں نے آپ کے اس جذبہ کو پہچان لیا اور سمجھ گئے کہ حمیت آپ میں کس قدر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ بعض اوقات اس سے غلط فائدہ اٹھا لیتے۔ اسی طرح مولانا کی شرافت و مروت سے جو آبائی ورثہ اور سادات کرام کا شیوہ ہے، بہت سے لوگ غلط فائدہ اٹھا کر آپ کے مخلص محبین اور نیاز مندوں کے لئے شرمندگی کا باعث بنتے اور اپنی اغراض برآری کر کے اپنی ہوشیاری اور موقع پرستی کا ثبوت دیتے اور مولانا کی ذات کو نقصان پہنچاتے۔

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ علمی و سیاسی حیثیت سے جس قدر بلند ہوں مجھے اس سے انکار نہیں۔ لکھنے والے ان گوشوں پر لکھیں گے لیکن میرے ناقص خیال میں ان کی جو حیثیت سب سے زیادہ روشن، ممتاز اور مسلم تھی وہ ان کی انسانی بلندی ہے۔

علمی دنیا ممتاز شخصیتوں، وسیع النظر اور متبحر عالموں سے خالی نہیں۔ ان کے سیاسی خیالات سے اختلاف کی گنجائش ہے۔ انہوں نے اپنی بلند نظری سے ملک کی آزادی سے جو توقعات قائم کی تھیں اور اپنی فطری شرافت اور نفس کی پاکیزگی سے اس ملک کی اکثریت کے متعلق جو اندازے لگائے تھے، وہ کہاں تک صحیح ثابت ہوئے اور ان کی زبان، کلچر، مذہبی تعلیم اور پرسنل لاء کے تحفظ کے

بارے میں (جس کی کانگریس کے منشور اور ہندوستان کے دستور نے ضمانت کی تھی) آخری عمر میں جو مایوسی ہوئی اور ان کو اپنی سیاسی جدوجہد کے رفیقوں اور جن کے ساتھیوں کے متعلق (صاحبِ اختیار و اقتدار ہو جانے کے بعد) جو تلخ اور دل شکن تجربے ہوئے آج ان کو خواہ زبان پر نہ لایا جائے، مگر آنے والے مؤرخ کے قلم کو ان کے اظہار سے روکا نہیں جا سکتا۔ مگر جو چیز ہر شک و شبہ اور بحث و نزاع اور ہر اختلاف سے بالاتر ہے وہ ان کی بلند سیرت، پاکیزہ شخصیت، بے غرض جدوجہد، بے داغ زندگی اور مکارمِ اخلاق ہیں جنہوں نے ان کی ذات کو کھرا سونا اور سچا موتی بنا دیا تھا اور ان کو اخلاقی و طبعی بلندی کے اس مقام پر پہونچا دیا تھا جس کے متعلق مدینہ اول کے عرب شاعر نے کہا ہے۔

هجان الحی کالذهب المصفّٰی   صبیحة دیمة یجنیه جان

(قبیلہ کے شریف سردار ایسے کھرے سونے کی طرح ہیں جو کسی بارش کی صبح کو زمین سے اٹھا لیا جائے اور صاف کر لیا جائے)

اس راقم سطور کو مولانا کو بہت قریب سے دیکھنے اور مختلف حالات میں دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ تقریباً ۱۹۲۰ء سے برادرِ معظم ڈاکٹر مولوی سید عبد العلی کی بدولت ہمارے لکھنؤ کے مکان کو مولانا کی فرودگاہ بننے کا شرف حاصل ہے، دیوبند کے ابتدائی طویل قیام اور بعد کے منتشر قیام میں مولانا کی زندگی، معمولات اور مزاجی خصوصیات نظر میں رہے۔

سیر و تراجم کے ذوق و مطالعہ پھر خصوصیت کے ساتھ والد صاحب مولانا حکیم سید عبد الحی ناظم ندوۃ العلماء کی جلیل القدر تصنیف یا کتب خانہ "نزہۃ الخواطر" کی آٹھ ضخیم جلدوں کے بار بار مطالعہ و خدمت

نے شخصیتوں کو غور سے دیکھنے اور ان کی خصوصیات و اخلاق کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے اور ان کو اسلاف کے معیار پر جانچنے کی عادت پیدا کر دی۔ اس نقطۂ نظر اور اس افتادِ طبع کے ساتھ جب مولانا کو دیکھا، انسانیت و آدمیت، شرافت و سیادت اور اخلاق و کردار کی بڑی بلندی پر پایا اور اسی چیز نے مولانا کی بلندی کا نقش دل و دماغ پر ایسا قائم کیا کہ جب کبھی ذہن و ذوق نے ان کے کسی سیاسی خیال یا کسی علمی تحقیق و رجحان کا پورا پورا ساتھ دینے

ظرف عطا فرمایا تھا الید العلیا خیر من الید السفلی پر ساری زندگی عمل رہا۔ وہ بہت کم دوسروں کے ممنون ہوئے اور انہوں نے ایک عالم کو ممنون کیا۔ ان کا مہمان خانہ ہندوستان کے وسیع ترین مہمان خانوں اور ان کا دسترخوان ہندوستان کے وسیع ترین دسترخوانوں میں تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا قلب اس سے بھی زیادہ وسیع تھا۔ بعض واقفین کا اندازہ ہے کہ پچاس مہمانوں کا روزانہ اوسط تھا، پھر اس میں ہر طبقہ اور ہر حیثیت کے لوگ ہوتے تھے۔ مولانا کی بشاشت، انشراح، مستعدی اور اہتمام بتلاتا تھا کہ ان کو کس قدر قلبی مسرت اور روحانی لذت حاصل ہو رہی ہے۔

ضیافت و مہمان نوازی اور اطعام طعام ان کی روحانی غذا اور طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی۔ پھر مہمانوں کے ساتھ جس تواضع اور انکسار اور جس اعزاز و احترام کے ساتھ پیش آتے تھے اس کو دیکھ کر قدیم عرب شاعر کا یہ شعر بے اختیار یاد آتا تھا۔

وَاِنّی لعبد الضیف مادام نازلاً
وَما شیمة لی غیرها تشبه العبدا

(میں مہمانوں کا غلام ہوں جب تک وہ میرے گھر مہمان رہے اور زندگی کا یہی ایک موقع ہے جس میں میں غلام معلوم ہوتا ہوں) صرف میزبانی اور مہمانی نہیں ہر موقع پر وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کا ہاتھ اونچا رہے اور استفادہ کے بجائے ان کو نفع و افادہ کا موقع ملے۔ اگر کسی نے ذرا سا بھی ان کے ساتھ سلوک کر دیا اور کسی موقع پر کوئی خدمت انجام دی ہے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس فکر میں رہتے تھے کہ اس کے ساتھ کوئی سلوک کریں اور اس کے حق کو ادا کر دیں۔ ہم نے اہل بیت کرام کی سخاوت و شہامت و حوصلہ مندی کے جو واقعات پڑھے ہیں ان کا پرتو مولانا کی زندگی اور ان کے بعض معاصرین کبار کے اخلاق میں پایا۔

کمال و شہامت خلق کے ساتھ اپنے نفس سے بدگمانی، اپنے نقص کا استحضار و اعلان انسانیت کی بلندی کی دلیل اور اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان نفس امارہ کی گرفت اور خود فریبی

جنہوں نے اپنی پچھلی سیاسی زندگی اور قربانیوں کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ قیمت وصول نہیں کی اور وقت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یہاں تک کہ جب ان کو جمہوریہ ہند کی طرف سے سب سے بڑا اعزازی خطاب عطا کیا گیا تو انہوں نے اس کو قبول کرنے سے صاف معذرت کر دی۔ اگرچہ ان کی طبعی تواضع و انکسار نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ یہ ان کے اسلاف کرام کے شیوہ و مسلک کے خلاف ہے مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ اپنے دامنِ اخلاص پر خفیف سے خفیف داغ بھی گوارہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے اس فیصلہ نے ایک بار پھر اس حقیقت کا اظہار کر دیا۔ ع

کہ عنقا را بلند است آشیانہ

نہ صرف سیاسی جدوجہد بلکہ انہوں نے اپنے کسی جوہر، کسی کمال کسی متاع اور کسی ہنر کی کوئی قیمت نہیں لی۔

انسانی بلندی کے ایک دوسرے معیار خُذِ العفوَ وَاْمُرْ بالعُرْفِ واعرض عن الجاھلین اور ادفع بالتی ھی احسن پر عمل کرنے اور دشمنوں سے نہ صرف درگزر کرنے بلکہ ان کو نفع پہنچانے اور ان کے حق میں دعائے خیر کو وظیفہ بنانے میں مولانا فرد فرید تھے۔

مولانا خاندانی یا ذاتی حیثیت سے کوئی رئیس و متمول شخص نہ تھے۔ مگر اللہ نے ان کو بادشاہوں کا سا حوصلہ اور ظرف (خدا مجھے معاف کرے) اہل اللہ اور نائبین انبیاء کا سا حوصلہ اور

سے معذرت کی اور وہ اس کو قبول نہ کر سکا، ان کی انسانی و اخلاقی بلندی اور ان کی شخصیت کی دل آویزی آڑے آئی اور دیکھا تو عقیدت و محبت میں کوئی کمی نہ تھی۔

مولانا کو انسانی بلندی کے اعلیٰ معیاروں پر پورا پایا۔ اخلاص و بے غرضی ان کی زندگی کا جوہر اور ان کے تمام اعمال و مساعی و سرگرمیوں کا محرک تھا۔ جس طرح بعض غیر مخلصین کے لیے کسی حالت اور کسی کام میں بھی مخلص بننا مشکل ہے۔ عدمِ اخلاص اور غرض پرستی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح ان مخلصین کے لیے جن کی سرشت میں اللہ نے اخلاص رکھا ہے، غیر مخلص بننا ناممکن ہوتا ہے۔ ان کی فطرت غیر اختیاری طریقہ پر اخلاص کی طرف چلتی ہے۔ وہ عمل جس کے اغراض کے ماتحت کرنے کا رواج عام ہوتا ہے، وہ بھی اغراض سے بالاتر پوری ذہنی یکسوئی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں مولانا نے جو سرفروشانہ اور قائدانہ حصہ لیا اور اس راستہ میں انہوں نے جو مصائب اور تکلیفیں برداشت کیں، انہیں صرف انگریزوں کا (جن کو وہ اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے) بغرض ہندوستان کو آزاد کرانے اور اس کی آزادی سے ممالکِ اسلامیہ کے آزاد ہونے کی سبیل پیدا کرنے اور اس سب کے علاوہ اور شاید سب کے برابر اپنے اسلاف اور بزرگوں بالخصوص اپنے مربی و محبوب حضرۃ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے اتباع و اطاعت کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ کسی مادی منفعت اور ذاتی مصلحت کا تصور اور خطرہ بھی شاید ان کے دل میں نہ آتا ہو۔ چنانچہ جب ہندوستان آزاد ہو گیا اور ملک میں حکومت خود اختیاری قائم ہوئی تو وہ اپنے اصلی کام (درس و تدریس اور تزکیہ و ارشاد) میں ایسے مصروف اور سیاسی جد و جہد کے میدان سے ایسے کنارہ کش ہو گئے، جیسے ان کا کام ختم ہو چکا ہو۔ صفِ اول کے قائدین میں میرے خیال میں تنہا وہ ایک شخص تھے

اور خود پرستی سے بلند ہو گیا ہے۔ یہ صفت مولانا کی زندگی میں بہت نمایاں تھی اور یہ ان کا حال تھا قال نہ تھا۔

مولانا اپنے نام نامی کے ساتھ ہمیشہ "ننگِ اسلاف" لکھا کرتے تھے۔ بعض ناخداترس اخبار نویسوں نے اس کا مذاق بھی اڑایا مگر ان کے جاننے والے اور ان سے قریب رہنے والے جانتے ہیں کہ کسی کے لیے اس طرح کے القاب و اوصاف ایک رسم اور تکلف ہوں گے لیکن مولانا کا اپنے متعلق یہ عقیدہ تھا اور اس میں کوئی تصنع کا شائبہ نہ تھا۔ وہ دل سے اپنے کو "ننگِ اسلاف" سمجھتے تھے، حالانکہ اللہ نے ان کو ہر طرح سے اپنے اسلافِ کرام کا جانشین اور نعم الخلف لنعم السلف کا مصداق بنایا تھا۔

اس لقب کے علاوہ وہ اکثر ایسے اشعار بڑے درد سے پڑھتے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ مولانا اپنے وجود سے بڑے شرمندہ ہیں اور اپنے کو کسی قابل نہیں سمجھتے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ میں مولانا کے ہاتھ دھلا رہا تھا۔ یہ شعر بڑے درد و حسرت سے پڑھ رہے تھے ؎

ذهب الذين يُعاش في اكنافهم
بقي الذين حياتهم لا تنفع

(وہ لوگ تو چلے گئے جن کے سایہ میں زندگی گزر جاتی تھی وہ لوگ رہ گئے جن کی زندگی کچھ کارآمد نہیں)

اکثر وہ یہ شعر پڑھتے تھے ؎

نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم
در حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت ما را

مولانا کی وفات سے علم و سیاست کی بزم میں جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا افسوس کرنے والے اور اس خلا کو محسوس کرنے والے بہت ہیں لیکن اخلاق و انسانیت کی صفِ اولین اور شہ نشین میں جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا احساس کرنے والے شاید کم ہیں۔ شاید اس لئے کہ انسانیت کو کوئی ایسا مرتبہ نہیں سمجھا جاتا کہ کسی بزرگ یا عالم کو اس معیار سے جانچا جائے اور کسی "مردِ کامل" کے اٹھ جانے سے کوئی خلا محسوس کیا جائے۔ مگر میرے نزدیک آدمیت کے اس قحط اور انسانیت و انحطاط عام کے

اس دور میں مولانا مدنیؒ کا سانحۂ وفات ایک بڑا اخلاقی خسارہ اور انسانی حادثہ ہے۔ ع

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے [1]

اس سال ۱۳۷۷ھ کے عظیم ترین اور روح فرسا حوادث میں سب سے بڑا حادثہ جو دارالعلوم ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلامی کے لئے حادثۂ کبریٰ تھا وہ حضرۃ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی وفات حسرت آیات کا تھا۔ حضرۃ مولانا مدنیؒ نے طویل علالت کے بعد ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ (۵ دسمبر ۱۹۵۷ء) کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ حضرۃ مولانا مدنیؒ کی شخصیت دارالعلوم کے لئے نہ صرف صدر المدرسین کی تھی بلکہ وہ دارالعلوم کے سرپرست اور مربی بھی تھے۔ ان کے ظاہری اور باطنی فیوض سے دارالعلوم کے اساتذہ، کارکن اور طلبہ سب ہی بہرہ ور تھے۔ ۳۱ سال تک آپ نے دارالعلوم کے شیخ الحدیث کی حیثیت سے علم حدیث اور دارالعلوم کے نظام تعلیم کی بے نظیر خدمات انجام دیں اور ہزاروں تشنگانِ علوم آپ کے دریائے علم و معرفت سے سیراب ہوئے۔ ۴۸۲۴ طلبہ نے آپ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ حضرۃ مولانا مدنیؒ اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، اخلاق و کمالات علمی و دینی اور سیاسی و اجتماعی خدمات کے لحاظ سے ایک بے نظیر شخصیت رکھتے تھے۔ اس لئے پورے عالمِ اسلامی میں اس حادثۂ کبریٰ کو محسوس کیا گیا۔ حضرۃ مولانا نور اللہ مرقدہٗ اپنے استادِ جلیل حضرۃ شیخ الہند قدس سرہٗ کے برابر قبرستان قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔[2]"

صوفیانہ مسلک آپ قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ پھر جب ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ حضرۃ گنگوہیؒ کی طلب پر واپس آئے اور خلافت سے نوازے

---

[1] مولانا سید ابوالحسن ندوی: پرانے چراغ: لکھنؤ ۱۹۷۵ء ص ۲۶ تا ۱۱۶ (سے اقتباس)

[2] مولانا سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند: دہلی: ج اول ص ۲۵۰، ۲۵۱

گئے۔ آپ کو حضرۃ حاجی صاحبؒ سے بھی اجازت حاصل تھی[1]۔ آپ نے سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں بھی بہت بڑا کام کیا۔ جن خوش نصیبوں نے آپ سے منازل سلوک کی تکمیل کر کے خلافت حاصل کی ان کی تعداد ۱۶۷ ہے۔"

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:

"آپ مولانا محمد صدیق صاحب کے حقیقی برادرِ خورد ہیں۔ بڑے بھائی کے ساتھ دیوبند میں علومِ شرعیہ کی تکمیل کی اور اپنے والد صاحب کے ارادۂ ہجرت پر ۱۳۱۶ھ میں حضرت سے بیعت ہو کر والد صاحب اور برادران کے ہمراہ جدِّ امجد کے بلدہ میں اقامت اختیار کی۔ مکہ معظمہ پہنچ کر حسبِ اجازت امامِ ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ اعلیٰ حضرۃ حاجی صاحب سے رجوع کیا اور اذکار تعلیم فرمودہ قطب العالم پر بھی بہت تمام کاربند رہے۔ اس زمانہ میں جو کچھ واردات عجیبہ و کیفیات غریبہ ظاہر ہوئیں ان کی اطلاع گنگوہ میں آستانہ علیہ پر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۳۱۸ھ میں حضرۃ کا والا نامہ پہنچا کہ "چند روز کے واسطے گنگوہ آ کر مجھ سے مل جاتے تو بہتر ہوتا۔" اس فرمان والا شان پر مطلوب بن کر باوجود تنگدستی و بے سروسامانی کے مراجعت ہندوستان کا تہیہ کر دیا۔ باپ کا باقتضائے محبت جی چاہا کہ بھائیوں میں ایک رفیقِ سفر ہوتا تو اچھا تھا۔ چھوٹے بھائی مولوی سید احمد صاحب جوان کے دو چار مہینہ آگے پیچھے سلسلۂ خدام میں داخل ہوئے تھے غلبۂ شوق کے سبب فرضی ضروریات ذاتی و خانگی قائم کر کے باپ سے ہمراہی برادر کی اجازت بھی لے چکے مگر قدرت کو منظور ہی کچھ اور تھا۔ بڑے بھائی مولانا محمد صدیق صاحب در پردہ خفیہ انتظام کر کے چھپ کر چند روز پہلے روانہ بھی ہو لئے جس کی اطلاع بارہ گھنٹہ کے بعد قریب مغرب ہوئی۔ مجبوراً مولوی سید احمد صاحب کو ارادہ فسخ کرنا پڑا اور مولوی حسین احمد صاحب تنہا روانہ

---

[1] مولانا انوار الحسن شیرکوٹی: الجمعیۃ مدنی نمبر ص ۹۳

ہوتے جدہ میں دونوں بھائی مل گئے اور حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر گنگوہ پہنچے۔ چند روز گزرے تھے کہ امام ربانی نے اپنا ایک ایک جوڑا یعنی ملبوس کورتہ اور پاجامہ دونوں کو عطا فرمایا۔ چونکہ اس میں ٹوپی یا عمامہ نہ تھا اس لئے دونوں میں سے کسی صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ "ارشاد ہو تو ہم خدام اپنا اپنا عمامہ حاضر کریں، اپنے دستِ مبارک سے عطا فرما دیا جائے"۔ یہ سن کر حضرۃ نے سکوت فرمایا اور بمقتضائے ادب دونوں بھائی عطیہ قطب العالم کو سر آنکھوں پر رکھ کر شکریہ ادا کرتے اٹھ گئے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد دونوں صاحب بلائے گئے اور حکم ہوا اپنے اپنے عمامے لے آؤ اور جب دونوں صاحبوں نے اپنے عمامے حاضر کئے تو حضرۃ امام ربانی نے اپنے دستِ مبارک سے دونوں کے سروں پر باندھ کر یوں ارشاد فرمایا کہ "کچھ جانتے بھی ہو کہ یہ کیا ہے؟" مولوی محمد صدیق صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ "دستارِ فضیلت"! ارشاد ہوا کہ "دستارِ خلافت،" امام ربانی کی قولی و فعلی خلافت کے مجموعہ کی مثال میں آپ کے خلفاء کے اندر صرف یہی دو حضرات پیش کئے جا سکتے ہیں جن کے کمالات علمیہ و عملیہ اسی سے ظاہر ہیں کہ مدنی مہاجر اور بطحائی پیغمبر کے پڑوسی ہیں۔ مولانا حسین احمد صاحب کا درس حرم نبوی میں بحمد اللہ بہت عروج پر ہے اور عزت و جاہ بھی حق تعالیٰ نے وہ عطا فرمایا ہے کہ ہندی علماء کو کیا معنی یمنی و شامی بلکہ مدنی علماء کو بھی، وہ بات حاصل نہیں۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ آپ سراپا خلق، مہمان نواز، غیور، باحیا اور بعض ان صفات حمیدہ سے متصف ہیں، جن پر دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔[1]

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں:

"آپ دار العلوم دیوبند کے پانچویں صدر المدرسین تھے حضرت شیخ الہند کے مخصوص

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید: میرٹھ، ص ۱۵۸، ۵۹؛

تلامذہ میں سے تھے۔ علم و فضل کے ساتھ غیر معمولی مقبولیت رکھتے تھے حضرۃ گنگوہیؒ کے خلفاء مجازین میں سے تھے۔ علم سے فراغت کے بعد اپنے والد مرحوم کے ساتھ ۱۳۱۶ھ میں مدینہ طیبہ پہنچے اور اٹھارہ سال مدینہ منورہ میں رہ کر مختلف علوم و فنون اور بالخصوص حدیث شریف کا درس دیا۔ زندگی کمال زہد و قناعت کی تھی جو کمال صبر و تحمل سے اس مدت میں بسر ہوئی۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ۱۳۱۸ھ میں ہندوستان تشریف لائے پھر ۱۳۲۰ھ میں واپس تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۷ھ میں دار العلوم میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۲۹ھ تک درس دیا۔ پھر اسی سال مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۵ھ میں حضرۃ شیخ الہندؒ کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور اسی سال اکابر کے حکم سے جامعہ اسلامیہ امروہہ میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں۔ پھر ۱۳۳۹ھ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس رہے۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ۱۳۳۹ھ میں ہی جامعہ اسلامیہ سلہٹ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا۔ سلہٹ میں آپ ۱۳۴۵ھ تک قیام پذیر رہے۔ حضرۃ علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے ڈابھیل تشریف لے جانے پر آپ شوال ۱۳۴۵ھ میں دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس بنائے گئے۔ آپ بڑے درجہ کے محدث تھے۔ حدیث کے مشہور اسکالر تھے۔ آپ کا درس حدیث بہت مقبول تھا۔ کئی تصانیف فرمائیں، جو سیاست اور تصوف پر ہیں۔ ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۷ھ تک بتیس برس دار العلوم میں صدر مدرس اور ناظم تعلیمات رہے۔ اس دوران میں ۴۴۸۳ طلبہ نے آپ سے بخاری اور ترمذی پڑھ کر دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ آپ ان تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ اپنی ہمت مردانہ سے سیاسی کام بھی پوری تندہی سے انجام دیتے رہے۔ اسی دوران میں آپ جمعیۃ علماء ہند کے بار بار صدر بنائے گئے۔ آپ جمعیۃ العلماء اور کانگریس کے قائدین میں سے تھے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں نمایاں حصہ لیا اور سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ کئی مرتبہ جیل گئے اور آخر کار ملک کو آزاد کرایا۔ بہر حال مجموعی حیثیت سے

آپ عالم، فاضل، شیخِ وقت، مجاہد، جفاکش، جری اور اولوالعزم فضلاءِ دارالعلوم دیوبند میں سے تھے۔[1]"

وصال | ۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ/۵؍دسمبر ۱۹۵۷ء بروز جمعرات بعد دوپہر آپ کا دیوبند میں وصال ہوا۔ اس وقت عمر ۸۰ سال ۲ ماہ ۴۴ دن قمری حساب سے تھی۔ جنازہ کی نماز میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔ نمازِ جنازہ شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد زکریا صاحب نے پڑھائی۔ مقبرۂ قاسمی میں تدفین ہوئی۔"

مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں:

"كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ، آہ! کیونکر کہئے کہ فلک علم و فضل کا آفتابِ درخشندہ غروب ہوگیا۔ بزم انس و تقدس کی شمع فروزاں گل ہوئی۔ درجِ تقویٰ، طہارت کا لعلِ شب چراغ گم ہوگیا۔ شریعت و طریقت کے اسرار و رموز کا محرم جاتا رہا۔ اخلاق و مکارمِ اسلامی کے ایوان میں خاک اڑنے لگی۔ جو کل تک لاکھوں انسانوں کے لئے طبیب عیسیٰ نفس تھا خود وہ موت کی آغوش میں جا سویا۔ ملت بیضا کا سہارا، فرزندانِ توحید کی امیدوں کا مرجع، پیروانِ دین محمدی کی تمناؤں کا مرکز راہیِ ملک عدم ہوگیا۔ یعنی حضرۃ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے ۵؍دسمبر کو بمقام دیوبند سہ پہر میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرۃ مولانا کی وفات ایک فرد، ایک شخص، ایک انسان کی موت نہیں ہے بلکہ ایک خاص دور، ایک عہد اور حیات ملی کے صحیفہ کے ایک باب کا اختتام ہے۔ حضرۃ مولانا گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے جو چمن لگایا تھا، مولانا اس چمن کی آخری بہار تھے۔ حضرۃ حاجی امداد اللہ اور مولانا نانوتوی نے شریعت و طریقت، علم و عمل اور تقدس و طہارت

[1] مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دہلی ۱۹۶۵ء، ص ۹۵-۹۶

کی جو بزم سجائی تھی اجل کی باد صرصر اس کے چراغ بجھاتی رہی مگر ساتھ ہی چراغ سے چراغ بھی روشن ہوتے رہے اور بزم کبھی تاریک نہیں ہوئی لیکن اب اس بزم کا آخری چراغ بجھ گیا۔ روشنی کی جگہ ظلمت نے لے لی، تاریکی چھاگئی اور بزم کی بساط الٹ گئی۔

اسلام میں اعلیٰ اور مکمل زندگی کا تصور یہ ہے کہ تزکیۂ نفس اور تصفیہ باطن کے ساتھ فکر و نظر کی بلندی اور جہد و عمل میں پختگی اور ہمہ گیری ہو اور یہ سب کچھ تعلق باللہ کے واسطہ سے ہو۔ مولانا اس دور میں اس معیار پر جس طرح پورے اترتے تھے ہند و پاک تو کیا پورے عالم اسلام میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ علم و فضل کا یہ عالم کہ اسرار و غوامض، شریعت و طریقت ہر وقت ذہن میں مستحضر۔ کسی سائل نے کوئی مسئلہ پوچھا نہیں کہ معلومات کا سمندر ابلنے لگا۔ چنانچہ حضرۃ مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی طرح حضرۃ مولانا کے مکتوبات بھی کئی جلدوں میں چھپ چکے ہیں اور جو سب کے سب بے ساختہ اور قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں، علم و فضل اور حکمت ربانی کا گنجینہ ہیں۔ علوم شریعت و تصوف کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ اور سیاسیات کا خاص ذوق اور ان کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ بین الاقوامی سیاسیات حاضرہ اور علی الخصوص مشرق وسطیٰ اور ممالک عربیہ کی سیاسیات پر بڑی گہری اور مبصرانہ نظر رکھتے تھے۔ گزشتہ سال کلکتہ میں ناگا قبائل کا تذکرہ آگیا تو مولانا نے ان قبائل کی تاریخ اور ان کی جغرافیائی پوزیشن پر اس قدر عالمانہ اور مبصرانہ تقریر کی کہ سننے والے حیران رہ گئے۔ عربی زبان خالص عربی لب و لہجہ میں بولتے اور گھنٹوں اس میں برجستہ تقریر کر سکتے تھے۔ ترکی زبان سے واقف اور مگدھی زبان سے آشنا تھے۔ اس زبان کے بعض گیت اور اشعار یاد تھے۔ سلوک و معرفت میں یہ حال تھا کہ لاکھوں مسلمانوں نے تجلیہ باطن کا فیض حاصل کیا اور روحانی مقدمات طے کئے۔ مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ نے ایک مرتبہ عالمِ جذب میں مولوی ظہیر الحسن ایم اے کاندھلوی مرحوم سے خود ان کے مکان پر فرمایا کہ "میاں ظہیر! لوگوں نے مولانا حسین احمد کو پہچانا نہیں۔ خدا کی قسم ان کی روحانی طاقت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ اگر وہ اس

طاقت سے کام لے کر انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکالنا چاہیں تو نکال سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ عالم اسباب ہے اس لئے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور اس غرض کے لئے ان کو وہی طریقے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا، جو اس وقت دنیا میں برتے جاتے ہیں۔

جدوعمل کے میدان میں مولانا کی زندگی سرتاپا ارباب عزیمت کی زندگی تھی۔ مالٹا کی اسارت سے لے کر ملک کی آزادی کے حصول تک یہ زندگی جو ورع اور تقدس کی مکمل آئینہ دار تھی ہمیشہ دار و رسن کے خطرات سے کھیلتی رہی۔ مصائب و آلام اور شدائد و محن کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر ان کا مذاق اڑاتی رہی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مکتب خیال کے ایک فرد فرید ہونے کی حیثیت سے اپنے مرشد حضرۃ شیخ الہند کے ساتھ مولانا نے حریت و استخلاص وطن کی راہ میں دار و رسن کو اس وقت لبیک کہا جب کہ ابھی کانگریس کی زبان کامل آزادی کے لفظ سے آشنا بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس راہ میں طوفان آئے، زلزلے آئے، بجلیاں کوندیں، بگولے اٹھے، کوہ آتش فشاں پھٹ پڑے لیکن یہ مرد حق آگاہ حق پرست اپنے مقام پر کھڑا رہا اور اس کے پائے ثبات و استقلال میں ذرا جنبش نہ ہوئی۔ سیاسیات میں اس درجہ عملی انہماک و توغل کے باوصف جس کا مقصد وحید بھی دین قیم کا احیا اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا ظواہر شریعت میں تقشف اور سخت گیری کا یہ عالم تھا کہ اس مجلس نکاح میں شرکت نہیں فرماتے تھے جس میں عام رسم و رواج کے مطابق دھوم دھڑکا، شاندار دعوت، مسرفانہ رسوم اور مہر حضرۃ فاطمہ سے زیادہ مہر باندھا جاتا ہو۔ اگر حسن ظن کی بنا پر کسی ایسی مجلس میں شریک ہو بھی گئے تو جونہی کوئی ایسی بات علم میں آئی فوراً سخت غیظ و غضب کے ساتھ مجلس سے اٹھ کر چلے آئے۔ نشست و برخاست، کھانا پینا، وضع قطع، ہر چیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن عادیہ تک کا اتباع کرتے اور دوسروں کو اس کی تلقین کرتے تھے۔ دینی و ملی معاملات کے علاوہ نجی زندگی میں حد درجہ خوش مذاق، خندہ جبین اور شگفتہ طبع تھے۔ مہمان نوازی کی یہ کیفیت تھی کہ دونوں وقت کھانے پر اوسطاً پندرہ بیس لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ان کو کھلا کر قلبی راحت اور سکون محسوس کرتے تھے۔

متواضع اور منکسر المزاج اس درجہ کہ بس عجز و تواضع اور انکسار کا اس سے بڑھ کر تصور ہی نہیں ہو سکتا اس سلسلہ میں مولانا کے بعض واقعات ایسے ہیں کہ قلم کو ان کا ذکر کرتے ہوئے بھی حجاب آتا ہے۔

مولانا جامعیت، کمالات و اوصاف کے اعتبار سے بلا شبہ شیخ العرب والعجم تھے، وہ خود تو ۸۲ برس کی عمر میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے جس کے لئے کم و بیش پانچ ماہ سے ان کی روح ہر وقت بے چین اور مضطرب تھی، لیکن عالم اسلام یتیم ہو گیا۔ مولانا کی وفات ملت بیضا کے لئے ایک سخت اور عظیم حادثہ ہے جس کی تلافی کی بظاہر مستقبل قریب میں کوئی امید نہیں۔ نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ"[1]

پروفیسر عبدالقیوم لکھتے ہیں

"شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی برصغیر کے ممتاز عالم دین اور مؤرخ تھے۔ ۱۸۷۸ء/ ۱۲۹۶ھ میں ضلع فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا سید حبیب اللہ ایک نیک صوفی تھے۔ ابتدائی تعلیم بھی انہی سے حاصل کی اور علوم کی تکمیل اپنے بھائی مولانا صدیق احمد اور شیخ الہند محمود الحسن سے دار العلوم میں کی۔ آپ ایک مدت تک حرم نبوی میں اور دار العلوم دیوبند میں حدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید تھے۔ ۱۹۵۰ء/ ۱۲۷۷ھ میں وفات پائی[2]۔"

پروفیسر صاحب موصوف میرے قابل احترام استاذ ہیں محقق ہیں مگر اس اقتباس میں حضرۃ مدنی کی تاریخ ولادت و وفات کا اندراج درست نہیں ہے۔ البتہ اسلامی ۱۲۹۶ھ کی ولادت اور ۱۳۷۷ھ کی وفات درست ہیں۔ مولانا سید حسین احمد مدنی ۱۹ر شوال ۱۲۹۶ھ/ ۶ر اکتوبر ۱۸۷۹ء کو بانگرمئو

---

[1] مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے۔ نظرات۔ برہان۔ دہلی۔ دسمبر ۱۹۵۷ء ص ۳۲۲، ۳۲۳

[2] پروفیسر عبدالقیوم: تاریخ ادبیات۔ جامعہ پنجاب لاہور۔ ۱۹۷۲ء ج ۲ ص ۱۲۰، ۱۲۱

(آپ کی ولادت بانگرمئو میں ہوئی تھی نہ کہ ضلع فیض آباد میں۔ سال وفات ۱۹۵۷ء ہے)

ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے[1] اور ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو وصال ہوا۔[2]

آپ کے وصال پر پاکستان کے ممتاز عالمِ دین ، محدّث ، ادیب اور شاعر علاّمہ سید محمد یوسف البنوری رحمہ اللہؒ نے عربی زبان میں ایک مرثیہ لکھا جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

---

[1] - مولانا حسین احمد مدنی: نقشِ حیات - حصہ اول ص۹ دالجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص۸

[2] - احمد سعید اکبرآبادی: برہان: دسمبر ۱۹۵۷ء (نظرات) ص۲

مرثیہ

شیخ الاسلام العارف باللہ شیخ العصر مولانا حسین احمد المدنیؒ

حار الفواد و دمع العین قد سکبا	اذجاء نانبأٌ للعقل مستلبا
نعی الامام الذی فاق الانام علی	من لانظیر لہٗ فی الدھر قد ذھبا
خطب عظیم دھا الاسلام زعزعہ	رزء کبیر فما للصبر مجتلبا
قضی الحیاۃ الذی تحی القلوب بہ	قضی الحیاۃ ملاذ القوم والنجبا
من کان یطفی لھیب النار لحظتہٗ	من کان یسلی عمید القلب مضطربا
من کان یروی غلیل الوجہ زورتہٗ	من کان یشفی علیلاً ھائماً دصبا
من کان یملی صریر العیش صحبتہٗ	من کان یجلی ظلام اللیل اذ وقبا
من کان یتلو کتاب اللہ فی دلج	من کان یسھر للتحدیث منتصبا
حسین احمد غیث القوم نجمتہم	فی أرض ھند معین الفیض قد نضبا
حنادس الزیغ من ارشادہ محیت	والشمس تکشف من اشراقہا الحجبا
منابر الوعظ من تذکیرہ حلیت	من فیضہ قد جلا الأوہام والریبا
معاھد العلم من تدریسہ نضرت	والغیث ینبت بالفیضان مجتدبا
مرابع الرشد من ارشادہ عمرت	والبدر یجلو الدجی من کل ما احتجبا
محافل الساسۃ الاخیار زینہا	بالفکر للدین فی رفع اللوا رغبا
أین الجبین الذی سیما السجود بہ	کأنہ البدر اذ یبدو فوا عجبا
أین العظیم الذی فی الدھر ھمتہٗ	تعلقت بالثریا جاوز القطبا
أین الکمال الذی تعی الجبال بہ	این الجمال الذی یعلو بہ شھبا

من للمفاخر أو من للمعاشر أو … من للمكارم والأخلاق منتدبا
من للشريعة او من للطريقة أو … من للحقيقة والعرفان منتسبا
من للنزاهة أو من للتقىٰ مثلاً … حلو الشمائل بالاخلاص محتسبا
من للطائف والتاريخ راويةً … من للمواعظ والارشاد منتصبا
من للسياسة او من للقيادة أو … من للهداية فينا حائز رتبا
أوصافه الغر اضحت فى الورىٰ مثلا … تلك المآثر قد شاعت فلا كذبا
فالصبر والعزم والتقوىٰ وهمته … من يستطيع لامثال لها طلبا
كم من مصائب دهر خاض غمرتها … كم من ليال لها قد بات مضطربا
أضحت مغانيه بعد الانس موحشة … قد ضاق روض المنى من بعد ما رحبا
شيخ عجائبه لم تبق فى سمن … ولا عجائب شخص بعده عجبا
تلك الحديقة للعرفان قد ذبلت … فكل من جاء بعد الشيخ قد تعبا
تكدرت بعده الدنيا وساكنها … فالعين عبرى وأضحى القلب منتحبا
والنفس فى عدم الروح فى مكمه … والطرف فى سهد والصبر قد نهبا
يا قلب دع هذه الدنيا وبهجتها … فما قضىٰ احد شوقا ولا اربا
الله يبقىٰ دواما سرمدا أبدا … والكل يفنى بها والموت قد قربا
يا رب أنزل عليه صوب غادية … من فيض رحمتك الهطلاء والسحبا
وارزقه فى جنات الفردوس منزلة … عليا، قد جاوزت من كل ما احتسبا

ثم الصلوٰة علىٰ خير الورىٰ أبدًا
ما ناح طير بغصن البين وانتحبا

له علامہ محمد یوسف بنوری: مرثیہ، برہان (ماہنامہ) دہلی، جنوری ۱۹۵۸ء ص ۶۱-۶۲

حضرت حاجی محمد انور دیوبندیؒ

یہ حضرت سید محمد عابد دیوبندی کے خلیفہ اور بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے اور بعض کے خیال کے مطابق یہ اپنے شیخ سے بڑھے ہوئے تھے۔ حج سے واپس آنے کے بعد ان پر سُکر کی سی کیفیت غالب رہتی تھی۔ اپنی چیزیں لوگوں کو مفت دے دیتے تھے۔ کھانے پکوا کر لوگوں میں تقسیم کرتے رہتے تھے اور لوگ انہیں جنون میں مبتلا سمجھتے تھے۔ اسی عرصہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا دیوبند جانا ہوا اور آپ (حضرت تھانوی) انہیں ملنے تشریف لے گئے اہل اللہ کے سامنے یہ سنگ و خشت اور گوشت کی دیواریں کبھی حائل نہیں ہوا کرتیں۔ انہوں نے فوراً تاڑ لیا کہ وہ بھی صاحب اسرار ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ میں آپ سے ایک راز کی بات کہتا ہوں جو میں نے آج تک کسی پر ظاہر نہیں کی اور نہ آپ میری زندگی میں یہ راز کسی پر فاش کریں چنانچہ حضرت تھانوی نے ان کی وفات کے بعد وہ بات بتا دی۔ وہ فرماتے تھے کہ

"میں نے حرم شریف میں بعض عجیب چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ جو میری حالت ہے یہ انہی حضرات کی نظر کا اثر ہے۔"[له]

له منشی عبدالرحمٰن: سیرت اشرف: لاہور: فروری ۱۹۷۷ء ج ۱: ص ۱۱۹-۱۲۰

حضرت مولانا قاضی محمد اسماعیل منگلوریؒ

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں:

"حضرۃ مولانا قاضی محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ منگلوری جو صاحب سلسلہ اور نہایت پایہ کے بزرگوں میں سے تھے دارالعلوم کے قیام کے سلسلہ میں ان کے مکاشفات بھی تھے جن کا ظہور قیام دارالعلوم کی صورت میں ہوا۔ اس لیے آپ بھی اسلاف دارالعلوم ہی میں شمار کئے جاتے ہیں"[1]

آپ شیخ محمد صاحب فاروقی اور حاجی صاحبؒ (خلیفہ مجاز حضرۃ میاں جی نور محمد) کے خلیفہ تھے[2]

۱۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دیوبند: کراچی ۱۹۷۲ء: ص ۹۲
۲۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند: کراچی ص ۹۴

مولانا حکیم حافظ محمد یوسف تھانویؒ

آپ حضرۃ حافظ محمد ضامن شہیدؒ کے فرزند ہیں۔ حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے مخصوص خلفاء میں سے تھے۔ حاجی صاحبؒ نے ضیاء القلوب ان ہی کی فرمائش پر لکھی تھی۔ حافظ صاحب ابتداءً الور میں ملازم تھے اور ریاست بھوپال میں تحصیلدار بھی رہے۔ حافظ صاحب اپنے والد بزرگوار کی طرح بہت ظریف و خوش طبع اور صاحب تصرف و کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ان کی وفات کا قصہ بھی عجیب ہے۔ عصر کی نماز میں تکبیر ہو رہی تھی۔ صف سے آگے کو منہ نکال کر فرمایا کہ "ارے محمود! ہماری بات یاد رکھنا! کل کو ہمیں سفر میں جانا ہے"۔ وہ سمجھے کہ گنگوہ یا جھنجھانہ جانا ہو گا۔ اگلے روز حافظ صاحب نے گنگوہ، تھانہ بھون، جھنجھانہ، دیوبند وغیرہ خطوط تحریر فرمائے کہ آج سفر کا ارادہ ہے۔ لوگ سمجھے کہ اکثر قرب و جوار میں جاتے رہتے ہیں ممکن ہے کہ بھوپال کا ارادہ ہو یا کسی قریب جگہ کا۔ دوسرے دن عصر کی نماز جماعت سے پڑھی اور مسجد کے صحن کے سامنے ایک چارپائی پڑی تھی اور اس پر اکثر لیٹا بھی کرتے تھے۔ وہاں پہنچ کر کرتا نکالا، صرف لنگی بندھی ہوئی تھی۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹ گئے اور یہ جا وہ جا۔ نمازی مسجد سے نکل کر محل حویلی تک پہنچے بھی نہ تھے کہ مسجد کا مؤذن بھاگا ہوا گیا کہ چلو حافظ جی کو دیکھو کیا ہوا، سب واپس آئے تو دیکھا کہ حضرۃ حافظ صاحب ابدی سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔[1]

۱۔ مولانا حافظ محمد زکریا، آپ بیتی: لاہور: ص ۵۳، ۵۴ و تبرکات ص ۵۲، ۵۳

مولانا سید امیر حمزہؒ

"آپ نجیب الطرفین سید تھے۔ آپ کے خاندان کے بزرگ حضرۃ جہانیاں جہاں گشت اور حضرۃ سید جلال بخاریؒ تھے۔ آپ کے والد ماجد صوفی منش سید امیر شاہ صاحبؒ تھے۔ جن کی صحبت و نصیحت سے بہت سے بدقماش لوگ نیک و پارسا بن گئے تھے۔ ان کی دیانتداری اور تقویٰ کی دھوم تھی۔

آپ نے اوائل عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور فارسی کی کتابیں پڑھ لی تھیں۔ سرکاری سکول سے مڈل پاس کیا۔ اس کے بعد آپ کی طبیعت عربی تعلیم پر مائل ہو گئی۔ آپ کانپور پہنچے تو مولانا عبدالحق اور مولانا فضل اللہ صاحب لکھنوی فرنگی محل سے ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۰۰ھ میں مولوی عبدالحلیم بحر العلوم سے سلسلۂ تعلیم شروع کیا۔ ۱۳۰۲ھ میں آپ گنگوہ تشریف لے گئے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے علم حدیث حاصل کر کے سند لی۔ اس کے بعد حضرۃ مولانا شاہ امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں علم باطنی حاصل کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ چند سال ہندو کالج کے پروفیسر رہے۔ کچھ عرصہ آپ نے فرنگی محل میں درس و تدریس کا سلسلہ بحیثیت ملازم کے قائم رکھا۔ مگر اول سے آزاد طبیعت تھے، بھلا نوکری کی قید کب برداشت کرتے گھر بیٹھے درس و تدریس کا مشغلہ رکھا۔ بہت سے علماء آپ کے شاگرد تھے جو بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہوئے۔ سلسلہ پیری مریدی بھی جاری تھا۔

۶۰ سال کی عمر، مابین عصر و مغرب بروز پنجشنبہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ میں رحلت فرمائی۔ عربی، فارسی اور اردو کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔

آپ کے دو صاحبزادے ہیں۔ مولانا ناصر جلالی صاحب اور مولانا سید حامد جلالی صاحب اوّل الذکر فارسی اور عربی کے قادر الکلام شاعر اور ادیب ہیں۔ سحر البیان واعظ ہیں۔ بہت سے اخبارات اور رسائل دہلی اور حیدرآباد سندہ سے نکالے اور شائع کئے۔ خلافت اور کانگریس کی تحریکوں کے بانیوں میں اس کے روح رواں رہے، سرگرم حصہ لیا۔ دیہاتوں اور شہروں میں انقلابی سپرٹ پیدا کی۔ مولانا محمد علیؒ کے ہمراہ کانگریس کو خیرباد کہا اور مسلم لیگ میں صاف طور پر کھلم کھلا شامل ہو گئے۔ بہت سی زحمتیں اٹھائیں، ماریں کھائیں، مگر جس بات کو حق سمجھا وہ کہی۔ کسی سے خوفزدہ نہیں ہوئے۔ آپ آجکل کراچی میں مقیم ہیں۔ وہاں بھی حق بات کہنے سے ذرا نہیں چوکتے۔ کراچی کے ریڈیو پر آپ کے بلیغ اور فصیح وعظ سنئے اور لطف حاصل کیجئے۔

مولانا سید حامد جلالی بالکل اپنے والد کی طرز پر ہیں۔ محنت و مشقت کرنے میں بہترین مقرر ہیں۔ مدلل عالمانہ اور مؤثر طرز بیان ہے۔ اسی طرح تحریر میں اپنے طرز کے مالک ہیں قلم میں زور ہے۔ فصاحت و بلاغت کے ساتھ اردوئے معلا کی چاشنی عجیب لطف دیتی ہے عربی و فارسی اور انگریزی کے ماہر ہیں۔ بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ خواجہ حسن نظامی کی تفسیر میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ بہت سے پاروں میں آپ کا طرز تحریر پائیں گے۔ کراچی میں طبابت کرتے ہیں[1]۔"

"شیخ العالم الفقیہ حمزہ بن امیر علی حسینی دہلوی نیک علماء میں سے تھے۔ ولادت اور نشو و نما دہلی میں ہوئی۔ اپنے شہر کے علماء سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنو چلے گئے وہاں شیخ عبدالحی اور شیخ فضل اللہ بن نعمت اللہ سے پڑھتے رہے۔

۱۳۰۲ھ میں گنگوہ پہنچے اور علم حدیث کی تحصیل شیخ رشید احمد گنگوہیؒ سے کی پھر حرمین شریفین

---

[1] امداد صابری: حضرۃ حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء، دہلی، ۱۹۵۱ء ص ۸۸ تا ۸۹

کا سفر کیا - حج و زیارت سے بہرہ ور ہوئے اور طریقت کی تعلیم شیخ الاجل امداد اللہ بن محمد امین عمری تھانوی مہاجر مکی سے حاصل کی - پھر ہندوستان واپس آئے اور تذکیر و تلقین اور مریدوں کی تربیت میں لگ گئے - تاریخ وفات سے لاعلمی کا اظہار کیا گیا ہے[1]۔"

"آپ ۱۲۷۷ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے - آپ کے والد سید امیر علی بھی متقی بزرگ تھے۔ پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر فارسی کی کتابیں پڑھیں - سرکاری سکول سے مڈل کا امتحان پاس کر کے لکھنؤ چلے گئے - وہاں شیخ عبدالحی اور شیخ فضل اللہ بن نعمت اللہ سے پڑھتے رہے۔

۱۳۰۲ھ میں گنگوہ شریف پہنچے اور مولانا رشید احمدؒ سے علم حدیث کی تحصیل کر کے سند حاصل کی - پھر حج کیا - وہاں حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکی سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی چند سال ہندو کالج میں پروفیسر رہے - پھر فرنگی محل میں تدریس کرتے رہے - پھر گھر پہ تدریس او بیعت کا سلسلہ جاری رکھا - ۴۸ سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ میں رحلت فرمائی۔

اولاد میں دو فرزند، مولانا ناصر جلالی اور سید حامد جلالی چھوڑے - آپ اردو فارسی اور عربی کے شاعر بھی تھے - تاریخ نکالنے میں ملکہ حاصل تھا - اپنے استاذ مولانا عبدالحلیم کی وفات پر ایک قطعہ لکھا[2]۔"

مات شیخ کامل عبدالحلیم ۔ ربنا الرحمٰن فی الخلد ادخله
قال حمزه عاجلا فی ارخه شهر شعبان المکرم الجمله

---

[1] مولانا حکیم سید عبدالحی، نزہۃ الخواطر، حیدرآباد - ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۱۲۳، ۱۲۵ (عربی سے اردو)
[2] امداد صابریہ: حضرۃ حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء، دہلی - ۱۹۵۱ء ص ۹۰

مولانا کرامت اللہ دہلویؒ

"مولانا کرامت اللہ صاحب کے دادا رامپور کے پرانے باشندے تھے - آپ کے والد کفایت اللہ صاحب جب چار برس کے تھے تو ان کے والد ان کو دہلی لائے اور آپ سائیوالان میں رہنے لگے - آپ کے دادا اور آپ کے والد زردوزی کا کام کرتے تھے - آپ کے والد کی دہلی ہی میں شادی ہوئی - دو لڑکیاں، ایک صاحبزادے آپ کے پیدا ہوئے۔

آپ ۱۲۷۴ھ میں پیدا ہوئے - ۱۲ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا - بیس برس کی عمر میں تمام علوم سے فراغت پائی - مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا یعقوب نانوتوی سے حدیث شریف کی سند حاصل کی معقول وغیرہ مولانا سید احمد دہلوی اور مولانا سعید الدین دہلوی جو سینٹ کالج آگرہ کے پروفیسر تھے، سے حاصل کی اور ریاضی کی کتابیں مولانا محمد حسن سنبھلی اور مولانا عبدالعلی رامپوری سے پڑھیں۔

مولانا عبدالعلی صاحب سے سند حاصل کرنے کے بعد دہلی کا رخ کیا اور باڑہ ہندو راؤ میں ابیچھو جی کی باغیچی میں مقیم ہوئے - اس کے بعد مدرسہ حسین بخش (دہلی) میں ہر قسم کی کتابیں پڑھائیں - بعد ازاں درویشی کا شوق پیدا ہوا - مدرسہ سے قطع تعلق کر کے ۱۳۰۴ھ میں عرب تشریف لے گئے - دیگر مقامات کی زیارت سے مشرف ہو کر ۱۳۰۵ھ میں حرمین شریفین میں حاضر ہوئے - حضرۃ حاجی امداد اللہ کے مرید ہوئے اور خلافت نامہ کے ساتھ کلاہ اور چار خانوادہ کی سند عطا فرمائی۔

حج سے واپس آ کر چند روز درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا - اس کے بعد مدرسے سے

بالکل قطع تعلق کر کے مسندِ ارشاد پر بیٹھے۔ پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیا۔ صبح نماز کے بعد باڑہ ہندو راؤ کی مسجد شیخاں میں مثنوی شریف کا درس اپنے پیر و مرشد کی سُنّت ادا کرنے کے لئے دیتے تھے۔ آٹھویں دن جمعہ کو مدرسہ حسین بخش میں وعظ فرماتے تھے۔ آپ وعظ خوب کہتے تھے۔ آپ کے وعظ میں بڑا مجمع ہوتا تھا اور دل پر اثر کرتا تھا۔ لوگوں پر بے حد رقت طاری ہو جاتی تھی۔ مولانا کرامت اللہ حقیقۃً صاحب کرامت تھے۔ مولانا اولیائے کرام کی طرح دنیا کو اور زر و مال کو ہیچ سمجھتے تھے جو کچھ آتا غربا میں یا مستحق مریدوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ کسی کا دل دکھانا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے دشمن کی کبھی برائی نہیں کی، دعا ہی فرماتے کہ اللہ اس کو نیک بننے کی توفیق دے۔

خاص طور پر دہلی میں اور بمبئی کلکتہ اور اطراف و اکناف ہند میں آپ کے بہت مرید تھے۔ آپ کی مولانا ابراہیم سے علمی نوک جھونک چلتی تھی۔ چنانچہ مولانا ابراہیم نے ایک رسالہ سماع کے خلاف نکالا تو مولانا کرامت اللہ صاحب نے اثباتِ سماع موتیٰ اس کے جواب میں شائع فرمایا۔ اسی طرح مولانا عبدالسلام چشتی نظامی سے بھی مولانا کرامت اللہ صاحب کے علمی و تحریری مناظرے ہوئے۔

مولانا کا انتقال دہلی میں اپنے مکان باڑہ ہندو راؤ میں ۱۹۲۰ء میں ہوا۔ آپ کا مزار شریف خواجہ باقی باللہ میں ہے۔ آپ کے جنازے کی نماز مولانا شرف الحق نے پڑھائی جو مولانا کے پیر بھائی تھے۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس سے آنسوؤں کی بارش نہ ہو رہی ہو۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ مولوی محمد حنیف محمد احمد اور مولانا مسعود احمد۔ لڑکیاں بھی تھیں۔ مولوی محمد حنیف چالیس۴۰ برس کی عمر میں مولانا مرحوم کے سامنے انتقال فرما گئے تھے۔ مولانا محمد احمد ۱۹۴۷ء کے فسادات میں بازار باڑہ ہندو راؤ میں شہید ہو گئے۔ مولوی مسعود احمد صاحب کراچی میں بسلسلہ وعظ و تبلیغ مصروف ہیں خلیق، متواضع، حلیم اور بردبار ہیں۔ اپنے والد کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

آپ کی صاحبزادی مولانا نسیم صاحب سے بیاہی ہوئی ہیں۔ آپ بھی عالمانہ شان کے مالک

صوفیانہ وضع قطع کے بزرگ ہیں۔ کسی کی بُرائی نہیں چاہتے۔ اللہ اللہ اور درس و تدریس سے مطلب ہے وعظ جادو سے بھرا ہوتا ہے۔ فوارہ کی سُنہری مسجد کی امامت عرصہ تک انجام دیتے رہے۔ آپ بھی مولانا مسعود احمد صاحب کے ہمراہ فسادات ۱۹۴۷ء کے بعد کراچی تشریف لے گئے ہیں۔ وہاں بھی وعظ کا سلسلہ جاری ہے۔

مولانا نسیم صاحب کے والد مولوی حبیب احمد بن مولوی حسن علی دہلوی، مولانا کرامت اللہؒ کے شاگرد تھے جو ۱۲۷۰ھ میں مدرسہ فتحپوری کے مدرس دوئم تھے اور آخر دم تک وہیں مدرس رہے۔ ان کی شادی مولانا کرامت اللہؒ صاحب نے کرائی۔ مدرسی کے ساتھ سُنہری مسجد فوارہ کی امامت بھی آپ ہی فرماتے تھے۔ آپ کے بعد مولوی نسیم احمد صاحب اسی مسجد کے امام مقرر ہوئے۔[۱]

مولانا حکیم سید عبدالحی لکھتے ہیں: "شیخ، عالم، فقیہ کرامت اللہ حنفی دہلوی نیک علماء میں سے تھے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور تحصیلِ علم کے لئے سفر کیا۔ منطق اور فلسفہ کی تعلیم مولانا عبدالعلی رامپوری اور مولانا محمد حسن سنبھلی سے حاصل کی۔ فنون ریاضیہ مولانا سدیدالدین اور ہمارے شیخ مولانا سید احمد دہلوی سے حاصل کئے۔ فقہ اور حدیث شیخ یعقوب بن مملوک علی اور مولانا قاسم بن اسد علی نانوتوی سے حاصل کئے۔ پھر مدرسہ مرحوم حسین بخش دہلی میں پانچ سال تدریس کی۔ پھر ۱۳۰۴ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ سلوک کی تکمیل شیخ امداداللہ تھانوی مہاجر مکیؒ سے کی پھر واپس ہند آ کر ایک عرصہ تک تدریس کرتے رہے۔ پھر بحث و اشتغال کو ترک کر کے ہر روز نماز فجر کے بعد مثنوی معنوی کا درس دینے لگے اور ہر ہفتہ میں جمعہ کو وعظ و نصیحت کہتے تھے۔ میں ۱۳۱۱ھ میں ان کی مجلس میں حاضر ہوا تو میں نے انہیں بلند پایہ خطیب پایا، جن کے چہرہ سے قبولیت کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔"[۲]

---

[۱] امداد صابری: سیرت حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء، دہلی ۱۹۵۱ء ص ۲۴۶ تا ۲۴۷ کی تلخیص و اقتباسات

[۲] مولانا حکیم سید عبدالحی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۳۷۲/۳۷۳ (عربی سے اردو)

مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"دیوبند کے مشہور عثمانی شیوخ میں ایک صاحب تھے شیخ فتح علی۔ ان کے تین فرزند تھے۔ مولانا مہتاب علی صاحب، مولانا ذوالفقار علی صاحب، تیسرے صاحبزادے کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا کہ ان کا کیا نام تھا۔ باقی یہ دونوں بھائی عربی کالج دہلی کے تعلیم یافتہ اور استاذ العلماء حضرۃ مولانا مملوک علی صاحب کے شاگرد رشید تھے۔ دونوں صاحب علم و فضل کے اعتبار سے اس زمانہ میں دیوبند کے ممتاز ترین علماء میں شمار ہوتے تھے حضرۃ مولانا ذوالفقار علی صاحب کا قیام دیوبند ہی میں رہتا تھا لیکن دونوں صاحب مدرسہ دیوبند کی بنیاد اور اس کے کاموں میں جناب سید عابد حسین صاحب کے ہم نوا اور شریک کار رہے اور حتی المقدور مدرسہ کو ترقی دینے میں دونوں حضرات نے انتھک کوشش کی۔

حضرۃ مولانا ذوالفقار علی صاحب نے اپنی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد ترقی کر لی تھی چنانچہ وہ انسپکٹر مدارس بنا دیئے گئے۔ اس وجہ سے ان کا کسی ایک جگہ قیام نہیں رہتا تھا۔ مولانا کا انتقال ۱۳۲۲ھ میں ہوا اور آپ نے یادگار میں ۶ افراد ذکور و اناث اور متعدد کتابیں چھوڑیں۔

حضرۃ مولانا ذوالفقار علی صاحب بہت بڑے عالم تھے۔ آج ان کی کتابیں علماء کو محو حیرت کئے ہوئے ہیں۔ عربی، فارسی، اردو کے بے مثل ادیب اور شاعر تھے۔ تینوں زبانوں میں آپ

کو یکساں مہارت تھی۔ آپ کی چند کتابیں اب بھی موجود ہیں، ان کے پڑھنے کے بعد آپ کی ادبیت کا پتہ چلتا ہے۔

مولانا کی تصنیفات ۱۔ عطر الوردہ۔ یہ کتاب قصیدہ بردہ کی اردو شرح ہے۔ زبان سلیس، بامحاورہ اور مقفّٰی ہے۔

۲۔ الارشاد۔ یہ قصیدہ بانت سعاد کی شرح ہے۔ یہ کتاب رمضان ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں پہلی مرتبہ مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کا ایک قدیم نسخہ میرے پاس موجود ہے۔

۳۔ التعلیقات۔ یہ قصیدہ معلقات کی شرح ہے۔

۴۔ تسہیل الدراسہ۔ یہ دیوان حماسہ کی اردو شرح ہے۔

۵۔ تسہیل البیان۔ یہ دیوان متنبی کی اردو شرح ہے۔

اس کتاب کے متعلق مولانا نے خود ہی تحریر فرمایا ہے:

"امید ہے کہ قاریاں متوسط الاستعداد کی فہم معانی اشعار میں بہ نسبت شروح عربی کے زیادہ مدد کرے اور جو شخص فن ادب سے کسی قدر مناسبت رکھتا ہو وہ ان کے مطالب بلا مدد استاد بے منت معلم سمجھ لے۔"[۱]

۶۔ معیار البلاغت، یہ اردو زبان میں علم معانی و بیان میں مولانا کی لاجواب کتاب ہے۔ اس کو اگر اردو کی مختصر المعانی کہا جائے تو زیادہ اچھا ہے۔ پھر تعریف یہ ہے کہ اردو شعراء کے اشعار کی مثالیں اس طرح چسپاں کر دی ہیں کہ حیرت و استعجاب دانتوں میں انگلی دبائے کھڑے رہتے ہیں۔

۷۔ الھدیۃ السنیہ، (عربی) اس کتاب میں مدرسہ عربیہ دیوبند کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب کی عبارت مقفّٰی ہے۔ دیوبند کے تعارف میں فرماتے ہیں:

کورۃ قدیمۃ، وقصبۃٌ عظیمۃٌ وبلدۃٌ فخیمۃٌ

---

[۱] مولانا ذوالفقار علی، تسہیل البیان ص۳

وفات مولانا نے ۱۳۲۲ھ میں ۸۵ سال کی عمر میں وفات پائی

مولانا کی اولاد مولانا کی دو لڑکیاں تھیں، جن کا عقد شہر ہی میں ہو گیا تھا۔ بیٹوں میں چار بیٹے چھوڑے

۱۔ مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہندؒ اسیر مالٹا (۱۲۶۸ — ۱۳۳۹ھ)

۲۔ مولانا حامد حسن صاحب (م ۱۳۲۹ھ)

۳۔ مولانا حکیم محمد حسن صاحب۔ آپ حضرۃ شیخ الہندؒ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ حدیث شریف مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور طب حکیم عبد المجید صاحب دہلوی سے پڑھی تھی اور دیگر علوم حضرۃ شیخ الہندؒ سے حاصل کئے تھے۔ ایک عرصہ تک دار العلوم کے مدرس اور طبیب رہے۔

۴۔ مولانا محمد محسن صاحب۔ یہ حضرۃ شیخ الہندؒ کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔

ان کو حضرۃ شیخ الہندؒ سے اور حضرۃ کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔ ان سب حضرات کی والدہ ماجدہ دیوبند کے ایک معزز شیخ بو علی بخش کی نور نظر تھیں۔ یہ نہایت ہی سخی اور نیک بخت خاتون تھیں۔[1]

مولانا حکیم عبد الحی الحسنی تحریر فرماتے ہیں:

"الشیخ الفاضل ذوالفقار علی بن فتح علی حنفی دیوبندی فنونِ ادبیہ کے مشہور علماء میں سے تھے۔ ولادت و نشوونما دیوبند میں ہوئی۔ تحصیلِ علم کے لئے دہلی چلے گئے۔ درسی کتب مولانا مملوک علی نانوتوی اور مفتی صدر الدین دہلوی سے پڑھیں۔ ان کی خدمت میں کافی عرصہ رہے یہاں تک کہ معانی، بیان، نحو اور ذوق شعری میں اپنے ساتھیوں سے سبقت لے گئے حکومت کی طرف سے ابتدائی مدارس کے انسپکٹر مقرر ہوئے اور اس منصب پر ایک عرصہ تک فائز رہے۔ میں انہیں دیوبند میں ملا اور انہیں فنونِ ادبیہ کا عالم و ماہر پایا۔ ان کی تصانیف میں شرح دیوان حماسہ، شرح دیوان متنبی، شرح السبع المعلقات، ایک

[1] مولانا مفتی عزیز الرحمن بجنوری: تذکرہ شیخ الہندؒ، بجنور (یوپی)، ۱۹۶۵ء ص ۵۱ تا ۵۴

کتاب بلاغت میں، سب اردو میں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ان کی تصانیف ہیں۔ ۱۳۲۲ھ کو دیوبند میں وفات پائی۔"[1]

مولانا سید حامد میاں لکھتے ہیں:

"معانی و بیان میں تذکرۃ البلاغۃ اور ریاضی میں تسہیل الحساب ان کی یادگار ہیں۔ مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ پنشن پانے کے بعد آنریری مجسٹریٹ رہے۔ دار العلوم دیوبند کے اولین بانیوں میں سے تھے۔ چالیس سال تک دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں بعمر ۸۵ سال وفات پائی۔ حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پہلو میں جانب شرق ان کی قبر مبارک ہے۔ ان کی بائیں جانب مولانا محمد احسن نانوتویؒ مدفون ہیں۔"[2]

ان کو حضرۃ شیخ الہندؒ سے اور حضرۃ کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔ ان سب حضرات کی والدہ ماجدہ دیوبند کے ایک معزز شیخ بو علی بخش کی نور نظر تھیں۔ یہ نہایت ہی سخی اور نیک بخت خاتون تھیں۔

[1] مولانا حکیم عبد الحی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد: ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۱۴۰، ۱۴۱

[2] مولانا سید حامد میاں: خرمن انقلاب، ۱۸۵۷ء اور اہل دیوبند: الرشید (دیوبند نمبر) لاہور ۱۹۷۶ء ص ۷۵۳

مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ

برعظیم پاک و ہند میں عربی شعر و ادبیات کے نامور فاضل مولانا فیض الحسن فیض سہارنپور کے ایک زمیندار گھرانے میں ١٨١٦ء (١٢٣٢ھ) میں پیدا ہوئے۔ والد حافظ خلیفہ علی بخش ایک عالم فاضل بزرگ تھے۔ فیض الحسن نے ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد سے حاصل کی اور مروجہ عربی و فارسی کتب پڑھیں۔ کھیل کود کے علاوہ پہلوانی اور بنوٹ وغیرہ فنون سے بھی دلچسپی رہی۔ ١٩، ٢٠ سال کی عمر میں شادی ہوگئی لیکن تحصیل علم کے شوق میں دلی پہنچے۔ دلی میں مفتی صدرالدین آزردہ سے اکتساب فیض کیا۔ شاہ احمد سعید مجددی اور اخون صاحب ولایتی (اخوند شیر محمد) سے، جو اس دور کے جلیل القدر فاضل تھے، حدیث کا درس لیا۔ مولانا فضل حق خیرآبادی سے معقولات و ادبیات کے اسباق پڑھے۔ مولانا امام بخش صہبائی، حکیم مومن خاں مومن، اسداللہ خاں غالب اور خاقانی ہند ابراہیم ذوق کی شعری و ادبی محفلوں میں شریک رہے۔ شاعری میں امام بخش صہبائی کے شاگرد رہے۔ کچھ عرصہ تک رام پور اور لکھنو کے تعلیمی مرکزوں میں بھی رہے۔ دلی کے ایک نامور طبیب امام الدین خان سے طب کی کتابیں پڑھیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دلی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ١٨٥٧ء کے انقلاب میں دلی سے نکلے اور کچھ عرصہ تک سہارنپور میں طب پر گزر اوقات کرتے رہے۔ پھر علی گڑھ چلے گئے، جہاں عربی کی چند کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا اور ١٨٧٠ء کے اوائل میں اورینٹل کالج کے

قیام پر ڈاکٹر لائٹنر نے ان کی خدمات کالج کے لئے حاصل کرلیں۔

١٨٧٠ء میں مولانا فیض الحسن صدر شعبۂ عربی و سپرنٹنڈنٹ تحقیق و تصنیف کی حیثیت سے اورینٹل کالج لاہور میں آگئے۔ ان کی علمی و تدریسی شہرت دور دراز گوشوں تک پہنچنے لگی اور تشنگان علم اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے لاہور کا رخ کرنے لگے۔ لاہور میں مولانا فیض الحسن کا قیام بازار حکیماں میں رہا۔ موسم گرما کی تعطیلات میں وہ اکثر سہارنپور چلے جاتے تھے اور وہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی بانیٔ مدرسۃ العلوم دیوبند اور مولانا فیض الحسن کے مراسم بڑے بے تکلفانہ تھے۔ دونوں ہم عمر بھی تھے اور ایک ہی بزرگ حاجی شیخ امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی کے مرید بھی تھے۔

اورینٹل کالج میں آکر مولانا فیض الحسن نے درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ١٨٧١ء میں انہوں نے سنین اسلام (اسلام کی سیاسی و علمی تاریخ دو جلدوں میں) کی تالیف میں ڈاکٹر لائٹنر کا ہاتھ بٹایا۔ شرح سبع معلقات (عربی، فارسی، اردو) شرح حماسہ، رشیدیہ، فیضیہ (علم مناظرہ اردو) کی تالیف کے علاوہ انہوں نے دیوان حسّان مرتب کیا۔ ان تالیفات کے علاوہ مولانا فیض الحسن اورینٹل کالج کے ماہوار علمی و تحقیقی مجلہ شفاء الصدور کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری اورینٹل کالج کی عربی کی جماعتوں کے علاوہ گورنمنٹ کالج کی آرٹس کی جماعتوں کو بھی درس دیتے تھے۔ اورینٹل کالج میں ١٧ برس تک تدریسی و تصنیفی خدمات سرانجام دینے کے بعد ٧ فروری ١٨٨٧ء کو مولانا فیض الحسن وفات پا گئے۔

ان کی نعش تابوت میں رکھ کر ریل میں سہارنپور لے جائی گئی اور وہیں تدفین ہوئی۔

مولانا فیض الحسن کی وفات کے بعد ان کے فرزند اکبر مولوی رشید احمد اورینٹل کالج میں بحیثیت مدرس عربی و فارسی ملازم ہوئے اور ١٩٢٢ء تک یہ خدمت سرانجام دینے کے بعد

سبکدوش ہوئے۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری نے عربی علوم وادبیات کی جس شمع کو اورینٹل کالج میں فروزاں کیا اس سے دور دور کے طالبانِ صادق نے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا شبلی نعمانی کا شمار بھی انہیں میں ہوتا ہے۔ بقول علامہ سید سلیمان ندوی؛

"مولانا (فیض الحسن) اس پایہ کے ادیب تھے کہ خاکِ ہند نے صدیوں شاید ہی کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو۔" ——— (حیاتِ شبلی)

تصنیفات | (مذکورہ بالا تالیفات کے علاوہ) التعلیقات علی الجلالین، تحفہ صدیقہ، عروض المفتاح، ریاض الفیض، دیوان الفیض، حل ابیات بیضاوی۔[له]

آپ کے تعارف میں مزید کہا گیا ہے کہ؛

"فیض الحسن سہارنپوری برصغیر میں عربی زبان وادب کے ممتاز علماء میں سے ہیں ۱۸۱۶ء میں سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ مفتی صدرالدین آزردہ اور مولانا فضل حق خیرآبادی جیسے فضلاء سے علوم متداولہ کی سند لی، فنِ شعر میں مولانا صہبائی کے شاگرد تھے۔ مولانا کے شاگردوں میں سرسید احمد خاں، علامہ شبلی، مولانا حالی، مولانا وحیدالدین سلیم، مولوی عبداللہ ٹونکی اور مولوی محمد اسماعیل میرٹھی جیسے فاضل اور یگانۂ روزگار علماء شامل ہیں۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری ایک جلیل القدر عالم، ادیب، شاعر اور مصنف تھے کبھی فیض اور کبھی خیال تخلص کرتے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو کے باکمال ادیب اور قادرالکلام شاعر تھے۔

آپ کی عربی تصانیف میں ایک دیوانِ شعر کے علاوہ "تعلیق علی الجلالین" و "التحفۃ الصدیقیہ" اور شرح السبع المعلقات وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اردو میں فیضیہ شرح دیوان الحماسہ، مثنوی صبح امید

له غلام حسین، ڈاکٹر، تاریخ اورینٹل کالج لاہور: لاہور ۱۹۶۲ء ص۱۲۸ تا ۱۴۰

اور گلزارِ فیض (اردو دیوان) قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے ایک مدت تک اورینٹل کالج لاہور میں عربی کی تدریس کی اور ۷۱ برس کی عمر میں ۱۸۸۷ء میں فوت ہو گئے۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی یہ تمام تصانیف اپنے اپنے موضوع میں ایک ممتاز مقام کی حامل ہیں اور خصوصی توجہ کی مستحق۔ لیکن تفصیل سے اعراض کرتے ہوئے اجمال کی خاطر ان کی ایک اہم تصنیف "شرح السبع المعلقات" جسے انہوں نے "ریاض الفیض" کے نام سے موسوم کیا ہے، پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

معلقات دورِ جاہلی کے فحول شعراء کے منتخب قصائد کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کی برصغیر اور بیرون برصغیر میں مختلف شروح لکھی گئی ہیں۔ برصغیر میں لکھی جانے والی شروح میں مولانا کی شرح کو ممتاز مقام حاصل ہے اور اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ ایک تو یہ کہ مولانا نے ہر شعر کی تین زبانوں (عربی، فارسی، اردو) میں تشریح کی ہے جس کی افادیت عیاں ہے۔ اس کے علاوہ ہر شعر کے مشکل الفاظ کی لغوی تشریح، ترکیب نحوی کے اہم نکات، شعر کے ہر لفظ کی تشریح میں مختلف شعراء عرب کے کلام سے استشہاد، قدیم شارحینِ معلقات کی کوتاہیوں کی نشاندہی، ہر شاعر کے حالاتِ زندگی اور ہر قصیدے کے پس منظر پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔"[له]

له۔ تاریخ ادبیات عربی ادب ج ۲۔ پنجاب یونیورسٹی۔ ص۲۰۲

مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوریؒ

"مولانا خلیل الرحمٰن صاحب حضرة مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری (م ۶؍جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۶؍اپریل ۱۸۷۹ء) کے فرزند تھے (جو اپنے دور کے مشہور ترین اساتذہ حدیث میں سے تھے) ابتدائی تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم میں پائی۔ ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء کی روئداد مظاہر العلوم کے تقسیم انعامات کے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے میر زاہد رسالہ میں امتیازی نمبر پائے تھے۔ تکمیل اپنے والد نامدار سے کی اور والد کے انتقال کے بعد چوب عمارتی کا کاروبار شروع کیا جس کا صدر مقام پیلی بھیت تھا۔ ندوة العلماء کی تحریک کے ابتدائی دور ہی سے اس سلسلہ سے منسلک ہوگئے اس کے اجلاس دوم منعقدہ شوال ۱۳۱۲ھ/اپریل ۱۸۹۵ء میں (جو لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا) وہ شریک تھے اور ان اراکین مجلس انتظامی میں ان کا نام نظر آتا ہے جو اس موقع پر منتخب ہوئے مولانا مسیح الزماں خاں صاحب کے دور میں نائب ناظم تھے۔ ان کے استعفیٰ کے بعد ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں نائب ناظم باختیارات ناظم منتخب ہوئے۔ ۲۰؍جولائی ۱۹۱۳ء کو مستقل ناظم منتخب ہوئے جس کا سلسلہ رمضان ۱۳۳۴ھ/جولائی ۱۹۱۵ء تک رہا۔ جب ان کی جگہ نظامت کے لئے مولانا سید عبدالحی صاحب کا انتخاب عمل میں آیا اور مولانا کا قیام سہارنپور رہنے لگا لیکن ان کی ہمدردی و دلچسپی ندوة العلماء کے ساتھ آخر تک قائم رہی اور وہ مجلس انتظامی کے رکن رہے۔ ۱۰؍ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ/۴؍فروری ۱۹۳۶ء کو سہارنپور میں وفات پائی۔

مولانا خلیل الرحمٰن صاحب اپنی دینداری، وضعداری و استقامت میں قدیم علماء کی یادگار تھے۔ بیعت و ارادت کا تعلق حضرة حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے تھا۔ نہایت خوش اوقات تہجد و جماعت کے شدت سے پابند تھے۔ رمضان المبارک میں بہت زیادہ تلاوت کا معمول تھا۔ (ایک روایت کے مطابق روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے)

افسوس کہ ندوہ کے دور اختلاف میں علامہ شبلی کی مخالفت کی بنا پر (جو ان کے والد ماجد کے شاگرد تھے) ان کا تذکرہ ہندوستان کے متعدد بااثر اسلامی جرائد میں اس طرح آتا رہا کہ ان کی خوبیوں پر پردہ پڑ گیا اور وہ ایک جامد عالم اور نمائی مخالف کی حیثیت سے پیش کئے گئے جو ندوة العلماء کی ترقی اور اصلاح کی راہ میں سب سے زیادہ حائل تھا لیکن مولانا مسعود علی صاحب مرحوم اور بعض دوسرے فضلائے ندوہ کا بیان ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کی ذات کو بہت مطعون کیا گیا تھا ان نوجوان فضلاء کے ساتھ جو مخالفت میں پیش پیش تھے ان کا رویہ مشفقانہ و بزرگانہ رہا اور وہ ہمیشہ ان کے ساتھ محبت و عنایت سے پیش آتے۔ تحریک خلافت کے بڑے پر جوش حامی اور معاون تھے۔ انہی کے صاحبزادے مولوی عتیق الرحمٰن ندوی سہارنپور کی خلافت کمیٹی کے روح رواں اور سیکرٹری رہے۔ دوسرے صاحبزادے مولوی منظور النبی ندوی آخر تک خلافت اور بعد میں کانگریس کے ساتھ رہے۔ قدیم علمائے دیوبند کی طرح ان کو انگریزوں سے نفرت اور ان کی تعظیم و احترام سے اجتناب تھا۔ راقم سطور نے خود ایک موقع پر ایک ایسا منظر دیکھا جس سے ان کے دینی جذبات اور اسلامی حمیت کا اظہار ہوتا تھا۔ غالباً ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء کا آخر یا ۱۹۳۵ء کا آغاز تھا کہ وہ آخری بار ندوہ تشریف لائے۔ اتفاق سے وہی دن ڈائرکٹر آف ایجوکیشن کی آمد اور معائنہ کا تھا۔ وہ دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انگریز ڈائرکٹر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ چند مقامی ارکان انتظامی اور ندوہ کے عہدہ دار تھے۔ سب لوگ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے لیکن مولانا نہ کھڑے ہوئے نہ ملتفت ہوئے۔ یہاں تک کہ اس کو اپنی اہانت محسوس ہوئی اور

اس نے ترش لہجے میں پوچھا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں؟

منشی احتشام علی صاحب کاکوری جو ہمراہ تھے انہوں نے موقع و محل کے لحاظ سے اس کی تاویل کی اور ڈائریکٹر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔[1]

مظاہر العلوم سہارنپور کے ۱۲۹۰ھ کے مربیوں میں ایک نام آپ کا بھی ہے۔[2]

---

[1] مولانا ابو الحسن علی ندوی: حیات عبد الحی: ندوۃ المصنفین دہلی۔ ۱۹۷۰ء ص ۱۵۱، ۱۵۲ (حاشیہ)

[2] مولانا محمد زکریا: تاریخ مظاہر: سہارنپور: ۱۳۹۲ھ ص ۴۳

حضرت شاہ رفیع الدین دیوبندیؒ

"حضرۃ شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندی ابن مولانا فرید الدین عثمانی دیوبندی۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم ہیں۔ حضرۃ شاہ عبد الغنی مجددی مہاجر مدنیؒ سے بیعت تھے اور ان ہی سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی اکتساب فیض کیا تھا۔ حضرۃ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ آپ ہی کے بلند پایہ خلیفہ مجاز تھے۔

۱۳۰۸ھ میں بمقام مدینہ منورہ وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔"[1]

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں:

"حضرۃ حاجی عابد حسین صاحبؒ کے بعد حضرۃ اقدس مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی عہدۂ اہتمام پر فائز ہوئے۔ آپ طریقت و حقیقت کے ایک بلند پایہ شیخ اور حضرۃ شاہ عبد الغنی دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کے ارشد خلیفہ تھے۔ حضرۃ شاہ صاحبؒ ان پر فخر کیا کرتے تھے۔ موصوف بہت سے اکابر دارالعلوم مثل حضرۃ مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن اور مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم

---

[1] مولانا نسیم احمد فریدی: جواہر پارے: الفرقان: لکھنؤ۔ فروری ۱۹۷۵ء ص ۲۳ (بحوالہ تذکرہ مشائخ دیوبند)

دیوبند وغیرہ کے شیخ طریقت تھے۔

دارالعلوم کی معنوی ترقیات میں حضرۃ ممدوح کی تربیت و صرفِ ہمت کا اسی طرح حصہ ہے، جس طرح مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا تھا۔ آپ اولاً شعبان ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء تا ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء اور ثانیاً ذیقعدہ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء تا ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء دارالعلوم کے مہتمم رہے۔[1]

مولانا فروغ لکھتے ہیں:

مہتمم بھی اوس کے ہیں خوش انتظام
مولوی صاحب رفیع الدین نام
صاحبِ عقل و تدابیر متین
خیر خواہِ دینِ ختم المرسلین
فرضِ منصب کو ادا کرتے ہیں وہ
سعی ان کی حشر میں مشکور ہو[2]

---

[1] ۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند: کراچی ۱۹۷۲ء ص۹۲

[2] ۔ مولانا فروغ: مثنوی فروغ: برہان: دہلی ج ۱، ص۵۶

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا فریدالدین دیوبندی اولیاء اللہ میں سے تھے اور صاحب کشف و کرامت تھے۔

آپ ۱۹؍رمضان المبارک ۱۲۵۲ھ کو دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے بہت کم تعلیم حاصل کر سکے۔ پھر حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ جب آپ کے شیخ نے مدینہ منورہ ہجرت کی تو آپ بھی مدینہ منورہ پہنچے اور کسبِ فیض کا سلسلہ جاری رہا اور سلوک کی تکمیل کرکے خلافت حاصل کی۔

حضرۃ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "دو صاحبوں سے جس قدر مجھ کو محبت ہے کسی سے نہیں ہے۔ تلامذہ میں سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے اور مریدین میں سے شاہ رفیع الدین دہلوی سے"۔

ہزاروں آدمیوں نے آپ کی صحبت بابرکت سے نفع اٹھایا اور بعض مرتبہ کمال کو پہنچ کر مستحق خلافت ہوئے۔

آپ کے بارے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی فرمایا کرتے تھے کہ "واقعات آپ کے اور معاملات آپ کے نہایت صحیح اور مطابق نفس الامر ہیں"۔

صاحبِ کرامت تھے۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت پابند تھے۔ خود فرمایا

کرتے تھے کہ جس کو جو حاصل ہوا اتباعِ سنت اور اتقا سے ہوا۔ مشتبہ طعام آپ کے معدہ میں ٹھہرتا ہی نہ تھا۔ اکلِ حلال کی دوسروں کو بھی سخت تاکید فرمایا کرتے تھے۔

محبت علم اور علماء میں غرق تھے۔ علمِ ظاہری اگرچہ حاصل نہ کیا تھا مگر علمِ لدنی اللہ نے عطا فرمایا تھا۔ بچپن ہی سے طبیعت پر جذب غالب تھا اسی وجہ سے علم حاصل نہ کر سکے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں کہ "آپ کی صحبت خاصیتِ اکسیر رکھتی تھی اور نظر آپ کی کیمیا اثر تھی اور ارشاد خلائق شب و روز آپ کو مطلوب و مرغوب تھا فیض رسانی میں رات دن مشغول رہتے تھے۔ جو کام آپ کا تھا اخلاص کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات کو مجمع کمالاتِ ظاہری و باطنی بنایا تھا۔ مدام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق میں غرق و سرشار رہتے تھے، بلکہ ہمیشہ یہ تمنا تھی کہ جوار روضۂ آنحضرتؐ کا نصیب ہو۔ ۱۳۰۰ھ میں بغرضِ ہجرت حرمین شریفین کی طرف روانہ ہوئے اور یہ احقر پہلے سے حاضر حرم محترم اور حاضر در خدمت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تھا ... کہ مرشدنا حضرت شاہ رفیع الدین صاحب مکہ معظمہ پہنچے۔ چند ماہ مکہ مکرمہ میں قیام کر کے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر مطلب قلبی حاصل ہوا اور تمنائے دلی پوری ہوئی۔

اعنی بتاریخ دوازدہم جمادی الثانیہ ۱۳۰۸ھ میں آپ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی اور عمر شریف شش و پنجاہ سال ہوئی۔

مفتی غلام سرور لاہوریؒ

لاہور کے مشہور عالم مفتی غلام محمد کے تیسرے لڑکے تھے، اردو اور فارسی کے زبردست فاضل بہت سی فاضلانہ کتابوں کے مصنف اور اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔ ان کا سب سے بڑا، سب سے مفید اور سب سے شاندار علمی کارنامہ فارسی کتاب خزینۃ الاصفیا کی تصنیف ہے، جو اولیائے وقت فضلائے زمانہ اور صوفیائے کرام کے حالات کی گویا انسائیکلوپیڈیا ہے اور بے انتہا محنت اور کاوش کے بعد جمع اور مرتب کی گئی ہے۔ دو مبسوط جلدوں میں سیکڑوں اولیائے کرام کے حالات ہیں۔ ہر ایک کی تاریخ وفات بحساب جمل مفتی صاحب نے نکالی ہے۔ کتاب کی عبارت بے حد سلیس اور عام فہم ہے۔ فارسی کا معمولی طالب علم بھی اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ آجکل نایاب ہے۔ اشد ضرورت ہے کہ یہ کتاب مع ترجمہ کے دوبارہ شائع ہو۔ مفتی صاحب کی دوسری نظم و نثر کتابیں یہ ہیں۔

گلدستۂ کرامت، گنجینۂ سروری، اخلاق سروری، مخزن حکمت، حدیقۃ الاولیاء اور تحفۂ سروری۔ (تاریخ لاہور)

۱۸۲۸ء میں یہ لاہور میں پیدا ہوئے اور ۱۴ اگست ۱۸۹۰ء کو مکہ اور مدینہ کے درمیان وفات پائی، جہاں آپ حج کے لئے گئے ہوئے تھے۔ آپ کے حالات اور آپ کی تصانیف کے متعلق ایک مفصل مضمون اکتوبر ۱۹۶۱ء کے نقوش میں شائع ہوا ہے۔[1]

---

[1] نقوش، لاہور نمبر ص ۹۲۵

"حکیم مفتی غلام سرور صاحب اپنے آبائی محلہ کوٹلی مفتیاں لاہور میں ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مفتی غلام محمد صاحب سے حاصل کی۔ طب بھی انہی سے پڑھی۔ سلسلہ سہروردیہ میں بھی انہی سے بیعت تھے۔ حضرۃ مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری سے علوم تفسیر و حدیث و فقہ و ادب، صرف و نحو، معانی و منطق، اصول و فروع اور تاریخ و لغت کی تکمیل کی اور اپنے زمانے کے عالم باعمل، بے مثال ادیب، بلند پایہ شاعر، بے بدل تاریخ گو، مستند مورخ، شہرۂ آفاق سوانح نگار، ماہر علم لغت اور معلم اخلاق ہوئے اور آپ نے اپنی بلند پایہ تصانیف سے علم و آداب کے ہر گوشے کو گلہائے رنگارنگ سے بھر دیا۔

مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد حضرۃ شیخ العالم حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ؒ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔

۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ/۱۲ اگست ۱۸۹۰ء کو دار البقاء کا سفر اختیار کیا۔ مضافات جنگ بدر میں دفن کئے گئے[1]"

---

[1] امداد صابری: تذکرۂ شعرائے حجاز از اردو: دہلی۔ ص ۲۲۹

مولانا محمد اعظم حسین صدیقی خیر آبادی ؒ

آپ ۱۲۶۲ھ کو خیر آباد میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام لطف حسین صدیقی ہے۔

خیر آباد میں ہی تربیت اور تعلیم ہوئی۔ ابتدائی کتابیں مولوی اللہ بخش خیر آبادی سے پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا عبد الحق آپ کو خیر آباد سے اپنے ہمراہ رام پور لے گئے۔ رام پور میں کئی سال تک رہ کر کتب درسیہ پڑھیں۔ صحیح مسلم بھی انہی سے پڑھی۔ پھر نواب صدیق حسن خاں کے زمانے میں بھوپال گئے اور مولوی عبد القیوم بڈھانوی داماد و شاگرد شاہ اسحٰق محدث دہلوی سے کتب صحاح پڑھیں اور انہی سے بیعت کی۔ ۱۹۰۳ء مطابق ۱۳۲۱ھ میں ریاست بھوپال میں کسی معقول عہدے پر ملازم تھے اور نواب سلطان جہاں بیگم والئ بھوپال کے قابلِ اعتماد لوگوں میں سے تھے۔ ۱۹۰۳ء میں جب بیگم صاحبہ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو آپ کو ان کی طرف سے عربی زبان کی ترجمانی کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ آپ سلطان جہاں بیگم کے اتالیق بھی رہ چکے تھے۔

روضۃ الریاحین سفرنامہ کشور حجاز پر کسی مصنف کا نام نہیں ہے۔ اس بناء پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس کو مولوی اعظم حسین صاحب نے مرتب کیا ہوگا۔

۱۳۲۶ھ میں استعفا دے کر اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے یہاں سید علی الظاہری الوتر مشہور محدث سے دوبارہ کتب حدیث پڑھیں اور اس کے بعد حرم شریف میں درس دینا شروع کر دیا۔ یہاں صرف حدیث کا درس دیتے تھے، باقی کتابیں گھر پر پڑھایا کرتے تھے۔ آپ نے

مولانا اشرف علی صاحب کے ہمراہ حاجی امداد اللہ صاحب سے مکہ معظمہ میں بیعت کی۔ طب یونانی سے بھی واقف تھے اس لئے مخصوص دوستوں اور مریدوں کا علاج کرتے تھے۔ پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ۱۳۲۶ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں ان کے جسدِ خاکی کو سپرد کیا گیا۔

شاعری | فارسی میں زیادہ اردو میں کم شعر کہتے تھے۔ سلیم تخلص تھا۔[1]

"شیخ نیک عالم اعظم حسین بن لطف حسین خیرآبادی اکابر علماء میں سے تھے۔

ولادت اور نشوونما خیرآباد میں ہوئی۔ علم کی تحصیل علامہ عبدالحق ابن فضل حق خیرآبادی اور دیگر علماء سے کی۔ پھر بھوپال پہنچے اور کتبِ حدیث مولانا عبدالقیوم بن عبدالحی برھانوی سے پڑھیں۔ ان کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کرکے اجازت بیعت سے نوازے گئے۔ آخر وقت تک بھوپال میں خدمات انجام دیتے رہے۔ فقہ اور دینی امور میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ میں کئی بار بھوپال میں ان سے ملا۔ حجاز کی طرف ہجرت کی اور وہاں تقریباً دس سال رہے۔

۱۳۲۷ھ میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔"[2]

---

[1] امداد صابری: تذکرۂ شعرائے حجاز اردو ص ۲۵۵ تا ۲۵۷ سے ماخوذ
(پیری مریدی کے سلسلہ کے اجراء سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف سے آپ کو اجازت ہو۔ البتہ آپ کو مولانا عبدالقیوم محدث بھوپالی سے اجازت بیعت حاصل تھی۔)

[2] مولانا عبدالحی: نزہۃ الخواطر، کراچی: ۱۹۷۶ء ج ۸ ص ۱۳ (عربی سے اردو)

مولانا نور احمد امرتسریؒ

شیخ عالم معتبر نور احمد بن شہاب الدین بن عمر بخش حنفی پسروری سیالکوٹی ثم امرتسری نیک علماء میں سے تھے۔

ولادت اور نشوونما پسرور ضلع سیالکوٹ میں ہوئی۔ تحصیلِ علم کے لئے سفر کیا اور درسی کتابیں مولانا احمد حسن کانپوری، شیخ محمد مظہر بن لطف علی نانوتوی، قاری عبدالرحمٰن بن محمد پانی پتی شیخ احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری اور دیگر علماء سے پڑھیں۔ پھر ۱۲۹۸ھ میں مکہ مکرمہ کا سفر کیا حج کیا اور شیخ رحمت اللہ بن خلیل عثمانی کیرانوی مہاجر اور شیخ احمد بن زینی دحلان شافعی مکی اور شیخ عبدالحمید داغستانی، شیخ حسب اللہ مکی، شیخ عبدالرحمٰن بن عبداللہ سراج حنفی مکی اور شیخ عبدالجلیل برادہ آفندی مدنی سے استفادہ اور سندات اجازہ حاصل کیں۔ شیخ محمد مظہر بن احمد سعید دہلوی اور شیخ امداد اللہ بن محمد امین تھانوی اور شیخ حبیب الرحمٰن ردولوی کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ پھر ہند واپس آئے اور یہ ۱۳۰۱ھ کی بات ہے۔ پھر شہر امرتسر میں ٹھہرے اور وہاں تدریس کرتے رہے۔ وہ نیک سیرت آدمی ہیں۔ برابر درس و تدریس اور وعظ و نصیحت میں لگے رہتے ہیں میں کئی بار انہیں امرتسر میں ملا۔

اور ان کی یادگار و مآثر میں امام ربانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندیؒ کے رسائل تصحیح، تنقیح، تخریج احادیث اور مفید حواشی کے ساتھ عمدہ خط میں طباعت ہے۔

۱۲ر شعبان ۱۳۴۸ھ کو امرتسر میں وفات پائی اور مسجد نور کے جوار میں دفن ہوئے۔[1]
علوم شریعت، طریقت، حقیقت میں آپ ایک مخصوص مقام پر تھے۔ آپ مدرسہ نعمانیہ امرتسر کے مہتمم تھے، جہاں سے بیسیوں طلبہ فیضیاب ہو کر انجام کو پہنچے۔ حضرۃ مولانا سید محمد انور شاہ علیہ الرحمۃ آپ کو "عالم ربانی" کہا کرتے تھے۔ مولانا نور احمد بڑے متبحر تھے۔ علوم نقلیہ اور عقلیہ میں ماہر تھے۔ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں معلم رہے۔ علوم و فنون کی تعلیم دیتے رہے اور حجاز میں علمی طبقہ میں مشہور ہوئے۔ مدرسہ نعمانیہ امرتسر کے علاوہ چوک فرید امرتسر میں مدرسہ تجوید القرآن جاری کیا۔ مسجد نور بنائی۔ انجمن حفظ المسلمین امرتسر کی بنیاد رکھی۔ قادیاں میں ایک تبلیغی انجمن کا قیام عمل میں لائے تھے۔[2]

---

[1] مولانا حکیم سید عبدالحی: نزہتہ الخواطر، حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۵۰۲، ۵۰۳ (عربی سے اردو)

[2] رفیق احمد نظامی: مولانا نور احمد پسروری: دار العلوم دیوبند۔ نومبر ۱۹۶۱ء ص ۴۲

مولانا عبدالرحمٰن سہارنپوریؒ

"مولانا عبدالرحمٰن سہارنپوری بن مولانا احمد علی بن لطف اللہ حنفی محدث سہارنپوری ثم حیدرآبادی بڑے علماء میں سے تھے۔ ولادت اور نشوونما سہارنپور میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی اور متوسط تعلیم کے بعد حدیث شریف اپنے والد ماجدؒ سے پڑھی اور ادب مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ سے۔ حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے۔ ایک عرصہ تک سہارنپور میں درس دیا۔ اس کے بعد علاج معالجہ کی طرف توجہ ہوئی اور اٹاوہ میں مطب کا سلسلہ قائم کیا۔ نواب محسن الملک سید مہدی علی نے حیدرآباد جانے کی ترغیب دی۔ حیدرآباد میں آپ خورشید جاہ کے طبیب خاص مقرر ہوئے، بعدہٗ اپنے طور پر مطب کرنے لگے۔ آپ کا مطب بہت کامیاب تھا۔ میر عثمان علی خاں نظام دکن نے دو سو روپے ماہوار آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ الطب العثمانی کے نام سے ایک کتاب لکھی اور نظام کی خدمت میں پیش کی۔ نظام نے اس کتاب پر آپ کو دس ہزار روپے عطا کئے۔ آپ کی تصانیف میں ایک دوسری کتاب التحفۃ العثمانیۃ ہے۔ یہ عربی نظم میں ہے۔ آپ طب، ادب اور حدیث میں مہارت رکھتے تھے۔ عربی اشعار پر بھی قدرت حاصل تھی۔ ۱۳۴۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔"[1]

---

[1] مولانا حکیم عبدالحی: نزہتہ الخواطر، حیدرآباد دکن: ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۲۴۸ (عربی سے اردو)

حافظ نامدار خاںؒ

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں:

"حافظ نامدار خاں بسی ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ قیام دارالعلوم کے دوسرے سال ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں جب درجہ قرآن کا اجراء عمل میں آیا تو حافظ نامدار خاں اس کے معلم مقرر ہوئے اور ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء تک تقریباً ۵۵ سال درجہ قرآن شریف کی خدمات انجام دیں۔ ان کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے۔ ناظرہ پڑھنے والوں کے علاوہ ان کے فیضِ تعلیم نے سینکڑوں بچوں کو حافظ قرآن بنا دیا، جن میں دارالعلوم کے بعض بہت سے اساتذہ بھی شامل ہیں۔"[1]

امداد صابری لکھتے ہیں:

"حافظ صاحب موصوف بڑے معمر بزرگ اور نہایت عمدہ حافظ ہیں۔ آپ کی تعلیم میں خاص برکت ہے۔ نوعمری میں آپ کا قیام تھانہ بھون میں رہا اور اس زمانہ میں آپ نے حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرۃ مولانا شیخ محمد صاحب قدس سرہما کا فیض صحبت حاصل کیا۔"[2]

---

[1] ۔ سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند: دہلی ج ۱ ص ۱۷۵

[2] ۔ امداد صابری: فرنگیوں کا جال: دہلی ۔ ص ۱۸۵

منشی سید ابو سعید لکھنویؒ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"منشی سید ابو سعید صاحب حافظ سید عبدالسلام صاحب کے صاحبزادہ اور مولانا سید عبدالجلیل صاحب کے پوتے تھے۔ ان کا نام اپنے جدِ امجد حضرۃ سید شاہ ابو سعید صاحب کے نام پر رکھا گیا جو سید احمد شہیدؒ کے حقیقی نانا تھے اور ان کا شمار حضرۃ شاہ ولی اللہ صاحب کے خواص اصحاب میں تھا۔ صاحبِ علم، ہوشمند اور نہایت کریم النفس اور ہمدرد و ذی مروت انسان تھے۔

حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے تھے۔ اور حاجی صاحب کے خطوط میں ان کا ذکر ہے۔

اس تحریک کی تائید اسی خاندان کے دوسرے سرگرم رکن سید ابو سعید صاحب نے کی جو انجمن کے نائب سیکرٹری بھی تھے۔"[1]

---

[1] ۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی: حیات عبدالحی: دہلی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء ص ۱۲۵ (حاشیہ)

مولانا حافظ وحید الدین رامپوریؒ

آپ حکیم ضیاء الدین رامپوری کے قریبی عزیز اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے۔ محدث گنگوہیؒ سے استفادہ باطنی کیا۔ حاجی صاحب اور محدث گنگوہی کے آپ کے بارے میں بہت بلند کلمات ہیں۔ حاجی صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

" از اسلوبی حال عزیز وحید الدین خوشنود شدم ماللہ تعالیٰ ترقی کند بمقصود خود رساند۔۔۔۔

عزیز وحید الدین کی اسلوبی حال سے خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ترقی کرے اور اپنے مقصود پر پہنچا ئے "

محدث گنگوہیؒ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: " اب سنو! کہ بندہ تم کو اپنے سے عمدہ جانتا ہے۔ خصوصاً یہ حال جو آپ نے لکھے اس سے تو صاف ظاہر ہو گیا کیونکہ یہ احوال نصیب بندہ نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے اور بندہ کو بھی حصہ مل جائے۔ آمین "

محدث گنگوہی کے چار گرامی نامے بنام حافظ وحید الدین مکاتیب رشیدیہ میں شامل ہیں۔ حافظ وحید الدین نے حاجی صاحب کے مکاتیب جمع کئے جو "مرقومات امدادیہ" کے نام سے امداد المشتاق کا جزء بنا دیئے گئے۔ حافظ وحید الدین کے ایک صاحبزادے مولوی سعید الدین (متوفی ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء) تھے جو مدار المہام بھوپال ہوئے۔ [1]

---

[1] نور الحسن راشد: تبرکات، کاندھلہ ۔ ۱۹۷۶ء صفحہ ۵۰، ۵۱

مولوی عبد الحکیم کیرانویؒ

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"ہسوہ ہی میں مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب کی تسمیہ خوانی ہوئی اور قرآن شریف اور اردو کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ ہسوہ میں اس وقت ایک بابرکت بزرگ اور ربانی عالم مولوی عبد الحکیم صاحب (م - ۱۹۲۱ء) تھے۔ وہ کیرانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ بیعت کا تعلق حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور تلمذ کا حضرۃ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے تھا۔ انہی کے مسلک و پرتو پر تھے نیز مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ انہیں کے پاس مکتب نشینی ہوئی اور اپنے دوسرے ماموں زاد بھائیوں اور قصبہ کے بچوں کے ساتھ تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم آخر تک مولوی صاحب کا ذکر نہایت بلند الفاظ میں کرتے تھے اور ان کی شخصیت و سیرت کا اثر ان پر باقی تھا۔" [1]

---

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات عبد الحی، دہلی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء صفحہ ۲۴۳

مولانا سید کوثر علی نگینویؒ

امداد صابری لکھتے ہیں:

"مولوی کوثر علی نگینہ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ مکہ معظمہ میں ہجرت کر کے آئے اور یہیں فوت ہوئے۔ مولوی صاحب کی دو کتابیں "چشمۂ کوثر" اور "نام حق" منظوم ہیں۔ نام حق سے یہ اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ ہم کو اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

رواں نامِ حق کرتے ہیں ہم زباں پر دل و جان سے پڑھتے ہیں اس کو برابر
قدیم و حکیم اور خالق وہی ہے رؤف و رحیم اور رزاق وہی ہے
ہمیں وہ دیا پیشوا شکر حق ہے بزرگی ہیں بعد از خدا جن کا حق ہے
شریعت طریقت کا ہم سے بیاں کل مفصل انہوں نے کیا ہے عیاں کل
سدا ان پہ نازل ہو رحمت خدا کی اور ان پر جنہیں ان کی الفت علا کی
ہے مکہ میں کوثر پہ مولا نگینہ تو کر مرا مدفن بقیع مدینہ
تو کر خاتمہ میرا بالخیر یارب و کر ملتفت مجھ کو بالغیر یارب
ترا ذکر بس میرے دل کی غذا ہو تری یاد میں جان میری فدا ہو

شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد زکریا لکھتے ہیں "مولانا کوثر علی صاحب حاجی صاحب کے خواص" میں سے تھے اور ان کے حالات سنے بھی بہت مگر اس وقت بالکل یاد نہیں۔"[۲]

[۱] امداد صابری: تذکرہ شعرائے حجاز اردو: دہلی ص ۲۳۹، ۲۴۰
[۲] مولانا نسیم احمد فریدی امروہی: جواہر پارے: الفرقان: لکھنؤ: جنوری ۱۹۷۶ء ص ۹ (حاشیہ)

شیخ محمد بن غلام رسول سورتیؒ

مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

شیخ عالم صالح محمد بن غلام رسول سورتی مشہور فضلاء میں سے تھے۔ ولادت اور نشوونما سورت میں ہوئی۔ تحصیلِ علم کے لئے سفر کیا اور مفتی نعمت اللہ لکھنوی، شیخ محمد سعید عظیم آبادی اور دیگر علماء سے علم حاصل کیا اور حدیث مولانا احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری محدث سے حاصل کی۔

پھر حجاز گئے اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور شیخ رحمت اللہ بن خلیل کیرانوی اور شیخ امداد اللہ العمری تھانوی اور سید احمد ابن زین دحلان شافعی مکی سے بہت کچھ اخذ کیا۔ بمبئی میں تجارت کرتے تھے اور یہی ذریعہ معاش تھا۔

۲۲ محرم ۱۳۲۴ھ میں انتقال کیا۔"[۱]

[۱] مولانا حکیم سید عبدالحی: نزہۃ الخواطر، کراچی ۱۹۷۶ء ج ۸ ص ۲۹۹ (عربی سے اردو)

حافظ مرزا الٰہی بخش رح

موصوف مغلیہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں کاندھلہ آگئے تھے۔ کاندھلہ آکر آخون جی کی مسجد میں قیام کیا جو بہت مختصر اور تنگ تھی۔ کچھ دنوں کے بعد اپنے ہاتھوں سے اینٹیں تھاپ کر اس مسجد کی از سر نو تعمیر کی۔

مرزا الٰہی بخش، حاجی صاحب کے متوسلین خاص میں شمار ہوتے تھے۔ حج بیت اللہ کی سعادت بھی پائی۔ حافظ صاحب نے ساری عمر قرآن پاک کی تعلیم و تعلم میں گذاری۔ حافظ صاحب نے طویل عمر پاکر کاندھلہ میں وفات پائی۔ وفات غالباً ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔

مولانا محمد یعقوب نانوتوی رح ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "میاں الٰہی بخش مرحوم کے انتقال سے رنج ہوا، اللہ تعالیٰ بخشے۔ ہمارے پرانے یار تھے۔ اللہ تعالیٰ جنت میں مقام عالی نصیب کرے۔" (بیاض یعقوبی مکتوب ۳۶ موصولہ ۱۰ ربیع شعبان ۱۳۰۰ھ) ص ۱۲۲۔

ان کی کشف و کرامات کے قصے بہت مشہور ہیں[1]

---

[1] ۔ نورالحسن راشد: تبرکات، کاندھلہ: ۱۹۷۶ء ص ۳۹، ۴۰

حافظ حسام الدین رامپوری رح

حافظ حسام الدین رامپوری ــــ حکیم ضیاء الدین کے خاندان کے صاحب نسبت بزرگ تھے۔ بیعت و استفادۂ باطنی کا تعلق حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح مہاجر مکی سے رکھتے تھے۔ ان کی وفات پر حاجی صاحب نے انتہائی رنج و غم محسوس کیا، جس کا اندازہ ان سطور سے ہوتا ہے۔

"عزیز از جان حافظ حسام الدین کے انتقال کی خبر وحشت اثر سے احقر کو جس قدر رنج ہوا ہے وہ تحریر میں نہیں آسکتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ راضی برضا ہوں۔ اللہ تعالیٰ عزیز مرحوم کو قبر کے حساب و کتاب سے پاک صاف کرکے جنت الفردوس میں پہنچائے۔

---

[1] ۔ نورالحسن راشد، تبرکات، کاندھلہ مظفر نگر: ۱۹۷۶ء ص ۵۳، ۵۴

مولانا عبدالغنی میرٹھیؒ

"مولانا عبدالغنی پھلاودی ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت حاجی امداداللہ صاحب سے بیعت تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم کے وصال کے بعد مولانا احمد حسن صاحب امروہی سے علوم کی تکمیل کی۔ بعدازاں مدرسہ شاہی مرادآباد میں جہاں آپ کے استاذ صدر مدرس تھے، آپ بھی مدرس ہوگئے۔ ۱۳۰۳ھ اپنے استاذ کے ساتھ ہی امروہہ آگئے اور کئی سال مدرس رہے آخر میں خرابیٔ صحت کی وجہ سے امروہہ چھوڑ کر اپنے وطن میں مقیم ہوگئے۔"[1]

"مولانا عبدالغنی بلند پایہ درویش، بڑے جید عالم، بہترین ادیب، اردو، فارسی اور عربی کے باکمال شاعر تھے۔ حافظ کلام اللہ ہونے کی رعایت سے حافظ تخلص تھا — تاریخ گوئی میں بھی خاص مہارت تھی۔ خط نہایت پاکیزہ اور اپنے دونوں استادوں سے ملتا جلتا تھا۔ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء میں انتقال ہوا۔"[2]

[1] ۔ پروفیسر انوار الحسن: انوار قاسمی، لاہور: ۱۳۸۹ھ ج ۱ ص ۲۵۹
[2] نسیم احمد فریدی: دارالعلوم (ماہنامہ) دیوبند: ربیع الآخر ۱۳۷۱ھ ص ۲۳

حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانویؒ

"آپ جناب عبدالحق صاحب فاروقی کے فرزند ہیں۔ ۵ ربیع الآخر ۱۲۸۰ھ میں تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "کرم عظیم" ہے۔ سب سے پہلے حافظ حسین علی صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا، پھر عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا فتح محمد صاحب سے پڑھیں۔ فارسی کی کچھ اعلیٰ کتابیں اپنے ماموں واجد علی صاحب سے پڑھیں۔"[1]

"اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور ۱۳۰۱ھ میں تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ بن مولانا مملوک علی نانوتوی، مولانا احمد ہزاروی، مولانا سید احمد، مولانا عبدالعلی، مولانا محمود حسن اور ملا محمود خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔"[2]

"تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ فیض عام کانپور میں تدریسی فرائض انجام دینا شروع کئے، پھر کچھ دنوں بعد مدرسہ جامع العلوم کانپور ہی میں صدر مدرس بنائے گئے اور اس طرح کانپور میں ۱۴ برس درس و تدریس کا کام انجام دینے کے بعد ۱۳۱۵ھ میں مستقل طور پر تھانہ بھون آکر

[1] قاری فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر: مشاہیر علماء لاہور ج ۱: ص ۶۶۔
[2] ڈاکٹر اقبال حسن: مولانا محمود حسن: علیگڑھ: ص ۲۹۴

مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور ایک عالم کو رشد و ہدایت کی راہ پر لگایا۔[1]

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں۔

"آپ حکیم الامت، مشہور محدث، عارف باللہ، فقیہہ اور بزرگ تھے۔ آپ کی تقریر، تحریر، تصنیف اور تبلیغ سے لاکھوں مسلمانوں کو علمی و عملی فیض پہنچا اور ہزاروں مسلمانوں کی باطنی اصلاح ہوئی"۔[2]

علمِ قراءات کی تحصیل

علمِ قراءات کی تحصیل آپ نے شہرۂ آفاق قاری عبداللہ صاحب سے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں کی۔ قاری صاحب موصوف قرّاء عرب کے نزدیک بھی نہایت جید اور مسلّم ماہرِ فن قاری تھے۔ قراءت کی مشق کے سلسلہ میں استاذ نے انہیں ایک نہایت ہی عجیب اصول بتایا کہ لہجہ کی طرف مطلق التفات نہ کیا جائے، بس ساری توجہ مخارج کی تصحیح میں صرف کی جائے کیونکہ تصحیح مخارج کے بعد جو لہجہ بھی پیدا ہوگا مستحسن ہی ہوگا۔ اس پر عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ آواز میں اتنی دلکشی پیدا ہوگئی کہ آپ جب مدرسہ کی بالائی منزل پر قراءت کی مشق کرتے تو راہگیر آواز کی کشش پر رک جاتے اور یہ تمیز نہ کرسکتے کہ استاذ پڑھ رہا ہے یا شاگرد۔[3]

علمِ تجوید و قراءات میں آپ کی تصانیف میں جمال القرآن اور وجوہ المثانی (عربی) ہزاروں کی تعداد میں چھپ رہی ہیں، اور تجوید و قراءات

---

[1] ڈاکٹر محمد یونس ندوی: عربی علوم و فنون کے ممتاز علماء، لکھنو ص۲۷

[2] مولانا قاری محمد طیب: تاریخ دار العلوم دیوبند، کراچی: ۱۹۷۲ء ص ۵۹-۶۰

[3] منشی عبدالرحمٰن: سیرت اشرف: لاہور: ج ا ص۲۰

کے تقریباً تمام مدارس میں داخلِ نصاب ہیں۔

"وجوہ المثانی" میں آپ نے قرآن مجید کے ان تمام الفاظ کی قراءتیں بیان کی ہیں جن میں اختلاف ہے۔ قراءات کے ان تمام اختلافات کو بیان کر کے آخر میں اس فن سے متعلق کچھ اصول بھی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ قراءاتِ سبعہ کے بارے میں ہے۔

(۳) تنشیط الطبع فی اجراء السبع (اردو میں)، (۴) تسہیل القرآن اور (۵) تجوید القرآن

قاری بسم اللہ لکھتے ہیں:۔

"قاری حافظ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی۔ مولد تھانہ بھون یوپی جامع العلوم، کثیر المنفعت، بافیض متبعِ سنت، بڑے اچھے واعظ، اصلاحِ اُمت کا کام بہت کیا۔ دیوبند کے فارغ التحصیل، حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید و خلیفہ، تجوید قراءت میں آپ شیخ القراء محمد عبداللہ مہاجر مکی کے شاگرد تھے۔ ان ہی کا لب و لہجہ اختیار کیا تھا۔ ایسا پڑھتے کہ لوگ سمجھتے کہ قاری محمد عبداللہ صاحب پڑھ رہے ہیں۔ اچھے حافظ تھے۔ روزانہ تلاوت کا معمول تھا۔

فرمایا کرتے تھے کہ عالم کو مجوّد ہونا لازمی ہے۔ اس پہ بہت زور دیتے تھے اور اشاعتِ تجوید کے لئے بڑی کوشش کی۔ مذہبی اداروں کو اس طرف متوجہ کیا۔ اکثر مواعظ میں اس کا ذکر کرتے۔

آپ کی تصانیف بکثرت ہیں۔ تجوید و قراءت پر درج ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

(۱) اجمال القرآن۔ رسالہ تجوید اردو (۲) وجوہ المثانی (عربی) قراءات سبعہ میں (۳) تنشیط الطبع فی اجراء السبع اردو میں (۴) تسہیل القرآن (۵) تجوید القرآن

"برصغیر پاک وہند میں صرف آپ کا ہی واحد اور منفرد مکتب تھا جس میں اصلاح معاملت و معاشرت پر توجہ دی جاتی تھی اور مجددین میں بھی آپ پہلے مجدّدِ معاشرت تھے۔ آپ کا ارشاد ہے :۔

مجھے علم پڑھانے لکھانے کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں ہے جس قدر تہذیب و اخلاق اور دیانت پر نظر ہے، کیونکہ پڑھنے لکھنے کا تو ہر جگہ انتظام ہوتا ہے لیکن اخلاق کی طرف کسی کا خیال نہیں۔ اس طرح میں اپنے متعلقین (داخل سلسلہ حضرات) کے لئے اوراد و وظائف، اذکار و اشغال کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں کرتا جتنا اخلاق کی درستی کا خیال کرتا ہوں، کیونکہ اخلاق کا سنوارنا زیادہ ضروری ہے کوئی ذکر و شغل کرتا ہو تو مجھے اس وقت تک اس کی قدر نہیں ہوتی جب تک اس کے اعمال درست نہ ہوں۔"[1]

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں :۔

"MOULANA ASHRAF ALI THANNWI HAD PRODUCED AS MANY AS 910 BOOKS, 13 BEING IN ARABIC, WHEN HE DIED IN 1943."

---

[1] مولانا عبدالباری ندوی : جامع المجددین - ص ۲۸

[2] ABDUL HASSAN ALI : MUSLIMS IN INDIA : LUCKNOW: P: 27:

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں :۔

"یہ وہ زمانہ تھا کہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا آفتاب رشد و ارشاد نصف النہار پر تھا، آپ اگرچہ عرصہ ہوا ہندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت فرما چکے تھے لیکن آپکے باکمال خلفاء نواح سہارنپور میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، کانپور میں مولانا اشرف علی تھانوی اور الہ آباد میں مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی، حضرت حاجی صاحب کے نام اور کام کو یہاں زندہ و تابندہ بنائے ہوئے تھے۔"[1]

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :۔

"یہ مردِ درویش ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا مسلمانوں کے سارے احوال اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر نظر ڈال کر حق و باطل، نیک و بد اور صحیح و غلط کے درمیان تفرقہ کی لکیر بنانے میں مصروف تھا، اس کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی اور اس کو دیکھ دیکھ کر موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں غلطیاں تھیں وہ ان کے درست کرنے میں مصروف تھا، اس نے پوری زندگی اس امر میں صرف کردی کہ مسلم کی تصویرِ حیات کو اس شبیہ کے مطابق بنادے جو دینِ حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔"[2]

---

[1] ابوالحسن علی ندوی مولانا سید : حیاتِ عبدالحی : دہلی : ۱۹۷۰ء ص ۹۰

[2] مولانا عبدالباری ندوی : جامع المجددین : ص ۲۸

وفات ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء کو ہوئی۔ ۱؎

محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی بھی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے خلیفہ تھے۔ جنہوں نے تصوف و سلوک کے سلسلے میں تجدیدی کارنامے انجام دیئے۔ اور آپ کے اور آپ کے خلفاء کے ذریعہ جو اصلاح عام کا کام ہوا، اس کی مثال نہیں ملتی۔" ۲؎

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا:۔

حضرت تھانویؒ تصوف کے مجدد تھے۔" ۳؎

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ لکھتے ہیں:۔

"تدریسی خدمات کے علاوہ وعظ و ارشاد بھی فرمایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے لوگ آپ سے کافی قریب ہو گئے، جبکہ عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔" ۴؎

اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:۔

"وہ ایک ممتاز فاضل، عالمِ دین اور صوفی تھے اور انہوں نے نہایت ہی مصروف زندگی گزاری، ان کے اشتغال۔ تعلیم و

۱؎ قاری لسیم اللہ: تذکرۂ قاریانِ ہند: جلد ۲ ص۲۴۲

۲؎ محمد ثانی حسنی مولانا: حیاتِ خلیل: لکھنو ۱۳۹۶ھ ص۶۵

۳؎ ابوالحسن علی ندوی، مولانا: سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری: لکھنو ص۲۰۵

۴؎ خواجہ عزیز الحسن مجذوب: اشرف السوانح ج ۱: ص۴۶، ۶۰

تدریس، وعظ، خطابت اور تصنیف و تالیف تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے وقتاً فوقتاً سفر بھی کئے۔ آپ بہت پُرنویس تھے، چنانچہ ان کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے، یہ کتابیں زیادہ تر تفسیر، حدیث، منطق، کلام، عقائد اور تصوف میں ہیں۔" ۱؎

مولانا شاہ محمد سراج الیقین لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا حافظ قاری محمد اشرف علی صاحب تھانوی۔ آپ اکابر اور مشاہیر علمائے ہندوستان میں ہیں۔ درحقیقت ایسا فقیہہ اور محدث اور مفسر، واعظ، شیخ کامل مکمل صاحب نسبت اہلِ دل، شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت کا بحرِ ذخار اس وقت ہندوستان میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ... شرح دیوان حافظ اور تفسیر بیان القرآن وغیرہ آپ کی بے عدیل تصانیف ہیں۔" ۲؎

ڈاکٹر محمود محمد عبداللہ مصری لکھتے ہیں:۔

"وحكيم الامة أشرف على التهانوى الذى ترك عددًا ضخمًا من الكُتُبِ الثّمِينَةِ" ۳؎

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:۔

۱؎ مقالہ نگار: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور ج ۲ ص۹۳۷

۲؎ محمد سراج الیقین: شمس العارفین: لاہور: ص۸۲

۳؎ محمود محمد عبداللہ، ڈاکٹر مصری: اللغة العربية في باكستان، کراتشی ۱۹۸۴ء ص۶۸

"باطنی اصلاح اور تربیت کے لئے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں دو بزرگوں کی کوششیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی حاجی صاحب کے خلیفہ تھے، نصف صدی سے زیادہ انہوں نے ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کی زندگی کے مختلف گوشوں میں اصلاح کا کام کیا۔ مولانا محمد الیاسؒ۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید تھے جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انہیں عنایت فرمایا تھا اس کی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی، گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاسؒ نے کیا تھا۔" [1]

مولانا مشتاق احمد لکھتے ہیں :-

"حضرت مکرمی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے عالم و جاہل دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے روایات صحیحہ اور مضامین عالیہ نہایت آسان عبارت میں بیان فرماتے ہیں، بڑے قادر الکلام ہیں، زبردست مصنف ہیں، صدہا کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔" [2]

مولانا حسین احمد نجیب لکھتے ہیں :-

---

[1] خلیق احمد نظامی : تاریخ مشائخ چشت : اسلام آباد : ص ۲۳۴

[2] مشتاق احمد مولانا : انوار العاشقین : حیدرآباد دکن ۱۹۱۴ء ص ۸۸

"حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارنامے کی اشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ آپ کی بے شمار تصانیف ہیں، چودھویں صدی ہجری میں اس نادرِ روزگار ہستی سے بڑھ کر کوئی دوسرا کثیر التصانیف شخص پیدا نہیں ہوا، مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی بھلائی کا کوئی ایسا موضوع نہیں رہا جس میں خالص دینی رہنمائی کے لئے آپ کی تصانیف موجود نہ ہوں۔" [1]

پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی لکھتے ہیں :-

"حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی تصنیفات تقریباً ایک ہزار ہیں ان میں سے صرف تفسیر بیان القرآن اور قرآن کریم کا نہایت سادہ اور با محاورہ ترجمہ اور فوائد تفسیریہ، بہشتی زیور، البوادر النوادر، اصلاح الرسوم، نشر الطیب، الافاضات الیومیہ (خاص طور پر قابل ذکر ہیں)" [2]

آپ کی تفسیر بیان القرآن اور ترجمۂ قرآن کے بارے میں اکابر علمائے دین اور اہل علم و فضل کی آراء درج ذیل ہیں :-

---

[1] حسین احمد نجیب : مولانا اشرف علی : بینات ۱۴۰۰ھ ص ۱۷

[2] انوار الحسن : حیات امداد : کراچی ۱۹۶۵ء ص ۱۵

مفسر قرآن مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں :۔
"(تفسیر) کی خدمت و سعادت من جانب اللہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی م ۱۳۶۲ھ کے حصے میں آئی اور بیان القرآن کے نام سے ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۴ء میں ایک تفسیر لکھی جو اپنی افادیت، جامعیت اور مقبولیت میں ثری سے ثریا تک پہنچ گئی۔" [1]

امام العصر مولانا محمد انور کشمیری نے ایک صاحب سے فرمایا کہ :۔
"میں سمجھتا ہوں کہ اردو کی کتابوں میں علوم نہیں ہیں اس لئے میں کسی اور تصنیف کو دیکھنا بیکار سمجھتا تھا لیکن جب سے تفسیر بیان القرآن دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ معلوم ہوا کہ اردو کی تصانیف میں بھی اب علوم موجود ہیں اور اس وقت سے مجھے اردو کی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا اور جو بے وقعتی اردو کی کتابوں کی میرے خیال میں پہلے تھی وہ جاتی رہی۔" [2]

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن لکھتے ہیں :۔
"خواص کے لئے تفسیر بیان القرآن اور شرح مثنوی مولانا روم اور عورتوں کے لئے بہشتی زیور آپ کی ایسی گرانمایہ اور کثیر الشیوع تصانیف ہیں کہ اپنی مخصوص نوعیت کے

---

[1] مولانا محمد ادریس کاندھلوی: مقدمہ معارف القرآن: لاہور
[2] عبدالرحمٰن کوندو : الانور: دہلی ص ۳۰۸

اعتبار سے اردو کے مذہبی لٹریچر میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔" [1]

پروفیسر ڈاکٹر علامہ خالد محمود لکھتے ہیں :۔
"تفسیر بیان القرآن۔ حضرت کی یہ عظیم دینی خدمت بارہا زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے تحقیق، جامعیت اور قرآن کی ترجمانی میں اپنی مثال آپ ہے۔" [2]

پروفیسر عبدالقیوم لکھتے ہیں :۔
"مولانا اشرف علی تھانوی ـــــ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم، مفسر، مفتی اور متشرع تھے۔ بیان القرآن وغیرہ آپ کی اہم تصانیف ہیں۔" [3]

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں :۔
"آپ کا ترجمۂ قرآن مجید بہت حد تک تفسیری ترجمہ ہے، اختصار، جامعیت اور استناد اس کی خصوصیات ہیں۔ علماء اور عوام میں بے حد مقبول ہے۔" [4]

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں :۔
"حضرت تھانویؒ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنی تصانیف سے کبھی ایک پیسہ کا فائدہ حاصل نہیں

---

[1] قاری فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر: مشاہیر علماء ج ۱ ص ۶۸
[2] علامہ خالد محمود: آثار التنزیل : لاہور ۱۹۷۰ء ص ۲۰۴
[3] پروفیسر عبدالقیوم: تاریخ ادبیات : جامعہ پنجاب: ۱۹۷۲ء ج ۲ ص ۴۱
[4] مولانا محمد منظور نعمانی : الفرقان دینیات نمبر ص ۱۵، ۱۶

کیا تمام کتابوں کے حقوق طبع عام تھے اور جس کا جی چاہے انہیں چھاپ سکتا تھا' آپ کا ترجمۂ قرآن شریف بہت سلیس، سہل اور عالمانہ ہے' تفسیر بیان القرآن ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔" ؎۱

مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب لکھتے ہیں :-

"جامع اور مکمل تفسیر بیان القرآن — جو اس زمانہ میں تفسیر کے اساتذہ کے لئے بھی مشعلِ راہ ہے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی، علمی اور روحانی بصیرت کا شاہکار ہے۔" ؎۲

مولانا عبدالقیوم ندوی لکھتے ہیں :-

"اسی طرح بیان القرآن ہے اور دورِ حاضر کی تمام ضروریات کی کفیل ہے اور بہترین ہے۔" ؎۳

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تحریر فرماتے ہیں :-

"بندہ کے احباب میں بھی اول مولوی عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے ترجمہ کیا' اس کے بعد مولانا اشرف علی صاحب نے ترجمہ کیا' احقر نے دونوں ترجموں کو تفصیل سے دیکھا ہے جو ان خرابیوں سے پاک وصاف ہیں اور عمدہ ترجمے ہیں۔" ؎۴

؎۱ سید محبوب رضوی : تاریخ دار العلوم دیوبند، ج ۲ : ص ۵۲

؎۲ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی : معارف القرآن : لاہور ص ۳۶

؎۳ مولانا عبدالقیوم ندوی : تاریخ قرآن : لاہور ص ۸۷

؎۴ مولانا محمود حسن : پیش لفظ ترجمہ قرآن۔

مفسرِ قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں :-

"اب چند سال سے مسلسل مشغلہ اس بے علم و نا اہل کا خدمتِ قرآنی کا ہے۔ اپنا تجربہ یہ ہے کہ دوسرے حضرات کے ہاں اکثر اوراق پر اوراق الٹ جانے سے بھی وہ گوہر نکتے نہیں ملتے جو مفسرِ تھانوی کے یہاں چند سطروں کے اندر میسّر آجاتے ہیں۔" ؎۱

مفسرِ قرآن مولانا احمد سعید دہلویؒ لکھتے ہیں :-

"ترجمہ اور تفسیر بڑی تحقیق کے ساتھ لکھی گئی اور یقیناً اردو زبان میں اس سے زیادہ معتبر اور صحیح کوئی تفسیر ہندوستان میں نہیں ہے۔" ؎۲

پروفیسر مولانا محمد اشرف خان صاحب لکھتے ہیں :-

"حضرت تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے جامع العلوم اور مجمع المعارف والفضائل بنایا تھا' آپ ہر دینی علم و فن سے فطری مناسبت اور اس میں مہارت و کمال کا درجہ رکھتے تھے... آپ کا بڑا کارنامہ اردو کی اشرف التفاسیر — تفسیر بیان القرآن ہے جو بارہ مجلدات پر مشتمل ہے۔ اردو ترجمہ و تفسیر کے علاوہ حل لغات کے نام سے اہلِ علم کیلئے فصاحت و بلاغت و اعجاز وغیرہ کے نکات مستقلاً شائع ہیں۔ اس تفسیر کی تعریف امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری اور علامہ سید سلیمان ندوی جیسے اساطین کر چکے ہیں۔" ؎۳

؎۱ مولانا محمد عمران خان : مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں کراچی : ص ۲۸ (مولانا عبدالماجد کا مضمون)

؎۲ مولانا احمد سعید : ایمان کی باتیں : دہلی ، ص ۲۳۴

؎۳ مولانا محمد اشرف خان : البلاغ مفتی اعظم نمبر : کراچی ص ۵۸۳

مولانا عبدالرحیم لکھتے ہیں :۔

"تفسیر بیان القرآن (اردو) عالمانہ مذاق پر متوسط ضخامت کی تفسیر ہے۔ تمام لوازم تفسیر پر مختصر بحث کی گئی ہے۔

مولوی محمد اشرف علی تھانوی ــ چودھویں صدی کے علماء میں سے ہے۔ ابھی تک زندہ ہے۔ علم تفسیر وحدیث وفقہ کا متبحر حنفی عالم ہے۔ تفسیر کے علاوہ اس نے بہت سی مفید تصنیفیں کی ہیں۔ اس کا انداز اکثر محققانہ ہوتا ہے۔ نہایت متقی اور دیندار شخص ہے اور نہایت مؤثر وعظ کہتا ہے۔" ۱؎

"باوجود اختصار کے نہایت عمدہ تفسیر ہے۔ ربطِ آیات پر مختصراً بحث کرتا ہے اور ہر ایک اہم مسئلہ کے لئے (جس کا بتانا کسی آیت یا آیاتِ قرآنی کا مقصود ہوتا ہے) جداگانہ عنوان قائم کرنا اردو تفسیر میں اس کی امتیازی خصوصیت ہے۔ لغت اور محاورہ کی بھی تشریحات لکھی ہیں۔" ۲؎

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں :۔

"حضرت کا ترجمہ قرآن پاک ــ تاثیر، سہولتِ بیان اور وضوحِ مطالب میں اپنا آپ نظیر ہے۔ تفسیر القرآن کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ روح المعانی اور تفاسیر ماسبق کی اردو میں حد درجہ محتاط ترجمان ہے۔ سلوک وطریقت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔" ۳؎

۱؎ عبدالرحیم: لباب المعارف العلمیہ: لاہور: ۱۹۱۸ء: ج ۱: ص ۲۶
۲؎ " " " ج ۲ ص ۱۱
۳؎ علامہ سید سلیمان ندوی: یادِ رفتگان کراچی ۱۹۵۵ء ص ۲۸۶

مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں :۔

" اردو زبان میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "بیان القرآن" اپنے مضامین کے اعتبار سے بے نظیر تفسیر ہے اور اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب انسان تفسیر کی ضخیم کتابیں کھنگالنے کے بعد اس کی طرف رجوع کرے۔" ۱؎

دائرہ معارفِ اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ :۔

" اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳م) کا ترجمہ ومختصر تفسیر بھی اپنے مواد اور بیان کے لحاظ سے بہت پسند کی جاتی ہے۔" ۲؎

مولانا محمد مالک لکھتے ہیں :۔

" حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علیؒ کی تفسیر بیان القرآن بھی ایک نہایت بلند پایہ اور محققانہ تفسیر ہے جو متقدمین کے علوم کا لباب اور جوہر ہے عجیب مؤثر انداز اور پاکیزہ اسلوب سے مطالب قرآن کی توضیح وتفصیل کی گئی ہے۔" ۳؎

۱؎ مولانا محمد تقی عثمانی: علوم القرآن کراچی ص ۵۰۷
۲؎ دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب: لاہور ج ۶ ص ۵۳۵
۳؎ مولانا محمد مالک: منازل عرفان: لاہور ص ۳۰۴

عبدالصمد صارم لکھتے ہیں :-

"مولانا اشرف علی تھانوی ۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اور مولانا محمود حسن شیخ الہند کے شاگرد ہیں۔ ان کی تفسیر "بیان القرآن" بہترین تفسیر ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا ہے جو صحیح و مستند ہے۔"[1]

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں :-

"حضرت کی زندگی بڑی منظم تھی، کاموں کے اوقات مقرر تھے اور ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔ منتسلین کے بہت سے خطوط آتے تھے مگر بقیدِ وقت ہر ایک کا جواب خود اپنے قلم سے تحریر فرماتے تھے۔"[2]

علامہ حکیم سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں :-

"تربیت وارشاد میں مخلوق کا مرجع بنے رہے، دور دور سے لوگ خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض حاصل کرتے تھے ... آپ کے اوقات بہت منظم تھے۔ آپ ان بڑے علمائے ربانیین میں سے تھے جن کے مواعظ اور تالیفات سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بہت نفع پہنچایا۔ عقیدہ و عمل کی بہت اصلاح کی آپ سے ہزاروں مسلمانوں نے استفادہ کیا، خلافِ شرع امور کا استیصال کیا، معارف الٰہیہ میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا

---

۱ عبدالصمد صارم: تاریخ التفسیر: لاہور: ۱۹۷۱ء صہ ۴۲

۲ سید محبوب رضوی: تاریخ دار العلوم دیوبند: ج ۲ صہ ۵۴

تصنیف و تالیف میں بہت مہارت تھی۔ عصرِ حاضر میں جو قبولیت انہیں حاصل ہوئی وہ دوسرے علماء اور مشائخ کے حصّہ میں نہیں آسکی۔

آپ نہایت حسین و جمیل اور نورانی چہرے والے تھے۔ لباس بھی صاف اور عمدہ ہوتا تھا، جس میں نہ اسراف ہوتا تھا اور نہ تکلف، شیریں کلام تھے۔ اداءِ حقوق کی طرف بہت زیادہ توجہ دیتے تھے۔"[1]

مولانا سید احمد رضا بجنوری نقشبندی مجددی لکھتے ہیں :-

"حضرت تھانویؒ کی زندگی کا ایک نہایت روشن پہلو آپ کے بلند پایہ اصلاح و تجدیدی کارنامے بھی ہیں۔ آپ مسلمانوں کے عقائد و عبادات کی تصحیح کے ساتھ ان کے اخلاق، معاملات، معاشرت و عملی زندگی کی اصلاحات پر بھی پوری توجہ فرماتے تھے جو صرف آپ ہی کا حصّہ تھا۔ اس سلسلہ میں ایک نہایت جامع کتاب "حیات المسلمین" کے نام سے تالیف فرمائی جس میں قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں مسلمانوں کی دینی و دنیوی فلاح و ترقی کا مکمل پروگرام مرتب فرمایا!... آپ نے ایک عالم کو اپنے فیوضِ ظاہری و باطنی سے سیراب کیا۔ آپ کے بے شمار مواعظ، ملفوظات اور تصانیف کی روشنی سے شرق و غرب روشن ہو گئے، لاکھوں قلوب آپ کے

---

۱ علامہ عبدالحی الحسنی: نزہۃ الخواطر (عربی سے اردو ترجمہ) ج ۸: صہ ۵۹

فیض باطن سے جگمگا اُٹھے عوام وخواص، علماء واولیاء سب ہی نے آپ سے فیض پایا۔ [1]

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں :۔

"ہمارے معاشرے میں بھی اچھے واعظ ہمیشہ موجود رہے اور اب بھی موجود ہیں۔ ان میں مولانا اشرف علی تھانوی بڑے بلند پایہ واعظ ہوئے ہیں علمی اعتبار سے مولانا کو بہت اونچا مقام حاصل تھا اور ان کے مواعظ حسنہ میں ان کا یہ علمی مقام خوب خوب منعکس ہوتا تھا۔ ان کے کئی کئی گھنٹوں کے ایک ایک وعظ میں سینکڑوں ہزاروں کتابوں کا عطر سمٹ آتا ہے اور اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ان کے ایک ایک وعظ سے دورِ جدید کے مصنفین کئی کئی کتابیں لکھ سکتے ہیں۔" [2]

مولانا اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں :۔

"حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے ان مشہور و با اثر علماء میں تھے کہ جن کو تمام دیوبندی مکتبۂ فکر کے علماء قابلِ احترام سمجھتے تھے۔" [3]

مولانا عبدالماجد دریابادی اپنی دوسری ملاقات کے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں۔

---

[1] مولانا سید احمد رضا بجنوری: تذکرۂ محدثین : ص ۲۶۸

[2] مولانا کوثر نیازی : اندازِ بیاں: لاہور: ۱۹۷۵ء ص ۸۹

[3] مولانا اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علمائے پاک و ہند لاہور ص ۶۱

"اب کے حاضری کے بعد معلوم ہو گیا تھا کہ مولانا محض نور کے بنے ہوئے اور تقدس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے کروبیوں میں نہیں۔ آب و گل سے ترکیب پائے ہوئے انسانی دل، بشری جذبات رکھنے والے انسان ہیں۔ بالمومنین رؤف رحیم کے سچے جانشین، ضرورت کے وقت اور مصلحت کے ماتحت جتنے بھی سخت اور سخت گیر ہو جائیں لیکن اپنی عام طینت و خلقت کے لحاظ سے رحماء بینھم کے مصداق ہیں۔ [1]

تخیلِ پاکستان

مولانا عبدالماجد دریابادی کی پہلی ملاقات حضرت تھانویؒ سے جون ۱۹۲۸ء میں تھانہ بھون میں ہوئی تھی۔ اس ملاقات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں۔ پہلے پہل اس قسم کی آوازیں یہیں کان میں پڑیں۔ حضرت کی گفتگو میں یہ جزو بالکل صاف تھا۔" [2]

اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں :۔

"۱۹۲۸ء میں پہلی بار حاضری ہوئی تو اس ملاقات میں حضرت (تھانویؒ) نے دارالاسلام کی اسکیم خاصی تفصیل

---

[1] مولانا عبدالماجد دریابادی: حکیم الامت ص ۲۴

[2] 〃 〃 〃 : نقوش وتاثرات ص ۲۳

سے بیان فرمائی تھی کہ "جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین، تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو، بیت المال ہو، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں۔ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے یہ نتائج کہاں حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے تو صرف مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہیئے۔ اور اس کو یہ کوشش کرنی چاہیئے۔" ؎۱

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:۔

"ادھر جمعیۃ علماء ہند کے انتہا پسند عناصر تیزی سے اپنی راہ پر گامزن تھے، ادھر علماء کا ایک گروہ تھا جو اپنی قسمت کا فیصلہ ہندوؤں سے کرانا نہیں چاہتا تھا۔ مولانا اشرف علی اس کے خلاف تھے کہ مسلمان ہندو قیادت کو تسلیم کرلیں، وہ اس کے بھی حامی تھے کہ دونوں قوموں کی شدید دشمنی کی بنا پر ہندوؤں سے کسی قسم کا تعاون ممکن نہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا بھی یہی خیال تھا کہ انگریزوں کے بعد ہندو اسلام کو ختم کرنیکی کوشش کریں گے۔ مولانا اشرف علی سے جب مسلم لیگ تعاون کی خواستگار ہوئی تو مولانا نے تحریری طور پر مسلم لیگ سے کچھ سوالات کئے اور مطمئن ہونے کے بعد کھلے طور پر مسلم لیگ کی تائید کی اور بدستور کانگریس کی مخالفت کی۔ ۱۹۴۳ء میں مولانا کی وفات پر

؎۱ منشی عبدالرحمٰن : انداز سخن ص ۲۱۰

مسلم لیگ نے قرارداد تعزیت منظور کی۔" ؎۱

مولانا حافظ محمد اکبر شاہ بخاری لکھتے ہیں:۔

"حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت اور شرکت کی رائے دی، تنظیم المسلمین کے نام سے آپ کا فتویٰ شائع ہوا اس فتویٰ کے شائع ہونے کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع اور آپ کے تمام متوسلین اور خلفاء نے مسلم لیگ کی حمایت و اعانت میں سرگرم حصہ لیا اور ان تمام حضرات نے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں عملی طور پر کارنامے انجام دیئے اور پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور ان حضرات کی کوششوں سے جگہ جگہ مسلم لیگ کامیاب ہوتی رہی۔ قائد اعظم محمد علی جناح بھی حضرت تھانوی کی اس حمایت پر بڑے مطمئن اور شکر گزار تھے اور آپ کے متوسلین کی کوششوں کو ہمیشہ سراہتے، حتیٰ کہ ڈھاکہ اور کراچی میں پاکستانی پرچم کی نقاب کشائی کیلئے مولانا ظفر احمد عثمانی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کو تجویز کیا اور ان ہی کے مبارک ہاتھوں نقاب کشائی کرائی۔" ؎۲

پروفیسر احمد سعید لکھتے ہیں:۔

؎۱ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی: علماء اور پالیٹکس: ص ۳۵۲ تا ۳۶۲

؎۲ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری: اکابر علماء دیوبند لاہور ص ۴۴

" مولانا تھانوی مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کے خواہشمند تھے۔ اس کا تذکرہ ان کے ملفوظات میں اکثر ملتا ہے
۱۷ستمبر ۱۹۳۸ء کو لکھنؤ میں فرمایا:۔

" میری دلی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومتِ مسلمہ عادلہ قائم فرمائے اور میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔"

۲۰ر جولائی ۱۹۴۳ء کو مولانا تھانوی طویل بیماری کے بعد خالقِ حقیقی سے جاملے۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے مولانا کی وفات پر جو تعزیتی قرارداد پاس کی اس سے مسلم لیگ کے حلقوں میں آپ کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے مندرجہ ذیل قرارداد ۱۴ر نومبر ۱۹۴۳ء کو پاس کی۔

" آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا یہ اجلاس حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ مولانا مرحوم ایک جید عالم تھے۔ انہوں نے سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ لاکھوں لوگ ان کے مرید تھے۔ انھوں نے اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں جو خدمات سرانجام دیں ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ ان کی وفات مسلم لیگ کے لئے اس وجہ سے مزید دکھ کا باعث ہوئی کہ مولانا کی تائید و حمایت اس کے لئے بہت مددگار ثابت ہوئی جس کی وجہ سے مسلم لیگ نے ان خودغرض اور گمراہ طاقتوں کا مقابلہ کیا جو مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔

کونسل کا یہ اجلاس خداوند کریم سے یہ دعا کرتا ہے کہ مولانا کی روح کو سکون پہنچے اور ان کی روح بدستور ان لوگوں کی رہنمائی کرتی رہے جو مسلم

انڈیا کی وحدت کے لئے کام کر رہے ہیں کونسل کا یہ اجلاس مولانا کے خاندان اور لاکھوں مریدوں سے بھی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔" [1]

" ۱۹۳۹ء میں جمعیتہ علماء ہند کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ جمعیتہ کی طرف سے آپ کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی جس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

" اب تو واقعات نے مجھ کو اس رائے پر بہت ہی پختہ کر دیا کہ مسلمانوں کا خصوصاً حضرات علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا بہت ضروری ہے۔ علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنی چاہیئے اور مسلمانوں کو کانگریس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے۔"

ایک اور موقع پر کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کے متعلق فرمایا:۔

" کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنا ہے۔ مسلمانوں کا کانگریس میں شرکت کرنا اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر یا ان کو ساتھ ملا کر کام کرنا اسلام اور مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک بات ہے..... ہندو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا نہیں چاہتے، ان کا نفع تو انگریزوں کے قیام ہی میں ہے۔" [2]

---

[1] پروفیسر احمد سعید: مولانا اشرف علی تھانوی اور تحریک آزادی ص۱۴۲ تا ۱۴۵
[2] ،، ،، ،، : حصول پاکستان: لاہور ص۲۶۸ - ۲۶۹

"قیامت آجائے ہندو کبھی مسلمان کے خیر خواہ اور دوست نہیں ہو سکتے۔" ؎۱

پروفیسر محمد شفیع صابر لکھتے ہیں:۔

"مولانا (اشرف علی) تھانوی کی تجویز پر جمعیتہ علماء ہند کے مقابلے میں جمعیتہ علماء اسلام کے قیام کا اعلان ہوا جس کے صدر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ تھے۔ انہی دنوں ایک بار دہلی کے ایک تاجر نے قائد اعظم سے کہا:۔

"کانگریس کے ساتھ بہت سے علماء ہیں، آپ کے ساتھ بہت تھوڑے ہیں۔" اس پر قائد اعظم نے بے ساختہ کہا "مسلم لیگ کے پاس ایک ہی اتنے بڑے عالم ہیں جن کا علم اور تقدس اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور کانگریس کے تمام علماء کا تقویٰ، تقدس اور علم دوسرے پلڑے میں تو اول الذکر ہی کا پلڑا بھاری رہے گا۔" قائد اعظمؒ کی مراد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے تھی۔" ؎۲

منشی عبدالرحمٰن مزید لکھتے ہیں کہ قائد اعظم نے فرمایا:۔

"وہ مولانا اشرف علی تھانوی ہیں۔ جو چھوٹے سے قصبے میں رہتے ہیں مسلمانوں کو ان کی حمایت کافی ہے اور کوئی موافقت کرے یا نہ کرے

؎۱ پروفیسر احمد سعید: حصول پاکستان لاہور ص۲ بحوالہ الافاضات الیومیہ ج ۴ ص ۶۳۵

؎۲ محمد شفیع صابر "قائد اعظم اور صوبہ سرحد": لاہور ص ۱۵۷

ہمیں پرواہ نہیں۔" ؎۱

مزید لکھتے ہیں:۔

"جب مجلس دعوۃ الحق بمبئی کے ارکان قائد اعظم کے پاس بسلسلہ تبلیغ گئے اور ان سے شکوہ کیا کہ جماعت علماء آپ کی تائید میں نہیں تو قائد اعظم فوراً اُٹھ کر دوسرے کمرہ میں گئے اور ایک فائل لاکر ان کے سامنے کھولی اور فرمایا "آپ پہچانتے ہیں کہ یہ کس کی تحریر ہے؟ انہوں نے فوراً تحریر پہچان کر کہا کہ یہ تو حضرت تھانوی کی تحریر ہے۔ اس پہ قائد اعظم نے بڑے جوش کے ساتھ یہ فرمایا تھا۔" ؎۲

باغپت ضلع میرٹھ کے رئیس اعظم نواب جمشید علی خان نے راقم الحروف کو لکھا

"یہ بالکل حقیقت ہے کہ قائد اعظم کی تمام تر دینی تربیت حضرت تھانویؒ کا فیضان تھا اور ان کا اسلامی شعور حضرت والا کی بدولت تھا۔ مولوی شبیر علی صاحب تھانوی نے قائد اعظم کو حضرت والا کے قریب تر لانے میں بڑا کام کیا۔

قائد اعظم باغپت کے دوران قیام میں حضرت (تھانویؒ) کا بہت خلوص اور ادب سے تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔۔۔۔ قائد اعظم پر آخر زمانہ میں جو مذہبی رنگ غالب ہوا جس کو ہم سب نے دیکھا وہ حضرت تھانویؒ کی جوتیوں کا صدقہ تھا۔" ؎۳

؎۱ منشی عبدالرحمٰن: تعمیر پاکستان اور علماء ربانی: لاہور ص ۱۹۷

؎۲ " " " " ص ۱۹۵-۱۹۶

؎۳ " " انداز سخن " ص ۲۹۴

حکیم آفتاب حسن قرشی لکھتے ہیں:۔

"مولانا اشرف علی تھانوی کی شخصیت علماء میں یگانہ حیثیت کی حامل تھی، وہ اپنے دور کے ایک متبحر عالمِ دین صوفی اور مصنّف تھے اور لاکھوں مسلمان ان سے عقیدت رکھتے تھے، وہ بالعموم سیاست سے دُور رہتے تھے انہوں نے کبھی کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہ لیا تھا۔ انہوں نے برصغیر میں رونما ہونے والے واقعات کی بنا پر ان خطرات کو بھانپ لیا جو مسلمانوں کو پیش آنے والے تھے۔ اس موقع پر انہوں نے قائدِ اعظم اور مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کا فیصلہ کیا۔ مولانا تھانوی کے اس فیصلے سے مسلم لیگ کو بڑی تقویت ملی۔ مولانا موصوف نے قائدِ اعظم کو اسلام کے اجتماعی نظام کی طرف توجہ دلائی، قائدِ اعظم بھی حضرت مولانا تھانویؒ کے بیحد مدّاح تھے اور ۱۹۴۳ء میں جب مولانا تھانویؒ کا انتقال ہوا تو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے اپنے اجلاس میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قراردادِ تعزیت منظور کی۔" [1]

"علماء اور مشائخ آزادی کی ان تحریکات میں اس جذبے کے تحت حصہ لیتے رہے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تحریکِ پاکستان علماء اور مشائخ کے خلوص و ایثار کی دلآویز داستان ہے۔ ۔ ۔ ۔ ان میں ہر صوبے اور ہر طبقے کے علماء شامل تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

[1] حکیم آفتاب احمد و پروفیسر محمد اسلم: مطالعہ پاکستان لازمی ڈگری کلاسز کیلئے ص ۱۴۹

ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں:۔

"علماء کا جو گروہ تحریکِ آزادی میں شامل ہو کر نظریہ پاکستان کی حمایت اور مسلم لیگ کے ساتھ اشتراکِ عمل کر رہا تھا، اس میں متعدد نمایاں اور ممتاز افراد شامل تھے، جن کی رہنمائی اور سرکردگی مولانا اشرف علی تھانوی کر رہے تھے۔ وہ علمائے دیوبند میں ایک عالِم اور صوفی کی حیثیت سے ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔ سیاسی مطمحِ نظر کے لحاظ سے وہ ہمیشہ دو قومی نظریہ کی ترویج کرتے رہے۔ اس اعتبار سے انہیں کانگرس میں مسلمانوں کی شرکت پسند نہ تھی۔ وہ کانگرس میں مسلمانوں کی شرکت کو ان کی دینی موت کے مترادف سمجھتے تھے۔ وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کبھی حقیقی اتحاد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انھوں نے تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدمِ تعاون میں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کی شرکت کی مخالفت کی تھی۔ ۔ ۔ ۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان ہندو قائدین کے پیچھے چلیں۔ تاریخ کے ایک طویل دور میں جب ہندو اور مسلمان متحد نہ رہ سکے اور ان کے درمیان ہمیشہ اختلافات موجود رہے تو اب اس دور میں بھی مسلمانوں کو ہندو قائدین سے کوئی بہتر توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ وہ ایک حساس اور باخبر عالم تھے جنہیں اس وقت مسلمانوں کے زوال اور ان کے مصائب کا مکمل احساس اور شعور تھا۔" [1]

[1] ڈاکٹر معین الدین عقیل: مسلمانوں کی جدوجہد آزادی: لاہور ۱۹۸۲ء ص ۱۹۷

مولانا اشرف علی تھانوی، ... مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ ....

تحریک پاکستان میں علماء اور مشائخ کے کارنامے بڑے درخشاں ہیں۔ انہی کارناموں کی بنا پر جب پاکستان قائم ہوا تو مغربی پاکستان میں کراچی میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ نے سرکاری طور پر پرچم لہرایا اور ڈھاکہ میں یہ فرض مولانا ظفر احمد عثمانی نے انجام دیا۔ یہ پاکستان اور قائد اعظم کی جانب سے علماء اور مشائخ کے گراں بہا کارناموں کا اعتراف تھا۔ تحریکِ پاکستان کی تاریخ میں علماء اور مشائخ کے کارنامے ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔" [۱]

صوفیانہ مسلک

آپ حج کے لئے حرمین شریفین پہنچے اور وہاں شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر منازلِ سلوک طے کر کے ان کے خلیفہ مجاز [۲]، ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آپ حضرت حاجی صاحب ؒ کے ممتاز اور محبوب خلفاء میں سے تھے۔

منشی عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:۔

"روحانی تربیت آپ نے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے پائی، اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ، اور قطب عالم حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن مراد آبادی سے روحانی طور پر فیضیاب ہوتے رہے اور ان کی دعائیں لیتے رہے۔" [۳]

---

[۱] حکیم آفتاب حسن قریشی: مطالعہ پاکستان: ص ۱۵۴

[۲] سید نفیس الحسینی: احوال و آثار شیخ العرب والعجم: لاہور: ص ۲۲

[۳] منشی عبدالرحمٰن: معماران پاکستان: لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۸۵

بزرگان دین سے عقیدت و محبت

آپ کو بزرگانِ دین اور اولیائے کرام سے خاص عقیدت و محبت تھی۔ آپ اپنے زمانہ کے تمام بزرگانِ دین سے ملے ہیں اور ہر ایک سے دعا و توجہ اور لطف و عنایت کے ذریعہ استفادہ باطنی کیا ہے۔ آپ فرماتے تھے :۔

"بزرگوں کے ناموں سے بھی روح میں تازگی اور قلب میں نور پیدا ہوتا ہے۔" "بزرگانِ دین اور اولیائے کرام خدا اور رسول کے عاشق ہیں اس لئے ممکن نہیں کہ ان کے حالات پڑھے جائیں اور قلب میں محبتِ الٰہی پیدا نہ ہو۔"

ایک صاحب نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت آپ نے اس قدر کتابیں تحریر فرمائی ہیں تو ہزاروں کتابیں دیکھی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا :

"ہاں چند کتابیں دیکھی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ ؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی ؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ ان کتابوں نے مجھے دوسری تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیا۔"

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "الحمدللہ! میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے کسی بزرگ کو ایک منٹ کے لئے بھی مکدر نہیں کیا۔" [۱]

---

[۱] نجم الحسن تھانوی، مولانا: حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی: مظفر نگر یوپی: ص ۲۲-۲۳۔

ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی تحریر فرماتے ہیں :۔

"۱۳۱۵ھ میں جب آپ کانپور سے تھانہ بھون تشریف لے گئے تو آپ کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے آپ کو ان الفاظ میں گرامی نامہ لکھا۔

"بہتر ہوا آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے، امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا، اور آپ ہمارے مدرسہ اور خانقاہ کو از سر نو آباد کریں۔ میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور آپ کا مجھے خیال رہتا ہے"[۱]

پروفیسر احمد سعید لکھتے ہیں :۔

"مولانا اشرف علی تھانوی دیوبند کے اس مکتبۂ فکر کی سربراہی کرتے تھے جو تحریک پاکستان کا دل و جان سے حامی تھا۔ قائد اعظم کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی نہایت عمدہ رائے رکھتے تھے، قائد اعظم اور مولانا اشرف علی تھانوی کے درمیان باقاعدہ خط و کتابت ہوتی تھی۔ خوش قسمتی سے قائد اعظم کے کاغذات میں مولانا تھانوی کا ایک خط دستیاب ہوا ہے یہ خط[۲] ۱۹۳۸ء میں قائد اعظم کو لکھا گیا تھا، مولانا تھانوی، قائد اعظم محمد علی جناح کو پکا مسلمان اور اسلام کا سچا خادم سمجھتے تھے۔

اس کی تائید مولانا ظفر علی خان نے اپنی ایک نظم "بڑا مولوی"

---

[۱] محمد عبدالحی ڈاکٹر : بصائر حکیم الامت : کراچی ص ۴۲

[۲] قائد اعظم کے کاغذات، فائل نمبر ۱۰۹۲/ ص ۲۹۴

میں کی ہے، اس کا آخری شعر ملاحظہ ہو :۔

سمجھ لوں میں جینا کو کیونکر مسلماں
کوئی میں بھی اشرف علی تھانوی ہوں[۱]

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال لکھتے ہیں :۔

"میں مثنوی مولانا روم کی تفسیر میں مولوی اشرف علی تھانوی کا مقلد ہوں۔"[۲]

حکیم آفتاب احمد قرشی لکھتے ہیں :۔

"مولانا اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے، حضرت مولانا تھانوی بڑے دردمند بزرگ تھے۔ ان کے شب و روز مسلمانوں کے بارے میں غور و فکر میں گزرتے تھے۔ ان کی ۱۹۲۸ء سے رائے تھی کہ ایک خطہ پر اسلامی حکومت ہونی چاہیئے۔۔ مولانا تھانوی نے گویا ۱۹۲۸ء ہی میں ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کی تمنا کی تھی قائد اعظم نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر مسلمانوں کو ۱۹۳۵ء میں منظم کرنے کا عزم کیا تو ہندوستان بھر میں جن اکابر نے سب سے زیادہ تعاون کیا ان میں حضرت تھانوی سرفہرست تھے۔"[۳]

---

[۱] مولانا ظفر علیخان : چمنستان : لاہور ۱۹۴۴ء بحوالہ حیات قائد اعظم چند نئے پہلو ص ۱۱

[۲] علامہ اقبال : مقالات اقبال : بحوالہ اعجاز الحق اقبال اور علمائے پاک و ہند لاہور ص ۶۱

[۳] آفتاب احمد قرشی : کاروانِ شوق : مطبوعہ جامعہ پنجاب لاہور ص

وصال:۔ ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ ۱۹ ، ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب میں تھانہ بھون میں اس جہان فانی کو خیر باد کہا[1] کل عمر ۸۲ سال تین ماہ دس یوم ہوئی۔[2] تھانہ بھون میں حافظ ضامن شہید کے مزار کے قریب انہی کے باغ میں جسے انہوں نے خانقاہ امدادیہ کے نام سے وقف کر دیا تھا دفن کیا گیا مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا جمیل احمد جونپوری نے درج ذیل عربی شعروں میں تاریخ وفات لکھی ہے۔

کان الفقیہ الصالح اشرف علی　　میلادہ کرمٌ عظیمٌ ماخفی
۱۲۸۰
والعمر مدتھا إمامٌ لاخِفا　　قد مات فی الغفران احفظ یا اخی
۱۳۶۲ھ

حضرت کے وصال پر تعزیتی نوٹ اور جو مرثیے شائع ہوئے وہ تعداد میں کافی ہیں، دو عربی مرثیے تو علامہ ظفر احمد عثمانی کے قلم سے ہیں، ایک علامہ حافظ محمد ادریس کاندھلوی اور ایک مولانا سراج الحق مچھلی شہری کے قلم سے ہے۔ ان میں مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلوی کا لکھا ہوا قصیدہ پیش خدمت ہے:

---

[1] مولوی شاہد: تاریخ مظاہر: سہارنپور: ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء صفحہ ۱۴۷

[2] فیوض الرحمٰن با الشیخ اشرف علی وبعض تلامیذہ رح) صفحہ ۲۴۳

[3] 〃 〃 〃 〃 صفحہ ۲۴۳

مرثیۃ حکیم الامۃ الشیخ التھانوی[1]

لَقَدْ قُبِضَتْ رُوْحُ الْعُلٰی وَالْمَکَارِمِ
بِمَوْتِ حَکِیْمِ الْھِنْدِ اَشْرَفِ عَالِمِ
وَقَدْ قُبِضَتْ رُوْحُ الْفَضَائِلِ وَالْھُدٰی
بِمَوْتِ اِمَامِ الْھِنْدِ رَأْسِ الْاَکَارِمِ
تَقِیٌّ نَقِیٌّ عَالِمٌ اَیُّ عَالِمٍ
وَمَوْتَتُہٗ وَاللّٰہِ مَوْتَۃُ عَالَمٍ
وَکَانَ جُنَیْدَ الْوَقْتِ نُعْمَانَ عَصْرِہٖ
وَفِی الْبَحْثِ کَالرَّازِیِّ عِنْدَ التَّخَاصُمِ
وَکَانَ خَطِیْبًا مِصْقَعًا اَیَّ مِصْقَعٍ
مَوَاعِظُہٗ مَشْھُوْرَۃٌ فِی الْعَوَالِمِ
لَقَدْ جَمَعَ الْعِلْمَیْنِ ظَھْرًا وَبَطْنَہٗ
لَقَدْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ مِنْہُ لِشَائِمِ
وَقَدْ کَانَ فِی التَّفْسِیْرِ اٰیَۃَ رَبِّہٖ
ھَمٰی عِلْمُہٗ مِثْلَ الْحَیَا الْمُتَرَاکِمِ
وَاَحْیٰی عُلُوْمَ الدِّیْنِ مُدَّۃَ عُمْرِہٖ
وَمَاخَافَ فِیْ مَوْلَاہُ لَوْمَۃَ لَائِمٍ
تَصَانِیْفُہٗ سَارَتْ بِشَرْقٍ وَّمَغْرِبٍ
وَقَدْ بَلَغَتْ اَلْفًا فَھَلْ مِنْ مُسَاھِمِ

---

[1] یہ مرثیہ مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلوی نے حضرت کے وصال پر لکھا تھا۔

وَصَنَّفَهَا لِلّٰهِ يَبْغِيْ بِهَا الرِّضٰى
وَمَا بَاعَ تَصْنِيْفًا لَهٗ بِالدَّرَاهِمِ
بَكَتْهُ بِلَادُ الْهِنْدِ حَقًّا جَمِيْعُهَا
وَقَدْ بُدِّلَتْ أَعْرَاسُهَا بِالْمَآتِمِ
وَحَقٌّ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْعِلْمِ وَالتُّقٰى
لِفَقْدِكَ تَذْرَافُ الدُّمُوْعِ السَّوَاجِمِ
تَزَعْزَعَ بُنْيَانُ الشَّرِيْعَةِ وَالتُّقٰى
وَصَارَ بِنَاءُ الدِّيْنِ وَاهِيَ الدَّعَائِمِ
وَقَدْ مَالَ طَوْدُ الْفَضْلِ مِنْ بَعْدِ مَا رَسٰى
وَقَدْ غَاضَ بَحْرُ الْعِلْمِ بَعْدَ التَّلَاطُمِ
وَقَدْ كُوِّرَتْ شَمْسُ الْمَعَارِفِ وَالتُّقٰى
وَقَدْ صَارَ بَدْرُ الْعِلْمِ تَحْتَ الْغَمَائِمِ
وَمَنْ لَمْ يُشَاهِدْ مَوْتَ عِلْمٍ وَحِكْمَةٍ
أَلَا فَلْيُشَاهِدْ هٰكَذَا غَيْرَ حَالِمِ
فَمَنْ لِلْفَتَاوٰى وَالْمَعَارِفِ بَعْدَهٗ
وَتَلْقِيْنِ أَذْكَارٍ وَإِيْقَاظِ نَائِمِ
فَقَدْنَاكَ مَنْ شَاءَ بَعْدَ فَلْيَمُتْ
فَرُزْءُكَ رُزْءٌ جَلَّ عَنْ وَهْمِ وَاهِمِ
وَلَمْ يُبْقِ لِلْعَيْنَيْنِ بَعْدَكَ مَدْمَعًا
وَصَغَّرَ لِيْ كُلَّ الرَّزَايَا الْعَظَائِمِ

فَقَدْنَاكَ مِثْلَ الْأَرْضِ تَفْتَقِدُ وَبْلَهَا
وَكَيْفَ حَيَاةُ الْأَرْضِ مِنْ دُوْنِ سَاجِمِ
كَفَانِيْ حُزْنًا أَنْ تَخَلَّفْتُ بَعْدَهٗ
أُبَكِّيْ مَعَ الْبَاكِيْنَ مِثْلَ الْحَمَائِمِ
عَفَاءٌ عَلَى الدُّنْيَا إِذَا غَابَ نُوْرُهَا
وَغَارَتْ عُيُوْنُ الْعِلْمِ تَحْتَ التَّهَائِمِ
فَفِيْنَا عَزَاءٌ وَالْمَلَائِكُ تُنْشِدُ
عَلَى الطَّائِرِ الْمَيْمُوْنِ يَا خَيْرَ قَادِمِ
وَقَدْ جَدَّدَ الْأَحْزَانَ رُزْءُ وَفَاتِهٖ
وَجَدَّدَ لِيْ رَسْمَ الْجُرُوْحِ الطَّوَاسِمِ
وَذَكَّرَنِيْ رُزْءَ الْخَلِيْلِ[1] وَأَنْوَرٍ[2]
وَرُزْءَ عَزِيْزٍ[3] قَائِمِ اللَّيْلِ صَائِمِ

---

[1] وهو الشيخ العالم خليل احمد المحدث المهاجر المدني صاحب بذل المجهود في شرح سنن أبي داود وكان من اساتذة الشيخ محمد ادريس الكاندلوي

[2] وهو امام العصر محمد أنور الكشميري شيخ الحديث بجامعة ديوبند الإسلامية ودابھيل وهو أيضا من اساتذته.

[3] والشيخ عزيز الرحمن المفتي كان من كبار العلماء وأستاذ جامعة ديوبند الإسلامية وكان من علماء الصالحين والشيخ عزيز الرحمن العثماني المفتي كان من أساتذة الشيخ الكاندلوي رحمهم الله أجمعين.

وَلَا غَرْوَ فِیْ هٰذَا فَکَانَ مُجَدِّدًا
لِمِلَّةِ خَیْرِ النَّاسِ مِنْ اٰلِ هَاشِمٖ
وَجَدَّدَ رَسْمَ الدِّیْنِ بَعْدَ دُرُوْسِهٖ
وَکَانَ إِمَامًا لِلْوَرٰی لَمْ یُزَاحِمٖ
فَیَا لِمُصَابٍ قَدْ أَعَادَ مَصَائِبًا
رُزِئْنَا بِهَا فِیْ عَهْدِنَا الْمُتَقَادِمٖ
وَلَوْ قُبِلَ الْمَوْتُ الْفِدَاءَ لَکُنْتُهٗ
وَعَادَتْ حَیَاةُ الْعِلْمِ عِیْشَةَ نَاعِمٖ
وَأَیْتَمْتَ أَهْلَ الْعِلْمِ یَا عَلَمَ الْهُدٰی
فَمَنْ ذَا الَّذِیْ نَدْعُوْ لِرَغْمِ الْمُخَاصِمٖ
وَأَوْرَثْتَنَا عِلْمًا وَأَوْرَثْتَنَا الْأَسٰی
وَلِیْ مِنْهُمَا لَحَظٌّ نَصِیْبُ الْمُقَاسِمٖ
عَلَیْكَ سَلَامُ اللّٰهِ یَا قَبْرَ أَشْرَفٍ
وَرَحْمَتُهٗ تَتْرٰی کَجُوْدِ الْغَمَائِمٖ
وَبَوَّأَكَ الرَّحْمٰنُ خَیْرَ مُبَوَّءٍ
وَأَرْضَاكَ رَبُّ الْعَرْشِ أَرْحَمُ رَاحِمٖ
وَأُهْدِیْكَ یَا نَجْمَ الْهُدٰی أَحْسَنَ الدُّعَا
وَتَسْلِیْمَ مُشْتَاقِ الْفُؤَادِ دِوَ هَائِمٖ
جَزَاكَ إِلٰهُ الْعَرْشِ خَیْرَ جَزَائِهٖ
فَقَدْ کُنْتَ لِلْإِسْلَامِ أَحْسَنَ خَادِمٖ[1]

---

[1] طبعت هذه المرثیة فی مجلة "برهان" الشهریة دلهی دیسمبر ۱۹۴۳ء
ص ۷۲ الی ۷۵ -

مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

(۱۸۲۳ء —— ۱۸۸۵ء)

شیخ عالم محدث محمد مظہر بن لطف علی بن محمد حسن صدیقی حنفی نانوتوی فقہ وحدیث کے ممتاز علماء میں سے تھے، ولادت اور نشو و نما نانوتہ، ضلع سہارنپور میں ہوئی، تحصیل علم کے لیے دہلی کا سفر کیا، مولانا مملوک علی، شیخ صدرالدین، شیخ رشیدالدین اور حدیث کی بعض کتابیں شیخ اجل محمد اسحاق بن محمد افضل دہلوی سے پڑھیں، ایک عرصہ تک مطبع نولکشور میں تصحیح کا کام کرتے رہے، طلبہ ان سے فقہ، اصول اور کلام کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے، اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جن سے امام محمد قاسم نانوتوی نے پڑھا ہے، ان سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر صدارت تدریس پر فائز ہوتے اور اپنی تمام صلاحیتیں کتاب وسنت کی تدریس میں لگا دیں۔

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں شوال ۱۲۸۳ھ میں علوم وفنون کی تدریس پر مامور ہوتے، اور یہ وہ مبارک مدرسہ ہے جس کی تاسیس مولانا سعادت علی سہارنپوری کے ہاتھوں ہوئی، اور وہ سید امام شہید احمد بن عرفان بریلوی کی جماعت کے ایک فرد تھے، بڑے متبحر عالم فنون کے بھی ماہر تھے، امام رشید احمد بن ہدایت احمد گنگوہی کے ہاتھ پر بیعت ہوتے اور انھوں نے آپ کو اجازت بیعت سے نوازا، قرآن مجید کی بہت تلاوت کرتے تھے، ہمیشہ ذکر میں لگے رہتے، اسم ذات کے ذکر سے زبان تر رہتی تھی، تکلف سے کوسوں دور، زاہد، پرہیزگار، صاحب وقار اور بارعب تھے۔

بروز اتوار ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی، ان کی وفات پر مولانا محمد سعید نے درج ذیل مصرعہ میں تاریخ نکالی۔

عہ زمین جہاں نقل مکان کرد بدار جنات[1]

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا لکھتے ہیں:۔

دوسرا حادثہ جو سابقہ جملہ حوادث سے کہیں زیادہ تھا وہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کا وصال تھا جو ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ مطابق اکتوبر ۱۸۸۵ء کی شب میں آٹھ بجے کے قریب بمرض دردگردہ پیش آیا، حضرت ممدوح نوراللہ مرقدہ گویا ابتداء مدرسہ سے اب تک علاوہ انتہا تعلیم کے ہر نوع کا جزوی نظم فرماتے تھے، مدرسہ کی ہر نوع کی خبر گیری نگرانی حضرت ہی کے حوالہ تھی۔ اس حادثہ کی وجہ سے عام طلبہ پر بالخصوص طلبہ حدیث پر اثر ہونا یقینی تھا۔ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب اعلیٰ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے عمر میں بڑے تھے لیکن حضرت کے خلفاء اور محبوب خدام میں سے تھے، مولانا عاشق الٰہی تذکرۃ الرشید میں تحریر فرماتے ہیں "مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی عمر میں حضرت امام ربانی سے بڑے تھے مگر عقیدت کے اعتبار سے گویا حضرت کے جاں نثار خادم اور عاشق جانباز تھے"[3]

اور یہ بھی لکھا گیا ہے "حضرت مولانا الحاج محمد مظہر صاحب مدرس اول (مظاہر العلوم) شوال ۱۲۸۳ھ تا ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ میں شب کو ۸ بجے بمرض دردگردہ انتقال فرمایا"[4]

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری لکھتے ہیں:۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے قصبہ کے مکتب میں حاصل کی ہے اور عربی اور فارسی اور دیگر علوم و فنون کی تکمیل دہلی میں حضرت مولانا مملوک علی صاحب، مفتی صدر الدین صاحب، مولانا رشید الدین صاحب سے کی ہے

---

[1] مولانا حکیم عبدالحی: نزہۃ الخواطر: حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء: ج ۸ ص ۴۵۵ (عربی سے، اردو)

[2] مولانا محمد مظہر صاحب کے کچھ مزید حالات اخبار "شفاء الصدور" عربی بابت ماہ اکتوبر ۱۸۸۵ء میں موجود ہیں۔

[3] مولانا محمد زکریا: تاریخ مظاہر: دیوبند: ۱۳۹۲ھ ص ۵ (مولانا عاشق الٰہی: تذکرۃ الرشید ص ۱۸۱)

[4] مولانا محمد زکریا: تاریخ مظاہر، دیوبند، ۱۳۹۲ھ ص ۱۵۷۔

حدیث حضرت شاہ محمد اسحاق سے پڑھی ہے۔ ابتداء میں آپ مطبع نول کشور لکھنؤ میں کتابت کرتے تھے۔ جب سہارنپور کا مدرسہ قائم کیا گیا تو آپ اس کے سب سے پہلے مدرس و صدر مدرس ہوئے اور آپ ہی کے نام پر اس کا تاریخی نام "مظاہر علوم" رکھا گیا۔ آخر عمر تک مظاہر علوم سہارنپور میں خدماتِ تدریس انجام دیتے رہے۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مقدمہ اوجز المسالک میں تحریر فرماتے ہیں "ومن مفاخرہ ان الشیخ العلامۃ بحر العلوم النانوتوی اخذ عنہ بعض الکتب الابتدائیۃ" (ص ۴۳) کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے آپ سے بعض ابتدائی کتابیں پڑھی ہیں[1]

پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں:۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی ابن حافظ لطف علی ۱۸۲۳ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و حفظ قرآن اپنے والد سے کیا۔ "دہلی کالج" دہلی میں تعلیم حاصل کی، مولانا مملوک العلی نانوتوی کے سامنے زانوئے ادب طے کیا، حدیث کی سند حضرت شاہ محمد اسحاق سے حاصل کی۔ مولانا تحصیل علم کے بعد اجمیر کالج میں ملازم ہو گئے، وہاں سے آگرہ کالج تبادلہ ہوا، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا،

مولانا محمد مظہر کے پیر میں گولی لگی تھی، جہاد شاملی کے بعد تمام شرکاء مصائب و آلام میں مبتلا رہے۔ کچھ دنوں بریلی رہے، جب معافی عام ہوئی تو ظاہر ہوئے۔ ملازمت سرکاری سے قطع تعلق ہو گیا، گھر پر طلبہ کو درس دینا شروع کر دیا۔ مولانا کی شرکتِ جہاد کا حال اخفاء و پوشیدگی کی نذر ہو گیا[2]

رجب ۱۲۸۳ھ میں مولوی سعادت علی سہارنپوری نے ایک مدرسہ سہارنپور میں جاری

---

[1] مولانا عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند، کراچی، ۱۹۶۴ء ص ۱۸۱، ۱۸۲۔

[2] مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری کا یہ بیان درست نہیں کہ مولانا محمد مظہر نے کچھ دنوں مطبع نولکشور میں کتابت فرمائی۔

کیا، مولوی سخاوت علی انبیٹھوی، مولوی عنایت علی اور حافظ قمر الدین مدرس ہوئے۔ تین مہینے کے بعد شوال ۱۲۸۳ھ میں مولانا محمد مظہر نانوتوی اس مدرسہ کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس مقرر ہوئے۔ جب مدرسہ کی ترقی ہوئی تو حافظ فضل حق نے اپنے مکان کو مدرسہ کے لئے وقف کر دیا، مکان کی عمارت کو توڑ کر مدرسہ کی عمارت تعمیر کی گئی۔ حافظ فضل حق (ف ۱۳۰۲ھ) مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے مرید اور مولانا محمد مظہر صاحب کے مخلص دوست تھے، مدرسہ تعمیر ہونے کے بعد مدرسہ کا نام مظاہر العلوم تجویز ہوا۔[1]

۱۲۷۷ھ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے ہمراہ مولانا محمد مظہر نے پہلا حج کیا، ۱۲۹۵ھ میں دوسرا حج کیا۔ مولانا محمد مظہر کے تعلقات مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے بہت خصوصیت کے تھے۔[2]

مولانا محمد مظہر حدیث و فقہ میں بڑا درک رکھتے تھے۔ مولانا محمد احسن نانوتوی نے جب مولانا خرم علی بلہوری کے ورثاء سے درمختار کا اردو ترجمہ اشاعت کی غرض سے خریدا تو اس کتاب کے بقیہ ترجمے اور صحت و درستی میں مولانا محمد مظہر پورے پورے شریک رہے، جیساکہ مولانا محمد احسن نے کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔[3]

مولانا محمد مظہر نانوتوی نہایت متقی، پرہیزگار، منکسر المزاج اور نیک نفس بزرگ تھے ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں سہارنپور میں لاولد فوت ہوئے، آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے ممتاز علماء مثلاً مولانا خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہ تھے۔[4][5]

---

[1] مظاہر العلوم کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو فرنگیوں کا جال: مولانا امداد صابری دہلی ۱۹۴۵ء صـ۱۸۹،
[2] مولانا منصور علی خان: مذہب منصور: حیدرآباد دکن۔ ج ۲ صـ۱۸ [3] ملاحظہ ہو نہایۃ الادکار صـ۶ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ [4] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الخلیل: کراچی ۱۹۷۱ء صـ۲۱ [5] پروفیسر محمد ایوب قادری: نانوتہ کے دو فرزند: دارالعلوم (ماہنامہ) دیوبند: دسمبر ۱۹۶۹ء صـ۱۳، ۱۴۔

مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری لکھتے ہیں :۔

"حضرت مولانا محمد مظہر صاحب اگر ایک طرف آزادئ ہند کے مجاہد، میدان جہاد میں انگریزوں سے نبرد آزما ہونے والے تھے تو دوسری طرف اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے قلب میں ایک خاص مقام لئے ہوئے تھے، اس کا اندازہ اعلیٰ حضرت کے اس مکتوب سے ہوتا ہے جس میں تحریر فرمایا ہے کہ :۔

"اس یگانۂ زمانہ کو اپنی جماعت میں اپنے دوستوں سے شمار کرتا ہوں اور دعائے خیر سے غافل نہیں، خاطر جمع فرمائیں" (مرقومات امدادیہ صفحہ ۲۲۶)

نیز لکھتے ہیں :۔

پوری تحقیق کے بعد جن حضرات کے متعلق کسی شیخ کامل کی جانب سے خلیفہ اور مجاز بیعت ہونا معلوم ہو سکا ان کے اسماء سامی یہاں لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ استاذ حدیث مجاز بیعت اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی و محدث گنگوہی حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ ۔

۲۔ مولانا سخاوت علی انبیٹھوی مجاز بیعت اعلیٰ حضرت مہاجر مکیؒ سرپرستان مدرسہ میں سے جو مجاز بیعت ہیں ۔[1]

۱۔ حضرت مولانا فیض الحسن صاحب ادیب مجاز بیعت اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ[2] ۔

---

[1] ۔ محمد شاہد : علمائے مظاہر : ج ۱ صـ۱۹۵
[2] ۔ " " " صـ۱۶۵، ۱۹۶

سر سید احمد خاں بہادر (ف ۱۸۹۸ء) لکھتے ہیں:۔

مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم! افسوس کہ مولوی محمد مظہر صاحب نے جو عربی مدرسہ سہارنپور میں مدرس تھے اور ان ہی کی ذات بابرکات سے اس مدرسہ کی عزت اور رونق تھی بروز شنبہ ۲۱ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو انتقال فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون، مولوی صاحب ممدوح بہت بڑے عالم تھے، جس زمانے میں دہلی میں طالب علم تھے اسی زمانے میں ان کی ذہانت مشہور تھی، تقویٰ و ورع میں بھی نہایت اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ بیس برس سے انہوں نے اپنے ہم قوموں کو علوم دینی کی فیض رسانی پر کمر ہمت چست باندھی تھی اور عربی مدرسہ سہارنپور میں باشکستہ ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ آمدنی مدرسہ سے پچیس روپے ماہوار بقدر گزر اوقات لیتے تھے اور علوم کی تعلیم میں مصروف تھے، بہت لوگ ان سے فیض یاب ہوئے مگر افسوس ہے کہ اجل نے لوگوں کو اس فیض سے محروم کر دیا۔[1]

آپ کو حضرت حاجی صاحبؒ نے بھی خلافت سے نوازا تھا[2]

[1] سر سید احمد خاں بہادر: علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ: علی گڑھ، ۱۰ اکتوبر ۱۸۸۵ء۔ بحوالہ دار العلوم دسمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۲ و محمد ایوب قادری، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، کراچی: جون ۱۹۷۶ء صفحہ ۶۰۵۔

[2] محمد شاہد: تاریخ مظاہر۔

مولانا عبد الواحد بنگالیؒ[1]

۱۲۴۵ — ۱۳۲۵ھ

آپ ۱۲۴۵ھ کو ہولہ" ضلع چاٹگام بنگال میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد منصف تھے۔

مدرسہ محسنیہ چاٹگام کے اساتذہ سے درسی کتابیں پڑھیں، پھر دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی

آپ محنتی طلبہ میں سے تھے۔

فراغت کے بعد وطن واپس آئے اور دینی خدمات میں لگے رہے۔

۱۳۲۰ھ میں دار العلوم ہاٹھزاری چاٹگام کی بنیاد رکھی اور عمر بھر درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رہا۔

بنگال میں تحریک علومِ صحیحہ کے محرک اوّل آپ تھے، اگر یہ کہا جائے کہ بنگال میں بدعات کو مٹانے اور سنت کے احیاء کے اصل اصول آپ تھے تو یہ بالکل بجا ہے۔

آپ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔

اپنے مرشد کے حکم سے چاٹگام اور اس کے اطراف میں رشد و ہدایت کے کام میں لگے رہے۔

۱۳۲۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔[2]

مولانا فیض احمد لکھتے ہیں:۔

[1] ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن: الشیخ محمد یعقوب و بعض تلامیذہٗ، [2] فیض احمد: تذکرہ ضمیر: صفحہ ۳۹، ۴۰

آپ "ہولہ" چاٹگام کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کے والدِ محترم منصف تھے، آپ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے خاص مجاز تھے۔

اپنے مرشد کے حکم سے اللہ کی مخلوق کی ہدایت کے لئے مرادآباد سے چاٹگام آئے، یہاں کی ظلمت سے گھبرا کر دوبارہ اپنے مرشد کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے، انہوں نے پھر اسی علاقہ میں دینی کام کے لئے بھیجا۔ چاٹگام میونسپلٹی کے قریب ٹوپیوں کی دکان کر لی آپ کے علم و عمل سے مسلم و غیر مسلم سب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

۱۳۲۱ھ میں آپ کی تحریک سے دارالعلوم ہاٹھزاری کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں سے ہزاروں کی تعداد میں علماء و صلحا فارغ ہو کر نکلے اور اطراف بنگال اور برما میں خدمات انجام دینے لگے بنگال میں احیائے سنت کا کام آپ کے ہاتھوں بہت ہوا۔"[1]

---

[1] یہ چند باتیں "تذکرہ ضمیر" سے ماخوذ ہیں۔

مولانا بدرالدین پھلواری

(۱۲۶۸ — ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء)

آپ علم و عرفان کے اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو برابر چھ سو برس سے علمی، دینی اور روحانی خدمات انجام دے رہا ہے۔

آبائی سلسلہ نسب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے اور مادری سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رح تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد شاہ شرف الدین نہایت جید الاستعداد اور بالغ النظر عالم دین تھے۔[1]

آپ ۲۷ رجادی الاخری ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء پھلواری شریف ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔

اپنے والد شاہ علی حبیب نصر، مولانا آل احمد محدث مہاجر مدنی سے درسیات کی تکمیل کر کے سند حاصل کی۔ بہت کم سنی ہی میں درسیات سے فارغ ہو گئے تھے۔

پھر دارالعلوم خانقاہ مجیبیہ کی مسندِ تدریس کو زینت بخشی، تفسیر، حدیث اور تصوّف کی کتب زیر درس رہیں۔ اس عرصہ میں سینکڑوں طلبہ آپ سے پڑھ کر فارغ ہوئے۔[2]

---

[1] وہ متعدد اہم رسائل و کتب کے مصنف کی حیثیت سے علمی حلقوں میں معروف و مشہور تھے۔

[2] ان میں آپ کے فرزند مولانا شاہ محی الدین، حکیم حبیب الحسنین، مولانا سید معین الدین، حافظ انور علی مونگیری اور مولانا محمد بادشاہ نواکھلی خاص طور پر شامل ہیں۔

۱۰ ربیع الاوّل ۱۲۸۳ھ کو اپنے استاذ شیخ علی جبیب نصر کے ہاتھ پہ بیعت ہوئے اور منازلِ سلوک طے کرکے ۲۳ ذیقعدہ ۱۲۹۰ھ میں اجازت وخلافت عطا ہوئی۔ آپ کے شیخ اپنے مریدوں کو تعلیم وتلقین اور تصحیح اذکار کے لئے آپ کے پاس بھیجنے لگے۔ اس سے پہلے آپ کے چچا حضرت شاہ فضل اللہؒ آپ کو سلاسل جنیدیہ ومجیبیہ کی اجازت وخلافت عطا فرما کر خانقاہ جنیدیہ میں اپنا جانشین بنا چکے تھے۔ ۱۳۰۹ھ میں آپ سجادہ نشین قرار پائے۔

آپ کی شخصیت بڑی پُرکشش تھی۔ فخر وادعاء، کبر واعجاب اور ریا سے پاک تھے۔ آپ کی سیرت کا اہم ترین پہلو بے نفسی اور انکسار تھا۔ آپ کے آستانہ پر علماء، مشائخ اور عوام کا ہجوم رہتا تھا۔ باہر اور دُور کے حضرات خطوط کے ذریعہ استفادہ کرتے تھے۔ یہ مکتوبات جو حکیم شعیب نیّر رضوی نے کئی جلدوں میں "لمعاتِ بدریہ" کے نام سے مرتب کرکے شائع کئے ہیں علم وعرفان اور تحقیق واجتہاد سے لبریز ہیں۔

۱۹۱۵ء میں حکومتِ برطانیہ نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب پیش کیا تو آپ کو حکومت کی یہ پیش کش ناگوار گزری بہر علی امام کو ایک [illegible] مل خط میں اپنی ناپسندیدگی سے مطلع کیا اور تحریک ترکِ [illegible] ت کے موقع پر آپ نے خطاب اور اس کے لوازمات واپس کر دیئے۔

۱۹۲۰ء میں آپ کو بہار واڑیسہ کا امیر شریعت منتخب کیا گیا تاکہ ملک کے اس حصہ پر اسلام کا نظامِ حکومت نافذ کیا جاسکے۔ مولانا

محمد سجاد آپ کے نائب اور مشیر رہے۔ اس طرح بہار میں مستحکم شرعی نظام قائم ہوگیا۔

چالیس برس کی عمر میں جب آپ نے حرمین شریفین میں حاضری دی تو وہاں کے شیوخ نے بھی آپ کے عرفانی مرتبہ کا اعتراف کیا۔ اس سفر میں آپ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے استفادہ کرکے ان سے بھی خلافت حاصل کی۔ حضرت حاجی صاحب نے اجازت نامہ میں ان کے بارے میں بلند کلمات تحریر فرمائے ہیں۔

"آسمان وزمین کے درمیان مقبول۔ بدرالدین اللہ مسلمانوں کو ان سے مستفید کرے، ان مشائخ میں سے ہیں جن کا ظاہر وباطن تجلیاتِ الٰہی سے منوّر ہے۔"

تصانیف:۔ بیان المعانی، تذکرہ انساب خاندان امیر عطاء اللہ رویت ہلال، عمدۃ المطالب اور مجموعہ کلام فارسی وغیرہ ہیں۔

وصال:۔ صفر ۱۳۴۳ھ کی سولہویں شب کو سوا سات بجے وصال ہُوا، دن کے ساڑھے دس بجے نمازِ جنازہ ہوئی اور تاج العارفین شاہ محمد مجیب اللہؒ کے مزار سے متصل مدفون ہوئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں، حضرت مولانا شاہ بدرالدین اس عہد کے جنید وشبلی تھے۔ انکا زہد وورع، نزاہت واتقاء، علم وعمل، صورت وسیرت ہر چیز نمونہ سلف تھی، کم وبیش چالیس برس تک یہ علم وعرفان کی شمع صوبہ بہار میں روشن رہی اور اسکی روشنی دور دور تک پھیلتی رہی۔ ان کی نشست گاہ ایک کتب خانہ تھی۔ ان کے چاروں طرف کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا اور اس کے بیچ میں یہ زندہ کتب خانہ جلوہ فرما رہتا

تھا۔ اس عہد میں یہی ایک ہستی تھی جو ظاہر و باطن، علم و معرفت حقیقت و شریعت کا مجمع البحرین تھی اور جس سے ہزاروں اور لاکھوں علم و معرفت کے پیاسے سیراب ہوتے رہتے تھے۔ پھلواری کا سجادہ اس بزرگ ذات کی رونق افروزی سے چشمۂ خورشید تھا۔ افسوس کہ یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔ [1]

اولاد:۔ آپ کے چار فرزند۔ مولانا شاہ محی الدین، شاہ قمرالدین، مولانا شاہ نظام الدین اور شاہ شہاب الدین تھے۔ آپ کے وصال کے بعد بڑے فرزند شاہ محی الدین خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین ہوئے اور ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ شاہ امان اللہ ان کے جانشین ہیں۔

—

۱ سید سلیمان ندوی: معارف: ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

۲ علمائے بہار نمبر سے مدد لی گئی ہے۔ نیز اپنی کتاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی؛ اور ان کے خلفاء سے بھی مدد لی گئی ہے۔

مولانا سید تجمل حسین بہاری

۱۲۶۲ھ - ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء

آپ صابر حسین صاحب کے فرزند تھے۔ تیسویں پشت پر یہ سلسلہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء کو دیسنہ بہار میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ خاندان کے دو بزرگوں حکیم سید محب الحق اور مولانا محمد یعقوب نے پرورش کی۔

پہلے قرآن پاک حفظ کیا، پھر فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر جونپور کے نامور اور فاضل اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۲۹۵ھ میں تفسیر مولانا محمد مظہر نانوتوی (بانی مدرسہ) سے اور حدیث اس وقت کے مشہور محدث اور مدرسہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری سے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ آپ کے ہم درس ساتھیوں میں مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی اور علامہ شبلی نعمانی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

حدیث کی دوسری سند حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی سے حاصل کی۔ انہی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور تقریباً ۲ سال تک ان سے روحانی فیض حاصل کرتے رہے، پھر ان کے بعد انہی کے پیر بھائی حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی (خلیفہ شاہ محمد آفاق) سے طریقہ قادریہ میں

ارشاد حاصل کیا۔

حج کے لئے مکہ مکرمہ گئے تو اس وقت کے شیخ الکل حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے طریقہ چشتیہ میں ارشاد حاصل کیا نیز مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ حضرت سے پڑھ کر، ۱۳۰۷ھ میں اسکی سند حاصل کی۔

حضرت حاجی صاحب کے دونوں خلفاء مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روحانی فیض اٹھایا، اور تصوف کے بہت سے دقائق ان بزرگوں سے سیکھے، اسی سلسلہ میں مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی استفادہ کرتے رہے۔

فراغت کے بعد کچھ عرصہ مفتی عبداللہ ٹونکی کے ہمراہ دہلی کے ایک مدرسہ میں تدریس کی، پھر ۱۳۱۰ھ میں بھوپال میں منشی محمد امتیاز علی کے ہاں قیام رہا، ان کے وصال کے بعد نواب صدیق حسن خان کے بیٹے نور الحسن خان (مرید حضرت شاہ فضل رحمٰن) انہیں اپنے ہاں نور محل میں لے گئے۔ اسی زمانہ میں حضرت شاہ فضل رحمٰن نے ۲۴، جولائی ۱۸۹۵ء) وصال فرمایا۔

مولانا نور الحسن خان کی فرمائش پر نور محل میں بیٹھ کر فضل رحمانی لکھی جس میں شیخ کے حالات، کرامات اور تعلیمات کو قلم بند کیا، نواب صاحب نے اس کتاب کو خود چھپوا کر بکثرت تقسیم کیا۔

ندوۃ العلماء لکھنو کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ اس کی تعمیر کی نگرانی بھی کی اور اتالیق بھی رہے۔ اس کے بانی مولانا محمد علی مونگیری ان کے پیر بھائی تھے۔ آپ نے تین حج کئے، اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مستفید ہوتے رہے۔

آپ کا وعظ بڑا سادہ مگر بڑا ہی مؤثر ہوتا تھا۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ :۔

" صبر و تحمل، زہد و توکل، حق گوئی، طہارت، معاملات کی صفائی، سچائی، سادگی، خوف الٰہی، خلق سے کم آمیزی گوشہ نشینی ان کی صفات تھیں۔ ان کو کبھی کسی کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ خوف الٰہی کے سوا کسی کا خوف ان کے دل میں نہ تھا اور کسی موقع پر حق کے اظہار سے کوئی ہیبت دینا ان کو باز نہیں رکھتی تھی۔ خدا کی یاد ہمیشہ رہی۔ تسبیح ہر وقت ہاتھ میں رہتی۔ قلب ہمیشہ ذاکر و شاغل رہتا۔ ان کی اردو میں بزرگوں کے حالات اور تصوف میں چند کتابیں تھیں۔"

۱۳۴۲ھ / ۱۶، اپریل ۱۹۲۴ء کو آپ کا وصال ہوا۔

"دارالعلوم ندوہ میں میرے ساتھ میرے ایک عزیز قریب و ہموطن مولوی سید محمد قاسم صاحب خلف الرشید مولانا شاہ تجمل حسین صاحب خلیفہ شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی و حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہم اللہ تعالیٰ رفیق درس تھے، وہ اپنے والد کے حکم سے ندوہ چھوڑ کر دیوبند چلے گئے تھے۔ انہوں نے دیوبند پہنچ کر طالبعلموں کی تقریر و تحریر کی ایک انجمن کی بنیاد ڈالی، مولانا شبیر احمد عثمانی ان جلسوں میں دلچسپی لیتے تھے۔"[1]

---

[1] سید سلیمان ندوی : یاد رفتگان : کراچی : ۱۹۵۹ء ص ۳۸۵

مولانا حکیم میر سیّد دائم علی

۱۹۱۷ —

"آپ کا آبائی وطن پٹنہ بہار ہے۔ ذوقِ علم میں وطن سے نکلے، اس دور کے اساتذہ علم وفن مولانا محمد احسن گیلانی، علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا عالم علی نگینوی اور حکیم احسن اللہ خاں دہلوی جیسے یگانہ روزگار علماء اور اہلِ فن نے ان کے جوہر قابل کو نکھارا اور ان بزرگوں کے خرمن فیض سے خوشہ چینی کی۔ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد ٹونک میں متوطن ہو گئے، رئیس ٹونک کے مزاج میں وہ رسوخ حاصل کیا کہ طبیبِ خاص اور دیوانِ خزانہ مقرر ہوئے۔

روحانی فیوض وبرکات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی سے حاصل کیں اور انکے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے حکیم میر سید دائم علی نے ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء..... میں وفات پائی"[۱]

انکی اولاد میں ایک فرزند مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی تھے۔

حکیم برکات احمد ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء ٹونک میں آئے درسِ نظامیہ کی متوسط کتابوں کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر مولانا لطف علی بہاری، مولانا محمد حسن اور مولانا عبدالحق خیر آبادی سے پڑھتے رہے۔ حدیث مولانا محمد ایوب پھلتی سے پڑھی پھر ٹونک میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۳۱ھ میں حج کیا۔ انکی کئی قابلِ قدر تصانیف ہیں۔ ان میں ایک رسالہ اتقان العرفان فی ماھیتہ الزمان ہے جسے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی نشاندہی پر علامہ اقبالؒ نے مطالعہ کیا تھا۔

[۱] اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علمائے پاک وہند: لاہور: ۱۹۷۷ء ص ۲۲۳-۲۲۵

مولانا محمد ادریس نگرامی

۱۲۷۵ — ۱۳۳۱ھ

ولادت آپ مولانا حافظ عبدالعلی صاحب کے فرزند تھے، آپ کی ولادت نگرام میں بروز دوشنبہ ۱۴ شوال ۱۲۷۵ھ میں ہوئی۔

تعلیم ابتدائی تعلیم خادم رسول صاحب سے حاصل کی، بعد میں ساری تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی، پھر لکھنو جا کر مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے فقہ کی مشہور کتاب مسلم الثبوت پڑھی اور حدیث کی سند شیخ عبدالحق بن محمد میر دہلوی، شیخ عبدالرحمٰن بن محمد پانی پتی اور مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے حاصل کی۔

سلوک سلوک وتصوف کی راہ بھی اپنے والد کی نگرانی میں طے کی اور بعد میں مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی اور مولانا عبدالسلام ہسوی سے کسب فیض کیا۔ مولانا فضل الرحمٰن آپ سے انتہائی محبت کرتے تھے، آپ کا کوئی مرید اگر مولانا گنج مراد آبادی سے بھی بیعت ہونے کی خواہش کرتا تو وہ برجستہ فرماتے کہ "کیا ہم اور ادریس الگ الگ ہیں؟" اس کے علاوہ آپ نے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی" سے بھی خط وکتابت کے ذریعہ اجازت اوراد و وظائف وارشاد و بیعت حاصل فرمائی تھی۔

درس وتدریس اپنے والد کی طرح درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، نگرام میں معدن العلوم کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جو کافی عرصہ دراز سے علمِ دین کی خدمت کرتا رہا ہے۔ اپنی سرپرستی میں ایک اصلاحی رسالہ ماہنامہ "الہادی" جاری کیا۔ نگرام میں مطبع نفیسی کے نام سے ایک پریس کھولا جس میں آپ کی بعض تصانیف اور دوسرے اہلِ خاندان کی تصانیف طبع ہوئیں۔

درس وتدریس کے علاوہ طالبانِ سلوک کی بھی تربیت کرتے، آپ کی صحبت میں اگرچند دنوں میں ان کی حالت سُدھر جاتی. آپ ندوۃ العلماء کی مجلسِ منتظمہ کے رکن رہے اور اس کے جلسوں میں پوری دلچسپی کے ساتھ شرکت کرتے رہے۔

اخلاق وعادات

حدیثوں میں جو کچھ پڑھتے اس کے جُزجُز پر عمل کرتے، زندگی ہمیشہ متوکلانہ بسر کی، تیس سال کے عرصہ میں جو صرف کتابوں کی صحبت میں بسر ہوئے اکثر ایسے اوقات گزرے کہ فاقہ کی نوبت آگئی لیکن صبر و توکل کے اس مجسمہ کے چہرہ پر کبھی اس کے آثار ظاہر نہ ہوئے، عبادت و ریاضت کی کثرت کے باعث رات کو بھی دن کی طرح مشغول رہتے۔

مہمان نوازی سے عشق تھا، خود اپنے ہاتھ سے مہمانوں کی خدمت کرتے، اگر کوئی دوسرا اس خدمت کے لیے اصرار کرتا تو فرماتے:

"میرا مہمان ہے، خدمت کا حق میرا ہے"

مولانا سید عبدالحی لکھتے ہیں:

"آپ نیک اور متقی، متین اور سنجیدہ تھے، بامروت و با اخلاق تھے خوددار اور عزتِ نفس والے تھے"

وصال

آپ کا وصال نگرام ہی میں ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ میں ہوا، اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

اولاد

اولادِ ذرینہ میں مولانا محمد نفیس صاحب اور مولانا حافظ محمد انیس صاحب چھوڑے، مؤخر الذکر مدرسہ معدن العلوم کے مہتمم ہیں۔

تصنیفی خدمات

آپ کو علوم میں سب سے زیادہ شغف حدیث شریف سے تھا حجۃ اللہ البالغہ، شفاء قاضی عیاض اور دلائل الخیرات کی احادیث کی تخریج فرمائی جس سے فنِ حدیث میں آپ کی وسعتِ نظر کا پتہ

چلتا ہے اردو میں تذکرہ علمائے حال ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوئی، فضائل الکسب بھی شائع ہوئی۔ آپ کی باقی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

۱۔ التحقیق الموطانی تحقیق الصلوٰۃ الوسطیٰ۔

۲۔ تحفۃ النبلاء

۳۔ القول المتین فی التامین۔

۴۔ مواهب القدوس فی احکام الجلوس۔

۵۔ التعلیق النقی علی رسالۃ الشیخ علی متقی۔

۶۔ تحفۃ الحبیب فی تحقیق الصلوٰۃ والکلام بین یدی الخطیب

۷۔ العون لمن نفی ایمان فرعون۔

۸۔ التحقیق المبین فی مجدد المائتین۔

۹۔ الکلام النفیس فی ترجمہ محمد ادریس

۱۰۔ الکلام المسدد فی رواۃ امام محمد

۱۱۔ تحقیق المرام بترتیب مسند الامام

۱۲۔ الاربعین من مرویات نعمان سید المجتہدین

۱۳۔ طریق الفلاح الی الاضطجاع بعد رکعتی الصباح

۱۴۔ الہام اللہ المتعال فی کراھیۃ سور الاجنبیۃ للرجال

۱۵۔ الاصول الثابتۃ للفروع النابتۃ

۱۶۔ حصول المقاصد بترجمۃ الموارد۔

۱۷۔ تسریح المعاقد بتشریح الموارد

۱۸۔ نفحۃ الشمائم لاهل العمائم۔

۱۹۔ تعلیق التمائم علی نفحۃ الشمائم۔

۲۰۔ البرهان علی حکم تقبیل الابهامین عند الاذان
۲۱۔ الادلة الزکیة فی تائید مذاهب الحنفیة
۲۲۔ المفاتحة فی المصافحة
۲۳۔ المهتدی للمقتدی
۲۴۔ ابراز الکتمان عن تکمیل الایمان
۲۵۔ علل لاهل الجهل
۲۶۔ امحاء السیئات باقامة الصلوة
۲۷۔ مجموعه خطب
۲۸۔ رفع الاحتمال عن رویة النبی بعد الارتحال
۲۹۔ تطییب الاخوان بذکر علماء الزمان۔

آخر الذکر کتاب حضرت مولانا نے مجلس ندوۃ العلماء کی تحریک پر سپردِ قلم فرمائی تھی۔

خلفاء آپ کے خلفاء میں سے یہاں صرف دو حضرات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مولانا حافظ خلیل الرحمٰن

مولانا محمد یحییٰ کے فرزند اور مولانا عبدالرحمٰن ندوی کے والد تھے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، پھر کانپور جاکر جامع العلوم میں مولانا اسحاق بردوانی اور مولانا رشید احمد سے درسیات ختم کیں بسند فراغ اور اجازتِ بیعت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی سے حاصل کی۔ بیعت اپنے والد سے تھے لیکن خرقۂ خلافت اپنے چچا مولانا حافظ محمد ادریس صاحب سے حاصل کیا۔ قرآن مجید اچھا یاد تھا۔ تراویح میں قرآن سناتے تو مقتدیوں پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا۔ وعظ بھی بہت مؤثر ہوتا تھا جسم میں طاقت خداداد تھی۔ تصانیف میں اصطلاح العلوم، لسان العرب اور ضربتِ حسینی یادگار

چھوڑیں، آپ نے کل ۷۲ سال کی عمر پائی۔ انتقال سے چند منٹ پہلے آپ نے ہوش و حواس کے عالم میں تیمارداروں اور عزیزوں کو مخاطب کرکے فرمایا، دیکھو حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام، خلفائے اربعہ، والد صاحب اور دادا صاحب مجھے لینے آئے ہیں اور ساتھ ہی قرآن شریف کی تلاوت شروع کردی، سورہ فاتحہ، سورہ ملک پڑھ کر سورہ یٰسین پڑھنے لگے جیسے ہی والیہ ترجعون پر پہنچے سربسجود ہو گئے اور مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ تاریخ وفات ۲۵ محرم ۱۳۱۹ھ ہے

مولانا محمد سلیم صاحب

مولانا عبدالحکیم کے فرزند تھے، درسیات اپنے والد اور مولانا محمد ادریس سے پڑھیں، پھر جامع العلوم کانپور میں مولانا اشرف علی تھانوی سے پڑھتے رہے، لکھنؤ میں مولانا عبدالمجید اور مولانا عین القضاۃ دونوں بزرگوں سے سندِ فراغ حاصل کی۔ ان کے علاوہ مولانا محمد ادریس، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا انور شاہ کشمیری سے بھی سند حاصل کی۔ مولانا محمد ادریس سے بیعت ہوکر اجازتِ بیعت بھی لی۔ پھر درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کے کام میں لگے رہے، چند تصانیف اور تراجم بھی یادگار چھوڑے۔

بسترِ علالت پر ظہر کی نماز ادا کی، جونہی سلام پھیرا، روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، اپریل ۱۹۲۹ء میں آپ کا انتقال ہوا[1]

---

[1] مولانا محمد ادریس اور ان کے خلفاء کے تذکروں کے سلسلہ میں مولانا مطلوب الرحمٰن نگرامی کے مضمون علمائے نگرام مطبوعہ معارف اعظم گڑھ بابت ماہ ستمبر ۱۹۴۰ء سے مدد لی گئی ہے۔

حافظ رمضان صاحب اعظمی

آپ "بکھرا" ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔

مصنف تذکرہ علمائے اعظم گڑھ لکھتے ہیں :۔

"حافظ صاحب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے مجازِ بیعت تھے اور بہت ہی بافیض حافظ اور عبادت گزار زاہد تھے" (صفحہ ۱۴۸)

اولاد میں ایک فرزند مولانا حافظ عبدالرحمٰن[1] تھے۔

---

[1] مولانا حافظ عبدالرحمٰن (۱۲۹۵ — ۱۳۴۰ھ) نے حفظ اور ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی، پھر جونپور میں مولانا سید اصغر حسین سے پڑھتے رہے، پھر دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمود حسن سے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

۱۳۳۶ھ میں مولانا محمد اشرف علی تھانوی سے بیعت ہوئے اور پھر خلافت حاصل کی۔ مدرسہ رحمت العباد میں تدریس کی، تصانیف میں رحمۃ المتعلمین مطبوعہ ہے۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ کو وصال ہوا، ان کی اولاد میں مولانا عبدالقیوم ہیں، انہوں نے ۱۳۵۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت پائی، یہ بقید حیات ہیں۔

قاضی فضل الرحمٰن قاضی شہر سہارنپور

"قاضی فضل الرحمٰن صاحب — حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید کے خلفاء میں سے تھے، طبیعت کی یکسوئی اور فروتنی کی وجہ سے طالبانِ بیعت کو بیعت کرنے سے انکار فرما دیا کرتے تھے، کسی نے اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے عرض کر دیا کہ طالبین جاتے ہیں مگر قاضی صاحب بیعت نہیں کرتے، اس پر اعلیٰ حضرت نے ایک تنبیہی خط قاضی صاحب کو تحریر فرما کر حکم دیا کہ اس خدمت سے اعراض مت کرو، بے تامل بیعت کیا کرو، میں بھی تم کو اپنی جانب سے اجازت و خلافت دیتا ہوں اور بیعت کرنے کی تاکید کرتا ہوں" [1]

"مدرسہ کے ابتدائی دور میں جن حضرات نے نہایت فراخدلی اور کشادہ دستی کے ساتھ مدرسہ کی مالی امداد فرمائی ان میں قاضی فضل الرحمٰن صاحب، حافظ الٰہی بخش صاحب اور حافظ شیخ فضل حق کے اسمائے گرامی سرِ فہرست ہیں۔

قاضی صاحب موصوف اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید سے مجاز بیعت ہونے کے باوصف دنیاوی اعتبار سے بھی بڑے ذی ثروت اور باوجاہت تھے، مدرسہ کے تمام معاملات بالخصوص امورِ اہتمام میں ہر نوع کی مدد فرماتے، بہت سے مواقع پر بڑی فراخدستی کے ساتھ مدرسہ کی مالی اعانت فرمائی، انتقال سے کچھ عرصہ قبل ایک بڑا قطعہ اپنی زمین کا مدرسہ کو وقف بھی فرمایا تھا۔

---

[1] مولانا محمد شاہد : علمائے مظاہر علوم، صفحہ ۱۹۳

۱۲۸۲ — ۱۳۲۹ھ — آخر حیات تک مظاہر علوم سہارنپور کے محسن ومربی اور مہتمم رہے۔ ۱۵ شوال ۱۳۲۹ھ یوم سہ شنبہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

روداد مدرسہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"۱۵ شوال ۱۳۲۹ھ کو جناب قاضی فضل الرحمٰن خان صاحب رئیس سہارنپور و سرپرست مدرسہ وجامع مسجد کا بعارضہ بخار انتقال ہوگیا، حضرۃ قاضی صاحب کی ہر دلعزیزی اور دینی واسلامی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ایسا نہیں کہ اس کو بھلا دیا جائے، ابتداء سے لے کر تا آخر عمر مدرسہ کے معاملات میں جو دلچسپی سرپرستی اور معاونت فرمائی وہ اکابر مدرسہ کے دل میں اپنے نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ گئی۔ . . . . . . ایسے سرپرست کا مدرسہ کے سر پر سے اٹھ جانا باعث نہایت افسوس اور صدمہ عظیم کا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے" (روداد ۱۳۲۹ھ ص ۱۳، ۱۴)

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے عالی جناب قاضی ظفر احمد صاحب قاضی شہر بنائے گئے۔ [1]

"جو مقدس شخصیتیں مظاہر علوم کو پروان چڑھانے اور اس کو بام عروج تک پہنچانے میں پیش پیش رہیں وہ یہ تھیں۔ مولانا سعادت علی خان سہارنپوری، جناب قاضی فضل الرحمٰن صاحب قاضی شہر سہارنپور، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، حافظ فضل حق، حضرت مولانا فیض الحسن صاحب ادیب کی انتھک مساعی اور قیمتی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا"۔ [2]

---

[1] مولوی محمد شاہد: علمائے مظاہر: ج ۱ صفحہ ۴۵

[2] 〃 〃 〃 ۴۲

حضرت مولانا سخاوت علی صاحب انبیٹھوی

یہ پہلے انبہٹہ میں درس دیا کرتے تھے۔ جب مظاہر علوم قائم ہوا تو حضرت مولانا سعادت علی خان صاحب کے حکم پر یکم رجب ۱۲۸۲ھ میں تشریف لائے اور اولین استاذ عربی مقرر ہوئے، جو طلبہ پہلے مولانا سعادت علی صاحب کے پاس پڑھ رہے تھے ان کا سبق مولانا سخاوت علی صاحب کے پاس شروع ہوا، آپ ایک سال تک مدرسہ مظاہر علوم کے استاذ رہ کر ۱۲۸۳ھ میں مستعفی ہوئے، بعد ازاں ۱۲۸۸ھ میں دوبارہ مدرس فارسی مقرر ہوئے اور ۱۲۸۹ھ میں استعفا دے کر پھر انبہٹہ چلے گئے اور وہیں درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔

آپ نے مظاہر علوم کے زمانہ قیام میں بڑی جانفشانی وتندہی کے ساتھ طلبہ کو پڑھایا اور ان پر محنت کی۔ روداد مدرسہ میں اسے سراہا گیا ہے "حسن کارگزاری عامل فاضل مولوی سخاوت علی صاحب مدرس مدرسہ ہذا ہر آئینہ قابل تحسین وآفرین ہے اس واسطے کہ یہ نتیجہ مولوی صاحب ممدوح کی توجہ دلی کا ہے"۔ [1]

---

[1] مولانا سید محمد شاہد: علمائے مظاہر علوم: ج ۱ صفحہ ۸۲

مولانا منور علی صاحبؒ

پروفیسر احمد سعید، مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری[1] کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"اسی زمانہ میں مولانا منور علی صاحب خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے دربھنگہ کے قریب مدرسہ امدادیہ قائم کیا اور حضرت (مولانا اشرف علی) تھانوی سے ایک اعلیٰ و قابل مدرس کی فرمائش کی، تب حضرت تھانویؒ کی فرمائش پر آپ طبی شغل چھوڑ کر دربھنگہ تشریف لے گئے اور وہاں علمی درس میں مصروف ہو گئے اور ایک زمانہ تک وہیں صدر مدرس رہے۔"[2]

۱۔ مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپور بجنور کے رہنے والے اور حکیم سید بنیاد علی کے فرزند تھے۔ ولادت ۱۲۸۵ھ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اساتذہ میں مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور مولانا محمود حسن شامل ہیں، دوبارہ دورۂ حدیث مولانا رشید احمد گنگوہی سے پڑھا اور فیضِ صحبت حاصل کیا، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی بہترین طبیب، مناظر، مصنف اور مدرس عالم تھے، اپنے والد گرامی کے ساتھ حج کیا اور وہیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے بیعت ہو گئے، پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے خلافت حاصل کی، ربیع الآخر ۱۳۷۱ھ دسمبر ۱۹۵۱ء کو چاندپور میں باآواز بلند کلمہ پڑھتے ہوئے وفات پائی۔

۲۔ احمد سعید: بزم اشرف کے چراغ: لاہور: ۱۹۷۱ء صفحہ ۱۲۲

حضرت مولانا عبدالغفارؒ

قاری بسم اللہ خان لکھتے ہیں:۔

"بگی میں مدرسہ اسلامیہ کے نام سے جو مدرسہ حضرت مولانا عبدالغفار خلیفہ ارشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے قائم کیا تھا وہ آج بھی مدرسہ قاسمیہ کے نام سے موجود ہے، اس مدرسہ میں مولانا خیرالدین[1] نے ایک عرصے تک تعلیم دی"

(تذکرہ قاریانِ ہند: صفحہ ۲۴۴)

نیز لکھتے ہیں:۔

"گیا میں ایک مدرسہ قاسمیہ ۱۲۹۵ھ سے قائم تھا، اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا عبدالغفار نے مدرسہ اسلامیہ کے نام سے قائم کیا تھا اور زندگی بھر اس کی خدمت کی، ان کے انتقال کے بعد مولانا خیرالدینؒ نے اس مدرسہ کو سنبھالا اور عمر بھر اس کی خدمت کی"[2]

۱۔ وطن حضرو ضلع اٹک، والد کا نام مولوی الف دین، ولادت ۱۲۷۵ھ میں ہوئی۔ فقہ کی تعلیم وطن میں ہوئی، اکثر کتابوں کے متن یاد تھے۔ پھر کرنال میں تعلیم پائی، قرأت کی تکمیل حافظ عبدالرحمن انصاری محدث پانی پتی سے کی، مولانا حالی سے فارسی پڑھی، حدیث کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمود حسن سے کی، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا صدیق احمد درس میں ساتھ تھے، مولانا احمد حسن کانپوری سے معقولات کا درس لیا، مدرسہ فیض عام میں مدرس ہوئے، اکابر علمائے دین نے ان سے پڑھا، پھر مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ میں ایک عرصے تک تعلیم دی۔ ۱۳۲۶ھ میں وفات ہوئی۔

۲۔ قاری بسم اللہ: تذکرہ قاریان ج ۱ ص ۵

مولانا عبدالحی چاٹگامی

"مولانا عبدالحی بن مخلص الرحمٰن حنفی صوفی بہت ہی مشہور عالم و فاضل تھے، ولادت و نشو و نما چاٹگام میں ہوئی، کچھ عرصہ مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں پڑھتے رہے، پھر علامہ عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی کی خدمت میں رہ کر اکثر درسی کتابیں ان سے پڑھیں، ان کے وصال کے بعد مولانا محمد نعیم بن عبدالحکیم لکھنوی سے پڑھنے لگے۔ بعض کتابوں میں علامہ سید عبدالحی الحسنیؒ ناظم ندوۃ العلماء ان کے شریک درس رہے، فراغت کے بعد لکھنو ہی میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں، پھر اپنے وطن چلے گئے اور اپنے والد کی جگہ لوگوں کی روحانی اصلاح میں لگے رہے۔"[1]

حضرت سید نفیس الحسینی صاحب نے ان کی تاریخ وفات ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ لکھی ہے، نیز انہیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے خلفاء میں شمار کیا ہے۔[2]

---

[1] مولانا عبدالحی : نزہۃ الخواطر : کراچی : ۱۹۷۶ء : ج ۸ صفحہ ۲۴۰ (عربی سے اردو)

[2] مولانا سید نفیس الحسینی : احوال و آثار : لاہور : صفحہ ۲۳

مولانا محمد علی مونگیری

"شیخ، عالم، فقیہ، زاہد — محمد علی بن عبدالعلی بن غوث علی حنفی نقشبندی کانپوری ہند کے مشہور فاضل علماء میں سے تھے۔

۳ شعبان ۱۲۶۲ھ میں کانپور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی سے حاصل کی، پھر سید حسین شاہ کشمیری سے پڑھتے رہے، ازاں بعد مفتی لطف اللہ حنفی سے کانپور میں رہ کر تمام درسی کتابوں کی تکمیل کی، پھر مدرسہ "فیضِ عام" کانپور میں ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے، پھر سہارن پور پہنچے اور کامل ایک سال حضرت مولانا احمد علی حنفی سہارنپوری المحدث سے حدیث پڑھی اور سند حاصل کی۔ پھر عازمِ کانپور ہوئے۔ جوانی ہی میں حضرت کرامت علی قادری کالپویؒ سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی پھر حضرت مولانا فضل رحمٰن بن اہل اللہ مرادآبادی سے بہت سے فیوض حاصل کر کے خلافت حاصل کی، عرصۂ دراز تک ذکر و اذکار میں لگے رہے۔ حجاز کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک سال تک مکہ مکرمہ میں رہے، ۱۳۲۰ھ میں ہندوستان واپس آئے، اور "مونگیر" چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی، اور بہت ہی قبولیت حاصل کی، دوبارہ حجاز کا سفر کیا اور وہاں پورے دو سال تک رہے۔ واپس مونگیر آئے اور عبادت اور اِفادہ میں لگے رہے۔

اور انہوں نے ہی ۱۳۱۰ھ میں "ندوۃ العلماء" کی عربی مدارس کے احیاء اور نظامِ مدارس کی اصلاح کی خاطر بنیاد رکھی، انہوں نے اسلامی فرقوں کے مابین نزاع کو ختم کیا، اور اسلام پر ہونے والے اعتراضات کو روکا، اللہ نے ان کی کوششوں میں برکت دی، ندوہ کے اراکین نے ۱۳۱۷ھ میں لکھنو کے اندر ایک بہت بڑے مدرسہ کی بنیاد رکھی

اور یہ وہی مدرسہ ہے جس نے دارالعلوم کے نام سے شہرت پائی ہے، اللہ نے اس کے ذریعے مسلمان کو نفع دیا۔

حضرت کی اپنی طالب علمی اور تدریس کے وقت سے جو کچھ گردوپیش میں ہو رہا تھا اس کی طرف پوری توجہ تھی، اس کا انہوں نے مکمل جائزہ لیا، انہوں نے عیسائی مشنریوں اور پادریوں کو عیسائیت کی نشرواشاعت اور مسلمانوں کے عقیدہ اور دین میں شک ڈالتے ہوئے دیکھا، انہوں نے مسلمان جوانوں اور مسلمان بچوں کو خطرے میں دیکھا تو انہوں نے عیسائیت کا پورا مطالعہ کیا، عیسائی مشنریوں اور پادریوں کی ڈٹ کر تردید کی، اس کام کے لیے ایک رسالہ "منشورِ محمدی" جاری کیا جو پانچ سال تک جاری رہا، عیسائیت کے رد میں قابلِ قدر کتابیں لکھیں، اُن میں مرآۃ الیقین، آئینہ، دفع التلبیسات اور پیغام محمدی خاص طور قابلِ ذکر ہیں۔

انہوں نے علماء کے آپس کے اختلاف اور مدارس کے قدیم نصاب سے ان کے چمٹے رہنے اور اس میں عصرِ جدید کے تقاضوں کے مطابق کسی کمی بیشی اور اصلاح کی طرف راغب نہ ہونے کے باعث ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی، اور ندوہ کے انتظامی امور اور اصلاح میں لگ گئے، ۱۳۲۱ھ میں مونگیر صوبہ بہار میں گوشہ نشین ہو گئے اور دنیا ہر طرف سے ان پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتی تھی اور اصلاح و تربیت حاصل کرتی تھی وہ اس لحاظ سے مرجع تھے۔

اسی اثناء میں مونگیر میں قادیانیت کا چرچا ہوا، بہت سے طلبہ اور ملازم پیشہ حضرات کا عقیدہ ڈانوا ڈول ہونے لگا، مولانا اس کام کے خلاف اُٹھے، اور مناظرے کئے اور قادیانیت کی تردید میں ہمہ تن لگ گئے اور سب کچھ لگا دیا، اور قادیانیت کے رد کو بہت ہی بڑی عبادت سمجھتے تھے چنانچہ اس کے رد میں ایک سو کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے چالیس تو ان کے اپنے نام سے باقی دوسروں کے نام

سے چھپیں، ۱۳۳۰ھ میں علماء اہلسنت اور قادیانیوں میں ایک مناظرہ ہوا۔ اس کا مولانا نے بہت ہی اہتمام کیا تھا، اس میں قادیانیت کو شکستِ فاش ہوئی اور فضا صاف ہو گئی۔ اہل بدعت کے رد میں بھی کتابیں لکھیں۔ ان سے بے شمار لوگ بیعت ہوئے اور روحانی تربیت حاصل کی۔ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ ان سے چار لاکھ حضرات بیعت ہوئے، لوگوں کے اخلاق سنور گئے، اور ان کی دینی حالت ٹھیک ہو گئی۔ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں، ان پر محبت و استغراق کا غلبہ رہا۔۔۔۔ تاثیر بڑھی اور برکت میں اضافہ ہوا۔

مولانا محمد علی اللہ والے عالم، بڑے مُصلح اور بڑی قوی نسبت کے بزرگ تھے، ان کے پیر و مرشد مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی ان کی بہت ہی تعریف کیا کرتے اور فرماتے تھے کہ ان کی روح متقدمین کی ارواح میں سے باقی رہ گئی، اور ان جیسے لوگ ہر زمانے میں کم ہوئے ہیں۔

عالم باعمل تھے، انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے لیے بہت کام کیا علم اور دین کی شان بلند کی، ان میں اسلامی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی صحیح عقیدہ کے دفاع میں ان کی حمیت کا کیا کہنا۔ جس چیز سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ ہوتا اس میں لگے رہتے، مریدین کو خوب نوازتے، نہایت ہی متبعِ سنت تھے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان میں بہت زیادہ تھی۔ ان کی بہت سی کرامات بیان کی جاتی ہیں۔

بڑے متین اور سنجیدہ اور باوقار تھے، قد لمبا اور رنگ گندمی تھا، پیراکی میں تاک تھے، قرآن مجید بڑے سوز سے پڑھتے تھے، بہت ہی نفاست پسند تھے، بڑے شرم و حیا والے تھے۔ شب بیدار تھے۔

ان کی تصانیف بہت ہیں، ان میں عیسائیت کے رد میں "پیغام محمدی" اور قادیانیت کے رد میں "فیصلہ آسمانی" بہت ہی عمدہ کتابیں ہیں۔ اسی طرح اپنے شیخ فضل رحمٰن

کے اقوال و تعلیمات میں "ارشاد رحمانی" بھی عمدہ کتاب ہے۔ ندوۃ العلماء کی حمایت میں ان کے بہت سے مقالات بھی ہیں۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں وصال ہوا، اور مونگیر کی خانقاہ میں دفن کیے گئے[1] حضرت سیدی نفیس شاہ صاحب نے ۹ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ / ۱۲ ستمبر ۱۹۲۷ء لکھی ہے۔ مکہ مکرمہ کے عرصۂ قیام میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے خوب خوب استفادہ کیا اور ان سے بھی خلافت حاصل کی۔

قاری بسم اللہ لکھتے ہیں:

آپ نے قاری حافظ محمد علی کانپوری سے تجوید و قرارت سیکھی۔ تجوید و قرارت سے اس قدر شغف تھا کہ ہر طالب علم کو تجوید سیکھنے کی تاکید کرتے، جو طالب علم فارغ التحصیل ہو کر حضرت سے ملنے آتا اس کے آگے قرآن رکھ دیتے کہ کچھ سناؤ، اگر وہ تجوید سے پڑھتا تو خوش ہوتے ورنہ تاکید کرتے کہ تجوید صاف کرلو۔ اچھے قاریوں سے قرآن مجید سننے کا شوق تھا شیخ القراء عبدالرحمٰن مکی[2] سے آپ کو خلوص تھا جب کبھی وہ مونگیر آتے تو ان سے قرآن مجید سن کر بہت محفوظ ہوتے۔"

---

[1] مولانا حکیم عبدالحی، نزہۃ الخواطر: ج ۸ ،ص ۴۴۵-۴۴۶ کا عربی سے اردو میں ترجمہ

[2] شیخ القراء عبدالرحمٰن بن محمد بشیر خاں کا اصل تعلق قصبہ قائم گنج ضلع فرخ آباد (یوپی) سے تھا، ان کے والد گرامی ۱۲۸۳ھ میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے ان کے تین فرزند ـــــ محمد عبداللہ، محمد عبدالرحمٰن اور محمد حبیب الرحمٰن تھے والد نے تینوں فرزندوں کو مکہ مکرمہ میں تعلیم دلوائی، قاری محمد عبداللہ نے مقری ابراہیم سعد مصری سے قراءاتِ عشرہ کی سند لی، پھر مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں شیخ التجوید مقرر ہوئے اور آخر عمر ۱۳۲۷ھ تک خدمتِ تدریس قرآن میں لگے رہے، پھر ان کا فیض سارے عالم میں پھیلا۔ آپ ہی سے آپ کے دونوں چھوٹے بھائیوں نے قراءاتِ عشرہ سیکھیں، قاری عبدالرحمٰن ۱۳۱۰ھ کے لگ بھگ کانپور آئے اور تدریس شروع کی، پھر الہ آباد میں پڑھاتے رہے، یہاں طلبہ کم تھے، دل نہ لگا اور اگلے دن واپس مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کر لیا، رات خواب میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اولاد میں ایک عالم فرزند ـــــ مولانا قاری منت اللہ[1] ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) زیارتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے، آپؐ نے فرمایا عبدالرحمٰن! تم ہندوستان ہی میں رہو، ہمیں تم سے بہت کام لینا ہے۔" پھر ساری زندگی اسی خدمت میں لگادی، پورا ہندوستان مستفید ہوا، آپ بہت مشہور ہے آج پاک و ہند میں یہ فن انہی کے شاگردوں سے قائم و دائم ہے۔
تذکرہ قاریان ص ۳۲۷

[1] مولانا قاری منت اللہ ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔

علوم کی تکمیل دارالعلوم دیوبند سے کی علمِ قراءت کی تحصیل قاری عبدالخالق سہارنپوری، قاری عبدالعزیز اور قاری عبدالوحید دیوبندی جیسے اساتذہ سے کی۔

فراغت کے بعد خانقاہ رحمانی میں اپنے والد بزرگوار کے جانشین کی حیثیت سے خلقِ خدا کی روحانی اصلاح میں مشغول ہو گئے۔ ساتھ ساتھ درس و تدریس کا مشغلہ بھی جامعہ رحمانی میں جاری رکھا آپ بہار، اڑیسہ کے امیر شریعت بھی ہیں، عالمی مؤتمر اسلامی قاہرہ اور مؤتمر رابطہ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ میں شرکت کی اور مقالات پیش کیے جن کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے ۱۳۷۲ھ سے رکن چلے آرہے ہیں۔

عصرِ جدید کے مادہ پرستانہ چیلنج کے جواب میں

مولانا محمّد شہابُ الدّینؒ ندوی

کے چند

محققانہ تصانیف

٭ جدید ذہن ودماغ کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا جواب ٭ اسلام کی ابدیت اور عالمگیری کے سائنٹفک دلائل ٭ واضح اور تسلی بخش حقائق ٭ مسکت ودل نشین استدلال ٭ اور عالمِ انسانی کیلئے ایک لمحۂ فکریہ

۱. اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں

۲. قرآن مجید اور دنیائے حیات
(جدید سائنس کی روشنی میں چند حقائق)

۳. قرآن، سائنس اور مسلمان

۴. اسلام اور جدید سائنس

۵. عورت اور اسلام

۶. تخلیق آدم اور نظریۂ ارتقا

۷. تین طلاق کا ثبوت

۸. اسلامی شریعت علم اور عقل کی میزان میں

۹. قرآن کا پیغام اور اس کے علمی اسرار وعجائب

۱۰. جہیز
(ایک غیر اسلامی تصور جو فسادِ تمدن کا باعث ہے)

۱۱. اسلام کا قانون طلاق
(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

۱۲. اسلام میں علم کا مقام ومرتبہ

۱۳. تعددِ ازدواج پر ایک نظر

۱۴. نکاح کتنا آسان اور کتنا مشکل
(اسلامی شریعت کی روشنی میں ایک جائزہ)

۱۵. جدید علم کلام

۱۶. آسان عربی (اوّل۔ دوم)

ناشر
فضل ربی ندوی
فون ۶۲۱۸۷

مجلس نشریات اسلام ۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ۱ کراچی ۱۸